رجسٹرڈ ایل نمبر ۲۱۱



سالگرہ نمبر
عید نمبر
روزنامہ
انقلاب
ٹیلیفون نمبر ۲۷۳۴
قیمت فی پرچہ آٹھ آنے (۸)

فہرست مندرجات

نظمیں

نقشے

تصاویر

باہتمام غلام رسول مہر ایڈیٹر پرنٹر پبلشر رفیق عام پریس لاہور میں چھپ کر دفتر انقلاب لاہور سے شائع ہوا

گزارشِ احوال

آج اسلامی شہور و سنین کے حساب سے "انقلاب" کی زندگی کے دو سال ختم ہو رہے ہیں، اور تیسرے سال کی دہلیز پر اس کا قدم پہنچ گیا ہے۔ ۱۳۴۵ھ کے شہر رمضان المبارک (الذی انزل فیہ القرآن) کے آخری دن تھے کہ دو بے نوا انسانوں نے جن کے پاس دین کی متاعِ کسِ مخر اور شوق کی ایک ساعت مزجات کے سوا اور کوئی سامان نہ تھا ایک روزانہ اخبار کے اجرا کا خواب دیکھا تھا، جس کی تعبیر کے لئے ہزاروں روپے کے ساز و برگ کی ضرورت تھی، چارہ ساز حقیقی کی رحمت بے قیاس اور عاجز نواز مطلق کے فضل بے کراں نے اپنے اور محض اپنے دردمندوں کے ان فقیروں کو باوجود بے سر و سامانی اور باوصف بے ساز و برگی اس خواب کی تعبیر سے مشرف فرمایا، اور "انقلاب" نہ محض عالمِ وجود میں آیا، بلکہ اس وقت اپنی زندگی کے دو مرحلے ختم کر کے تیسرے مرحلے میں قدم رکھ رہا ہے، آج بھی اس کی زبان پر وہی دعا جاری ہے، جو روزِ اول جاری تھی رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطاناً نصیرا۔

جس طرح "انقلاب" کا اجرا محض فضلِ باری کا ایک کرشمۂ خاص تھا، اسی طرح اس کی زندگی کے گزشتہ دو سال اور اگر یہ الفاظ ہم عاجزوں اور بے نواؤں کی ذاتی ستائش پر محمول نہ فرمائے جائیں تو ہم عرض کریں گے، کہ کامیاب دو سال اسی کے فضل بے کراں کے سایہ میں گزرے، اور آئندہ بھی ہر نفس اور ہر سانس کا سہارا اسی کی ذات بے ہمتا اور اسی کی رحمتِ لازوال ہے انہ ھو یبدی ویعید وھو الغفور الودود ذو العرش المجید فعال لما یرید +

گزشتہ دو سال کی مدت میں "انقلاب" نے ملت کی جو خدمات انجام دیں ان کے تفصیلی تذکرے کا یہ موقع نہیں، "انقلاب" تنہا تھا، مالکِ حقیقی کا فضل بہرحال اس کا پشتیبان رہا، "انقلاب" مختلف النوع مخالفتوں کے ہجوم میں گھرا ہوا تھا حافظ الکل کی نوازشوں نے قدم قدم پر اس کی حفاظت کی "انقلاب" کو طرح طرح کی مصیبتوں سے سابقہ پڑتا رہا، مصیبتوں کو رفع کرنیوالے قادرِ مطلق نے ایک لمحہ کے لئے بھی اس کو مساعدت سے محروم نہ ہونے دیا۔ "انقلاب" گمنام اور ہیچ میرز ہستیوں کا نالۂ درد تھا، ایزد برتر و توانا نے اسے عام قبول و پذیرائی بخشی، یہ اسی منعم حقیقی کی شان کریمی کا کرشمہ ہے کہ "انقلاب" کو وہ مقام حاصل ہو چکا ہے، جو ہم بیکسوں کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا، اب وہ ایسا اخبار معلوم نہیں ہوتا جس نے صرف دو سال پیشتر زندگی کی منزل میں قدم رکھا تھا، بلکہ ایک پرانا اور مضبوط و مستقل اخبار معلوم ہوتا ہے، جس کی عاجزانہ صداؤں کو اس کے شفیق و سرپرست خاص التفات و توجہ سے سنتے ہیں، ھذا من فضل اللہ تعالیٰ۔ یختص برحمتہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم ۔

یہ "انقلاب" کا دوسرا سالگرہ نمبر ہے۔ ناچیز کارپردازان "انقلاب" کی شروع ہی سے یہ کوشش رہی ہے کہ وہ اپنی بساط و استطاعت کے مطابق بہتر سے بہتر چیزیں قارئین کرام کے ملاحظہ میں پیش کریں، اور اس کے ساتھ ہی معین و مقرر مقصد و نصب العین کو بھی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیں، پچھلا نمبر بھی ہماری ایسی ہی کوشش کا ایک نتیجہ تھا، اور موجودہ نمبر کی ترتیب میں بھی یہی خیال پیش نظر رہا ہے، گزشتہ سالگرہ نمبر میں دنیائے اسلام کی ان بزرگ و برتر ہستیوں کے تذکرے خاص طور پر جمع کئے گئے تھے، جو آج اپنی رفیع المنزلت اعمال کی وجہ سے فرزندانِ توحید کے عز و افتخار کا بڑے سے بڑا سرمایہ ہیں، ان تذکروں کے ساتھ مختلف اسلامی ممالک کے مجاہدات حریت و آزادی کی داستانیں بھی بیان کردی گئی تھیں، تاکہ مسلمان مختلف اجزائے ملت کی حیاتِ تازہ کی سرگزشتوں سے واقف ہو جائیں، اس مرتبہ ان مجاہدین احرار کی سیرتوں کا خاص اہتمام کیا گیا ہے، جو مختلف ادوار و ازمنہ میں اسلام کے ہلالی پرچم کو سربلند رکھنے کے لئے جہاد و قتال کے میدانوں میں اترے، لیکن عام مسلمانوں کو ان کے کارنامۂ زندگی سے کوئی واقفیت نہیں ہے، یہ کارنامے تاریخ اسلام کے بہترین سرمایۂ فخر و مباہات کا ایک جزو ہیں اور اس غرض سے جمع کئے گئے ہیں کہ قوم کے لئے حیاتِ تازہ کا ایک زندہ پیغام ہیں، شاید ان شعلہ ہائے آزادی کی برکت سے کسی قلب میں پھر روشنی کا سامان ہو جائے۔ وما ذالک علی اللہ العزیز۔ ان کے علاوہ بعض دوسری مفید اور علمی چیزیں بھی ہیں، تفریح و ترویح کا سامان بھی ہے، اور بلا اشتباہ مبالغہ عرض کیا جاتا ہے کہ یہ نمبر ہر اعتبار سے پہلے نمبر سے بہتر ہے، جن دوستوں اور محبوں نے اس نمبر کی ترتیب میں ہماری اعانت و مساعدت فرمائی ان کا دلی شکریہ، بعض دوست خاص شکریہ کے مستحق ہیں، بعض اہم مضامین شامل نمبر ہونے سے رہ گئے، ان کے لئے ہم معذرت خواہ ہیں، اس سلسلے میں سب سے پہلے ہم اپنے مکرم دوست اور محترم شفیق سید عبدالقادر شاہ صاحب ایم اے پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور سے معذرت خواہ ہیں، جن کا طویل مضمون (میر حیدر علی کے متعلق) چھپنے سے رہ گیا، اس لئے کہ اس کی کتابت ختم ہونے تک اکثر کاپیاں پریس میں جا چکی تھیں، اور اس کے لئے گنجائش نہیں رہی تھی، ہم نے اپنے عزیز دوست کے اس عطیہ بہیہ کو اب ٹیپو سلطان نمبر کے لئے رکھ لیا ہے، اسی طرح ہم پروفیسر ظہور الحمد صاحب ایم اے، میاں محمد اسلم صاحب، جناب نذیر محمد صاحب انور بی اے، شیخ محمد اسمٰعیل صاحب سیکرٹری ڈسٹرکٹ پبلک لائبریری پانی پت، پروفیسر محمد عبداللہ سے بھی معذرت خواہ ہیں، جن میں سے بعض کے مضامین بوجہ قلتِ گنجائش رہ گئے، اور بعض کے مضامین اس وقت ملے، جب کہ ہر چیز پریس میں جا چکی تھی، مثلاً خواجہ دل محمد کی نظم، شیخ محمد اسمٰعیل کا افسانہ، اگر پریس مساعدت کرتا اور نمبر کی ضخامت بڑھا کر ان مضامین کا چھاپنا ممکن ہوتا تو ہم کبھی تامل نہ کرتے، اب معذرت کے سوا چارہ نہیں، ہم ان تمام مضامین کو تاریخ وار روزانہ ایڈیشنوں میں نکال دیں گے، مولانا اکبر شاہ خان کے مضمون کے ساتھ چار نقشے تھے، مگر بوجہ عدم گنجائش صرف ایک نقشہ درج ہو سکا، ہمیں خود اپنے مضامین بھی اکثر و بیشتر بے دردانہ کاٹنے پڑے، نیز نقشے اڑا دینے پڑے، اپنے سرپرستوں کے مضامین کے ساتھ ایسا سلوک ممکن نہ تھا +

نظموں کے سلسلے میں حضرت علامہ اقبال مدظلہ العالی اور بیگم صاحبہ حضرت گرامی کا دلی شکریہ، ٹیپو سلطان شہید کے دو منثور مرثیوں کی طرف خاص طور سے توجہ مبذول کرائی جاتی ہے، یہ دونوں ہمارے علم کے مطابق نہایت نادر چیزیں ہیں، اور ایک ایسی کتاب سے اخذ کی گئی ہیں، جو ۱۸۵۶ء میں چھپی تھی، اور آج اکثر ارباب علم و نظر کو اس کے وجود کا بھی علم نہیں، تین تصویریں ٹیپو سلطان شہید کے متعلق ہیں تخت کی تصویر ایک سو سال کی پرانی کتاب سے اخذ کی گئی ہے "سلطان شہید کا آخری وار" اور "سلطان شہید کی نعش" ۱۸۰۲ء کے بنے ہوئے مرقعات ہیں "آخری وار" کی کیفیت یہ ہے کہ جب غداروں نے انگریزی فوج کے لئے قلعہ میں داخلہ کا موقع بہم پہنچا دیا، تو حضرت سلطان شہید خود اسلحہ لے کر مقابلے پر کھڑے ہو گئے، اس دوران میں حضرت کا جسم مبارک زخموں سے چور ہو گیا، علی الخصوص دونوں شانوں پر دو نہایت کاری زخم لگے اور دستار مبارک سر سے گر گئی، آخر زخموں سے خون بہنے کے باعث سلطان شہید کمزور ہو کر پڑے، انگریزی فوج کے ایک سپاہی نے یہ سمجھا، کہ کوئی امیر گرا پڑا ہے اور بڑھ کر حضرت کی مرصع تلوار اتار لینی چاہی حضرت نے آنکھیں کھولیں، تو اسی حالت میں تلوار اٹھا کر سپاہی پر وار کیا، اور اس کی ٹانگ گھٹنے تک اڑا دی، سپاہی نے پستول چلا دیا، اور گولی حضرت سلطان کی کنپٹی میں لگی، اس کے ساتھ ہی اس مجاہد کی روح جسد مبارک سے علیحدہ ہو گئی، نعش ملنے کی ہے، امیر عبدالقادر الجزائری کی تصویر "تحفۃ الزائر" سے لی گئی ہے، اور بڑی محنت سے بلاک تیار کرایا گیا ہے، مسجد قوت الاسلام انگریزی کی ایک نو مطبوعہ کتاب سے اخذ کی گئی ہے، مصطفیٰ کمال پاشا مرحوم کی تصویر کا بلاک بھی خود تیار کرایا ہے +

اس ضمن میں "سالہ عالمگیر" کے کارپردازوں کی طرف سے جو مدد ملی، اس کا شکریہ، حضرت چغتائی کا شکریہ، آپ نے چاند سلطانہ کی تصویر عنایت فرمانے کا وعدہ کیا تھا، مگر وہ تصویر بروقت بلاک کے لئے تیار نہ ہو سکی، سب سے بڑھ کر پنجاب کے مشہور مصور پروفیسر الٰہی بخش صاحب آرٹسٹ کا شکریہ، جو شروع ہی سے "انقلاب" کی خاص سرپرستی فرماتے رہے، سرورق آپ ہی کا تیار کیا ہوا ہے، اور باقی تصاویر کی ترتیب بلاکوں کی تیاری، طباعت و سرورق کی طباعت سب آپ ہی کی توجہ عالی سے پایۂ تکمیل کو پہنچے +

سب سے آخر میں ہم کو اپنے رفیقوں کا شکریہ ادا کرنا ہے، جنہیں رمضان کے مہینے میں عام روزانہ اخبار کے کام کے علاوہ کئی کئی گھنٹے خاص نمبر کے لئے زائد محنت کرنی پڑی، اور کئی روز تک ان پر لحظہ بھر کا آرام حرام رہا، عملہ کاتبین "انقلاب" بالخصوص ہمارے منشی عبدالقدوس اور ان کے رفیقِ خاص قاضی ظہور الدین کا شکریہ، جن کی توجہ سے یہ ضخیم نمبر بروقت تیار ہو گیا + ہماری دعا ہے، کہ اللہ تعالیٰ "انقلاب" کو ایسے کئی سالگرہ نمبر نکالنے کی توفیق دے، اس کے ذریعہ سے ملت و وطن کی بے اندازہ خدمت لے اس کے کارپردازوں کی ہمتوں اور ارادوں میں برکت دے، و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین

پیغامِ شہید

(حضرت ٹیپو سلطان شہید رحمۃ اللہ علیہ)

(حضرت علامہ اقبال مدظلہ العالی)

آتشے در دل دگر بر کردہ ام — داستانے از دکن آوردہ ام

در کنارم خنجرِ آئینہ فام — می کشم او را بتدریج از نیام

نکتہ گویم ز سلطانِ شہید — زانکہ ترسم تلخ گردد روزِ عید

پیشتر رفتم کہ بوسم خاکِ او — تا شنیدم از مزارِ پاکِ او

"در جہاں نتواں اگر مردانہ زیست

ہمچو مرداں جاں سپردن زندگیست"

(کتبہ عبدالقدوس)

"انقلاب" کے دو خاص پرچے

"سلطان شہید نمبر" اور "عالمگیر نمبر"

"انقلاب" جہاں مسلمانوں کی سیاسی و مذہبی تنظیم و اصلاح کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہے، وہاں اس کا ایک نصب العین یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے اُن مایۂ ناز اسلاف کی تاریخ کو جو آسمانِ اسلام پر ضیا بار ستاروں کی طرح چمک چکے ہیں نہایت اچھے اسلوب سے مسلمانوں کے سامنے پیش کرتا ہے، چنانچہ اسی "سالگرہ عید نمبر" میں آپ کو "انقلاب" کے اس نصب العین کے متعدد شواہد نظر آئیں گے۔

ہمارے نزدیک ہندوستان میں صحیح اور حقیقی روحِ اسلامی کے محترم ترین علمبردار حضرت اورنگ زیب عالمگیر اور حضرت ٹیپو سلطان شہید رحمۃ اللہ علیہما گزرے ہیں، اس سال ہمارا ارادہ ہے کہ ان دونوں غازیانِ ملتِ بیضا کی یادگار میں دو خاص نمبر شائع کریں، جن میں ان کے مکمل و مبسوط حالات ایسے طریق سے پیش کئے جائیں، کہ مسلمانوں کو ان کے علو منزلت اور ان کی بے نظیر حمیت اسلامی اور حرارتِ ایمانی کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

حضرت ٹیپو سلطان شہید رحمۃ اللہ علیہ کی ذات جنوبی ہند میں اسلام کی یکہ و تنہا علمبردار تھی، اور آج بھی اگر جنوبی ہند میں اسلامی زندگی کے آثار نظر آتے ہیں، تو یہ اسی مجاہد اعظم کے جہاد کی برکت ہے، حضرت سلطانؒ کی شہادت کے ایک سو تیس سال بعد یہ پہلا موقع ہے، کہ حضرت کی یادگار اس طریق سے منائی جا رہی ہے، یوم شہادت ۴ مئی ہے۔ انشاء اللہ ۴ مئی ۱۹۲۹ء کو ہفتہ کے دن "انقلاب" کا "ٹیپو سلطان نمبر" شائع ہو گا جس میں حضرت سلطان شہیدؒ اور آپ کے والد بزرگوار حیدر علی خان بہادر مرحوم کے مفصل حالات، آپ کے جہاد کی کیفیت اور آپ کی اسلامی زندگی کے متعلق بہترین مضامین شائع کئے جائیں گے۔

"عالمگیر نمبر" کے متعلق ہم اب تک یہ فیصلہ نہیں کر سکے، کہ وہ حضرت اورنگ زیبؒ کی ولادت کے دن شائع کیا جائے، یا وفات کے دن، اس کے متعلق بعد میں اطلاع دی جائے گی انشاء اللہ و بیدہ التوفیق۔

مہتمم روزنامہ انقلاب لاہور

اسلامی ہند کا بہترین ترجمان

روزنامۂ "انقلاب"

پورے دو سال سے سلمانانِ ہند کی عظیم الشان خدمات بجا لا رہا ہے، اور اس قلیل مدت میں اس روزنامے نے وہ مقبولیت حاصل کر لی ہے، جو سالہا سال کے قدیم روزناموں کے لئے بھی باعثِ رشک ہے، اس کی وجہ صرف یہ ہے، کہ مسلمانوں کے مطالبات کی ترجمانی میں یہ روزنامہ اپنے تمام معاصرین پر سبقت لے گیا ہے، اس کو مسلمانوں کے تمام طبقات اور سب فرقے استحسان کی نظروں سے دیکھتے ہیں، کیونکہ اس کا مقصدِ وحید یہ ہے، کہ مسلمان اپنے اندرونی اختلافات کو مٹا کر سچے مسلمان بن جائیں، اور کفر کے مقابلے میں ایک دوسرے کے قوتِ بازو ثابت ہوں، اس کے روزانہ پرچے، اس کے سنڈے ایڈیشن، اس کے خاص نمبر اپنے اندر بے شمار علمی ادبی دلفریبیاں رکھتے ہیں، اور سیاسی امور میں اس کی رائے تمام طبقات میں وقیع تسلیم کی جاتی ہے۔

کیا آپ اب تک اس روزنامہ کے خریدار نہیں ہوئے؟ ایک دفعہ آزمائش کے طور پر تین ماہ کے لئے خریدار بن جایئے، اس کے بعد آپ عمر بھر اس کی مفارقت گوارا نہ کریں گے۔

اس اخبار میں مدلل و متین مقالات، اور دلفریب "افکار و حوادث" کے علاوہ ملک اور بیرون ملک کی تازہ ترین خبریں زر کثیر صرف کر کے مہیا کی جاتی ہیں۔

قیمت سالانہ پندرہ روپے، ششماہی آٹھ روپے، سہ ماہی چار روپے آٹھ آنے، ماہانہ ایک روپیہ بارہ آنے، فی پرچہ ایک آنہ۔

مہتمم روزنامہ "انقلاب" لاہور



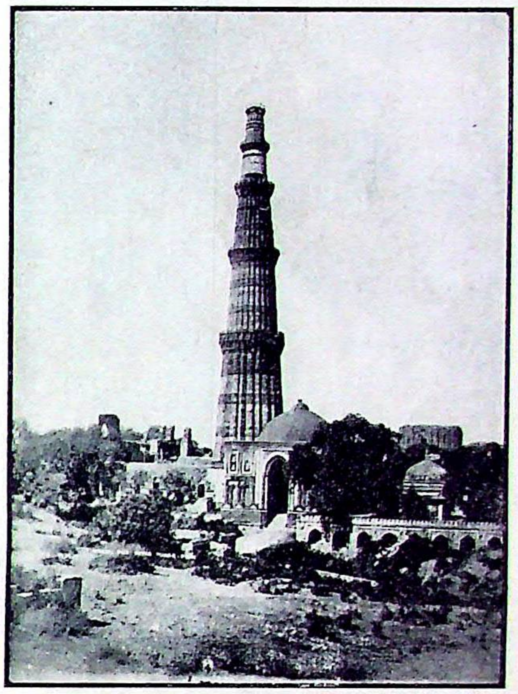
مصطفے کامل پاشا مرحوم



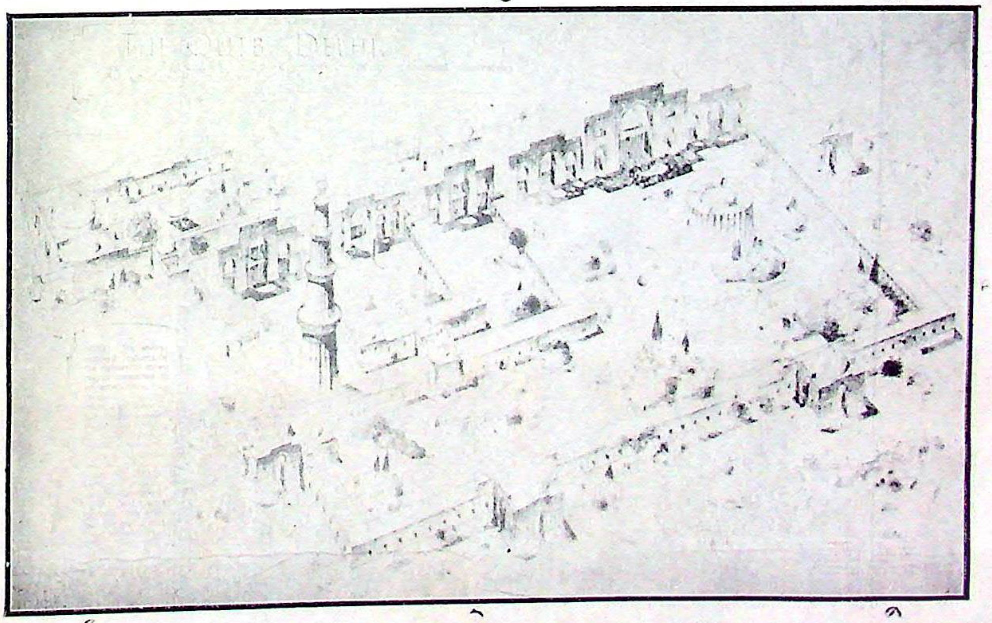
سعد زاغلول پاشا - مرحوم مع بیگم صاحبہ



"نغمہ": — عمل حضرت چغتائی



قطب مینار مع حوالی



مسجد قوت الاسلام دہلی (بر شکل مکمل)

وکٹوریہ پریس ریلوے روڈ لاہور

سرزمینِ مصر میں آفتابِ آزادی کی پہلی کرن

فقیدالمصر مصطفےٰ کامل پاشا مرحوم

داعیِ حریت مصر مصطفیٰ کامل پاشا کی کوئی مستند سوانح عمری دستیاب نہ ہوسکی اس لئے یہ حالات بعض مضامین اور کتابوں سے اخذ کئے گئے ہیں مولانا مظہرالدین مدیر "الامان" نے "حیاتِ کامل" کے نام سے جو ایک سوانح عمری مرتب کی ہے۔ اس سے علی الخصوص استفادہ کیا گیا ہے۔ (مدیر)

جب خدیو اسمٰعیل پاشا کی کمزوری اور اس کے وزیروں کی نالائقی کے باعث مصر دولت عثمانیہ کا ایک حصہ ہونے کے باوجود انگلستان اور فرانس کا مقروض ہوگیا تو ان دونوں طاقتوں نے مصر کے مالی معاملات اپنے قبضے میں لے لئے۔ سلطان عبدالحمید خاں مسند خلافت پر متمکن تھے لیکن دولت عثمانیہ انتہائی انحطاط کی حالت کو پہنچ چکی تھی اور اس میں اتنی قوت باقی نہ رہی تھی کہ اپنے ایک مقبوضہ میں یورپ کی ان دو عظیم الشان طاقتوں کے نفوذ کو روک سکے۔

عرابی پاشا

۲۶ جون ۱۸۷۹ء کو خدیو اسمٰعیل پاشا انگریزوں کے حکم سے معزول کر کے اٹلی بھیج دیئے گئے اور توفیق پاشا خدیو مقرر ہوئے انہی دنوں فرانس مصر کے مالی انتظام سے علیحدہ ہو گیا اور انگریز تمام مالی اور غیر مالی معاملات میں دخیل ہو گئے اب تک فوجی قبضہ نہ ہوا تھا چنانچہ اس کے لئے بھی ایک موقعہ تلاش کر لیا گیا ایک حریت پرست فوجی افسر عرابی پاشا اپنے ملک کی اس ذلت کو گوارا نہ کر سکا اور اس نے خدیو کے خلاف مسلح تحریک شروع کر دی خدیو توفیق پاشا میں اتنی طاقت کہاں تھی کہ حریت کے نشے میں سرشار مجاہدین کا مقابلہ کر سکتا چنانچہ انگریزوں کی بری و بحری فوج جولائی ۱۸۸۲ء میں مصر پہنچ گئی امیر البحر اور سپہ سالار نے خدیو کو یقین دلایا کہ حکومت برطانیہ مصر پر قبضہ کرنا نہیں چاہتی بلکہ اس کی غرض تو صرف یہ ہے کہ "باغیوں" کے مقابلے میں خدیو اور مصری قوم کی حمایت کرے یہ وعدہ کیا اور برطانوی فوجیں مصر کی سرزمین پر اُتر آئیں احرار سے مقابلہ ہوا عرابی پاشا کو شکست ہوئی انگریزوں نے ان کو گرفتار کر کے سیلون بھیج دیا۔

مصر پر انگریزوں کا فوجی قبضہ

بس وہ دن اور یہ دن مظلوم و بیکس مصر پر انگریزی فوج کا مسلسل قبضہ ہے۔ عرابی پاشا کی سرکوبی کے بعد بھی مصر کی حکمرانی برائے نام خدیو ہی سے منسوب تھی اور حکومت عثمانیہ کی سیادت بھی مسلم تھی لیکن حقیقت میں انگلستان حکومت کر رہا تھا اگرچہ انگلستان کی طرف سے پے در پے اس امر کا یقین دلایا جا رہا تھا کہ مصر پر قبضہ نہ کیا جائے گا اور مشہور دشمنِ اسلام مسٹر گلیڈسٹون وزیر اعظم برطانیہ اپنی تقریر مؤرخہ ۱۹ اگست ۱۸۸۳ء میں نہایت پُرجوش انداز میں یہ اعلان کر چکے تھے کہ انگریز اصول الحاق کے خلاف ہیں اور مصر ہرگز دولت برطانیہ کے ساتھ ملحق نہ کیا جائے گا لیکن اس کے باوجود مصر کی مالی، سیاسی، فوجی غرض تمام شعبوں پر برطانیہ کا قبضہ ہو چکا تھا اور یہ قبضہ سالہا سال گزر جانے کے بعد بھی بدستور رہا حکومت مصر کے تقریباً تمام شعبوں کے اعلےٰ افسر انگریز اور فرانسیسی تھے جو اتنی بیش قرار تنخواہیں لے رہے تھے کہ شاید دنیا کا کوئی ملک ان کی نظیر پیش نہیں کر سکتا مثال کے طور پر اتنا بتا دینا کافی ہے کہ وزارت مال امورِ عامہ، محکمہ ریلوے، چُنگی اور شعبہ قرضۂ مصر میں پندرہ بڑے بڑے افسر تھے جن کی مجموعی تنخواہ چھ لاکھ ستاسی ہزار روپیہ سالانہ کے قریب تھی اور اس رقم خطیر کے علاوہ جلب زر کے دوسرے طریقوں سے بھی انگلستان اور فرانس مصر کے تمام ذرائع و وسائل کو ہضم کئے جا رہے تھے۔ ہر طرف افلاس اور مصیبت کا دور دورہ تھا مصر کی قومی زندگی تباہ و برباد ہو چکی تھی اور یورپ بھر سے حق و انصاف کی حمایت میں ایک آواز بھی بلند نہ ہوتی تھی کوئی شخص یا کوئی جماعت انگلستان اور فرانس سے یہ نہ پوچھتی تھی کہ آخر مصر پر قبضہ کر لینے کا حق انہیں کیونکر حاصل ہو گیا؟ سب چپ چاپ بیٹھے ایک مظلوم قوم کی پامالی کا منظر دیکھ رہے تھے۔

جمال الدین افغانی اور محمد عبدہ

انہی دنوں کا ذکر ہے کہ ۲۲ مارچ ۱۸۷۱ء کو حضرت جمال الدین افغانی مصر تشریف لائے لیکن آٹھ سال بعد خدیو توفیق پاشا نے سفیر برطانیہ کے ایما سے حضرت ممدوح کو ملک بدر کر دیا مفتی اعظم محمد عبدہ بھی اس سے کچھ مدت بعد جلا وطن کر دیئے گئے اور بدقسمت مصر ان دونوں جلیل القدر مصلحین کی دعوت و تبلیغ سے بھی محروم رہ گیا جن کی بلند نظری اور اولوالعزمی نے مصر تو در کنار سارے عالم اسلامی کی اصلاح و تنظیم کا بیڑا اٹھا رکھا تھا۔

مصطفےٰ کامل کی ولادت

اسی زمانے کا واقعہ ہے کہ ۱۴ اگست ۱۸۷۴ء کو قاہرہ کے ایک چیف انجنیئر علی آفندی محمد کے ہاں ایک فرزند سعید پیدا ہوا جس کے حسنِ عمل کی خوشبو اطراف و اکناف عالم میں پھیلی اور جسے مصر علی الخصوص اور دنیائے اسلام علی العموم آج بھی انتہائی احترام کے جذبات سے یاد کرتی ہے۔ اس مولود مسعود کا نام **مصطفیٰ کامل** تھا جس کی وطن پرستی اور قومی فداکاری کا تذکار صحبت امروزہ کا نصب العین ہے۔

دینی تعلیم

جب مصطفےٰ کامل کی عمر چار سال کی ہوئی تو دیندار باپ نے مصر کے ایک نہایت صالح و متقی بزرگ کے سامنے بچے کا زانوئے تلمذ تہ کرایا اس محترم استاد نے چھ سال کی مدت میں مصطفیٰ کامل کو قرآن مجید اور دیگر ضروری مذہبی امور کی تعلیم دی اور دینی عقائد پر راسخ کر دیا۔ جونہی مصطفےٰ کامل دینی تعلیم سے فارغ ہوئے آپ کے والد بزرگوار نے آپ کو مدرسہ "والدہ عباس" میں داخل کرا دیا سکول میں پہنچتے ہی مصطفیٰ کامل کی ذکاوت و ذہانت کا شہرہ ہونے لگا آپ بہت جلد جماعت میں اول نمبر پر پہنچ گئے۔

اعلیٰ تعلیم

ابھی مصطفیٰ کامل بارہ برس کے نہ ہوئے تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا اور اس جلیل القدر فرزند مصر کی سرپرستی و نگرانی صرف ایک پردہ نشین خاتون یعنی آپ کی والدہ محترمہ سے متعلق رہ گئی۔ مصطفیٰ کامل کے ایک بڑے بھائی علی فہمی بک بھی تھے لیکن وہ مصطفےٰ سے صرف دو سال بڑے تھے اور باپ کے انتقال کے وقت ان کی عمر چودہ سال سے متجاوز نہ تھی گویا وہ بھی اپنے چھوٹے بھائی کی کچھ خبر گیری یا اعانت نہ کر سکتے تھے والد کے انتقال کے بعد تخفیف مصارف کی وجہ سے مصطفیٰ کو ایک اور مدرسہ میں داخل ہونا پڑا لیکن محنت و جفاکشی کے باعث آپ کی تعلیم برابر اعلیٰ پیمانے پر جاری رہی اور بالآخر ۱۸۸۹ء میں آپ نے اول نمبر کی سند لے کر مڈل کا امتحان پاس کر لیا۔ اس کے بعد چار سال تک خدیوی ہائی سکول میں تعلیم پاتے رہے اور بی اے کی ڈگری حاصل کی اس امتحان میں بھی آپ حسب دستور اول ہی نکلے۔

ایک دلچسپ واقعہ

ابھی مصطفیٰ کامل خدیوی سکول میں تعلیم پا رہے تھے اور آپ کی عمر سولہ سال سے زیادہ نہ تھی۔ کہ ایک دن آپ کسی معاملہ کی طرف توجہ دلانے کے لئے علی مبارک پاشا وزیر تعلیم کی خدمت میں حاضر ہوئے اُس وقت چند نہایت باکمال علماء و فضلاء علی مبارک پاشا کے پاس بیٹھے ہوئے تھے مصطفیٰ کامل نے آ کر پاشائے مذکور سے گفتگو شروع کر دی اور اس دورانِ مذاکرہ میں بپھر کر کہا۔

"میں آپ سے ایک حق مانگ رہا ہوں اور اگر آپ طالب علم ہوتے تو آپ بھی اس حق کو ضرور طلب کرتے کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ کل کو میں آپ سے زیادہ ملک و ملت کی خدمت انجام دینے کے قابل نہ ہوں گا؟"

یہ کہہ کر آپ مرخص ہوئے بغیر عالمِ غیظ ہی میں اُٹھے اور چل دیئے ایک اسکول کے طالب علم کا وزیر تعلیم کے سامنے اس بیباکی سے گفتگو کرنا معمولی بات نہ تھی سب حاضرین مجلس حیران رہ گئے لیکن علی مبارک پاشا نے ناراض ہونے کے بجائے قہقہہ لگایا اور کہا کہ

"میں اس متعلم کی بہادری اور آزاد طبعی کو بہت محبوب سمجھتا ہوں جب وہ اپنی فطری خطابت و جسارت کے ساتھ اس لہجے میں مجھ سے

بات چیت کرتا ہے تو مجھے بہت لطف آتا ہے اسی گفتگو کو سننے کے لئے میں نے اسے وہ حکم نہیں دکھایا جسے وہ دیکھنا چاہتا تھا۔ حالانکہ وہ حکم میں اس کی درخواست سے قبل ہی صادر کر چکا ہوں +

قانونی تعلیم

بی اے ہونے کے بعد مصطفےٰ کامل پہلے خدیوی مدرسہ قانون اور اس کے بعد فرانسیسی لا کالج میں داخل ہوئے وہاں سے فارغ ہونے کے بعد یورپ گئے۔ طولوں (فرانس) کے قانونی دارالعلوم سے بیرسٹری کی سند حاصل کی اور فارغ التحصیل ہو کر قاہرہ واپس تشریف لے آئے

زمانہ طالب علمی میں ذوق علمی

اس یتیم لڑکے کی عظمت کو دیکھو کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ جانے کے باوجود اس نے انیس سال کی عمر میں بی اے کے علاوہ وکالت کی دو ڈگریاں حاصل کیں زمانہ تعلیم میں کالج کا میگزین مرتب کرتا رہا دو نہایت ضخیم کتابیں تصنیف کیں ایک "فتح اندلس" جس میں مغرب اقصیٰ پر اسلام کے تسلط و اقتدار کی تاریخ لکھی دوسری "عجب ما کان فی الرق عند الرومان" جس میں یہ بتایا کہ رومیوں کے ماتحت غلاموں کی حالت کیا تھی۔ اس کے علاوہ مصر و فرانس کی بعض مجالس میں نہایت ہنگامہ خیز خطبے دیئے غرض مصر کا یہ مایۂ ناز فرزند اعظم طالب علمی ہی کے زمانے میں مصنف خطیب۔ اخبار نویس۔ اور ماہر سیاست تھا۔

تخلیہ مصر کی تحریک

مصطفےٰ کامل نے جب سے ہوش سنبھالا تھا اپنی قوم کی بیکسی و مظلومی کا منظر اس کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ انگریزوں کی دست برد نے اس کے دل میں ناسور ڈال دیئے تھے اور وطن عزیز کی محبت نے اس پر رات کی نیند اور دن کا آرام حرام کر رکھا تھا کہن سال اور تجربہ کار سیاسیئین کو جبن و جمود نے پست ہمت کر رکھا تھا۔ اور مادر وطن کا ایک فرزند بھی ایسا نہ تھا جو حریت مصر کے مقصد عظیم کی تکمیل میں مصطفےٰ کامل کا دست و بازو بنتا لیکن اس اولوالعزم اور جری انسان نے اس راہ پر خار پر بالکل تنہا گامزن ہونے کا تہیہ کر لیا اور ۱۸۹۵ء میں اس کی عمر بیس سال سے زیادہ نہ تھی (اس عمر میں جب ہندوستانی لڑکے ابھی طفلانہ حماقتوں ہی سے مخلصی نہیں حاصل کر چکتے) اس نے حیرت انگیز جرأت و جسارت سے کام لے کر تخلیہ مصر کی تحریک شروع کر دی قاہرہ و اسکندریہ کی دیواریں ضیغم حریت کے زہرہ گداز خطبات سے لرزنے لگیں ہر لفظ جو اس شعلہ مزاج نوجوان کے منہ سے نکلتا مصریوں کے دلوں میں آگ لگا دیتا غرض چند ہی روز میں ملک کا ایک ایک گوشہ حریت و آزادی کے حصول کی خواہش سے بیقرار نظر آنے لگا اور ہر طرف حیات تازہ کی لہریں دوڑنے لگیں۔

صدر فرانس کی خدمت میں عرضداشت

چونکہ مصطفےٰ کامل نے اپنی اعلیٰ تعلیم زیادہ تر فرانسیسی کالجوں سے حاصل کی تھی اور اہل فرانس میں اس کے بے شمار احباب موجود تھے اس لئے آپ نے انگریزوں کی طرف سے تغافل اختیار کر کے فرانس ہی کو حمایت مصر کے لئے مخاطب کیا اور ۴ رجون ۱۸۹۵ء کو صدر جمہوریہ فرانس کی خدمت میں ایک عرضداشت پیش کی جس کے ساتھ ایک نہایت جامع اور ملایز کارٹون بھی تھا۔

کارٹون کی کیفیت

اس کارٹون میں ایک شاندار ایوان دکھایا گیا تھا جس میں ایک تخت پر ایک حسین و جمیل ملکہ کھڑی تھی جس سے جمہوریت فرانس مراد تھی ملکہ کے بائیں طرف چار خوش پوش خواتین کھڑی تھیں جو نہایت شادمانی سے اپنے قومی پھریرے ہوا میں اڑا رہی تھیں۔ ان سے ریاستہائے متحدہ امریکہ۔ یونان بلجیم اور اٹلی مراد تھیں جو فرانس کی امداد سے آزاد ہوئیں ملکہ کے دائیں طرف مصری قوم کے بہت سے افراد کھڑے ہوئے دکھائے گئے تھے جن کے آگے مصطفےٰ کامل استادہ تھے۔ اور ملکہ کی حضور میں عرضداشت پیش کر رہے تھے ملکہ کے آگے زمین پر ایک شیر ببر دکھایا گیا تھا۔ جس پر ایک حسین عورت جس کے جسم کا بالائی حصہ عریاں اور بال پریشان تھے بیٹھی ہوئی نظر آتی تھی اور اس کے پاس ایک ہولناک جلاد تلوار لئے بیٹھا تھا شیر ببر اور جلاد سے مراد دولت برطانیہ تھی بیکس و بدحال عورت سے مصر مقصود تھا۔ اور دائیں طرف ایک پیر کہن سال بیٹھا ہوا دکھایا گیا تھا جس سے دریائے نیل مراد تھی اور یہ ظاہر کرنا منظور تھا کہ اب برطانیہ نیل پر بھی قبضہ کرنا چاہتی ہے۔

کارٹون کے نیچے ہلالی نشان اور اس کے دائیں بائیں تین اشعار لکھے تھے جن میں فرانس سے امداد و حمایت کی تمنا کی گئی تھی۔

اس کارٹون اور عرضداشت کی ہزارہا کاپیاں چھپوا کر فرانس میں اخباروں کے ایڈیٹروں مشہور اہل الرائے پارلیمنٹ کے ممبروں اور تعلیم یافتہ آدمیوں میں تقسیم کی گئی تھیں عرضداشت فرانسیسی زبان میں تھی جس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

عرضداشت مصطفےٰ کامل

جناب صدر جمہوریہ فرانس

میں قلبی اضطراب کے ساتھ اس کارٹون کو اس مجلس عالیہ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں جس کے آپ محترم صدر ہیں اس کارٹون میں بتایا گیا ہے کہ مصر ایک فریادی کی حیثیت سے فرانس کے سامنے آیا ہے تاکہ فرانس اس کی مدد کر کے اسے آزادی و خود مختاری واپس دلائے اس کارٹون میں ایک غیور اور ترقی خواہ قوم کی حالت پیش کی گئی ہے جس کی آزادی آج سے تیرہ سال قبل بلا وجہ لوٹ لی گئی ہے۔

جناب صدر محترم! مصری قوم نے ان صبر آزما مصیبتوں کو جن سے تمام یورپی اقوام کا میلان اعانت مصر کی جانب ہو گیا ہے نہایت تعجب انگیز صبر و سکون سے برداشت کیا ہے لیکن اب جو آفت مصر پر چھا رہی ہے اس میں داد رسی حاصل کرنے کے لئے مصری قوم فرانس کے پاس حاضر ہوئی ہے آپ کی محترم قوم نے چند اقوام کو اپنی اعانت سے نعمت آزادی دلوائی ہے پھر کیا وہ مصر کی فریاد نہ سنے گی؟ کیا فرانس اس امداد و اعانت سے تمام عالم اسلامی میں اپنا اعتماد حاصل نہ کرے گا؟ جب آزاد مصر کا ذکر ان چند اقوام کے ساتھ کیا جائے گا جن کو فرانس نے آزاد کرایا ہے تو فرانسیسی قوم کے لئے یہ ذکر بہت ہی فخر و مباہات کا باعث ہوگا۔

"نجات دہندہ اقوام فرانس زندہ باد!"

مصطفےٰ کامل فرانس میں

مصطفےٰ کامل نے انتہائی تدبر اور دانشمندی سے کام لے کر اس قسم کے سیاسی استغاثہ کے لئے فرانس کو منتخب کیا تھا کیونکہ دوسرے یورپی ممالک کے حالات ایسے نہ تھے جن سے انگلستان پر پوری طرح اتمام حجت کیا جا سکتا اس عرضداشت اور کارٹون کا اخباروں میں شائع ہونا تھا کہ سارے فرانس میں مصر سے ہمدردی کی لہر دوڑ گئی اور اس کی صدائے بازگشت یورپ کے تمام ممالک سے بلند ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی مصطفےٰ کامل نے فرانسیسی اخباروں میں تخلیہ مصر پر مضامین لکھنے شروع کر دیئے۔ یہاں تک کہ اہل فرانس نے آپ کو طولوں کے مقام پر ایک عظیم الشان جلسے میں مدعو کیا جہاں آپ نے آزادی مصر پر فرانسیسی زبان میں ایک نہایت جامع مانع اور فصیح و بلیغ تقریر کی جو اخباروں میں شائع ہو کر سارے یورپ میں پھیلی اور انگلستان کے اخبارات بھی تخلیہ مصر اور مصطفےٰ کامل کے تذکرہ سے لبریز نظر آنے لگے +

گلیڈسٹون کی بے پناہ چال

انگلستان کی وزارت عظمیٰ پر اس وقت وہ پیر کہن سال قابض تھا جسے گلیڈسٹون کہتے ہیں یہ شخص اسلام کی سیاسی طاقت کا سب سے بڑا دشمن دولت عثمانیہ کا شدید مخالف اور انگلستان کا نہایت چابکدست مدبر تھا۔ اس نے تخلیہ مصر کی آواز کو جو دفعۃً فضا میں بلند ہو کر سارے یورپ میں گونجنے لگی تھی دبانے کے لئے نئی چال کھیلی اس نے ارمنوں کی حمایت شروع کر دی اگرچہ ارمن لوگ سلطنت عثمانیہ کے ماتحت نہایت عیش و آرام سے زندگی بسر کر رہے تھے معزز عہدوں پر ممتاز تھے کوئی ٹیکس ان پر عاید نہ تھا تجارت زیادہ تر ان کے ہاتھ میں تھی لیکن مسیحی یورپ کے کارندے ان میں بھیجے گئے۔ لاکھوں روپیہ پروپیگنڈا پر صرف کیا گیا اور تمام مسیحی ممالک میں ارمنوں پر ترکوں کے مظالم کا نقارہ اس زور سے بجایا گیا کہ تخلیہ مصر کی آواز مسئلہ آرمینیا کے شور و غوغا میں گم ہو کر رہ گئی۔ لیکن مصطفےٰ کامل نے اس مسئلہ پر بھی اخباروں میں پرزور مقالات لکھے۔

مصطفےٰ کامل کا خط گلیڈسٹون کے نام

آرمینیا کے مسیحیوں کے ساتھ یورپ میں اس قدر ہمدردی کا جوش پیدا ہو گیا کہ مصر کو فرانس کی امداد حاصل نہ ہو سکی ان ایام میں مصطفےٰ نے مسٹر گلیڈسٹون کو ایک خط لکھا یہ خط ۲ر نومبر ۱۸۹۶ء کو پیرس سے لکھا گیا اس کا ترجمہ درج ذیل ہے:-

جناب محترم۔ وادیٔ نیل کے ایک فرزند کی گزارش سنئے جو وطن عزیز کی قسم کھا کر عرض کرتا ہے کہ اس کی آرزو آزادیٔ وطن کے سوا کچھ نہیں آج میں اس عزم سے آپ کو خط لکھ رہا ہوں کہ مسئلہ مصر کے حل کے متعلق آپ کی رائے دریافت کروں۔

جب انگلستان نے ہمارے وطن پر قبضہ کیا تو آپ الحاق کے سخت مخالف اور تخلیہ کے حامی تھے اور آپ نے چند مرتبہ صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ مصر پر مدت تک قبضہ رکھنا برطانیہ کے شرف کی روایات کو خاک میں ملا دے گا۔

ہمیں آپ کے تمام وعدے یاد ہیں آج آپ وزیر اعظم ہیں سب اختیارات آپ کے ہاتھ میں ہیں آپ کی رائے آج بھی غالباً وہی ہوگی جو زمانۂ گذشتہ میں تھی یعنی مسئلہ مصر کا حل آپ کے نزدیک یہی ہوگا کہ انگریز مصر سے خالی کر دیں۔

آجکل مسئلہ مشرق بہت پیچیدہ ہو گیا ہے

اور حالات بہت پریشان کن ہیں کیا آپ سے اس امر کی توقع رکھی جا سکتی ہے کہ آپ ہمارے حقوق و احساسات کا لحاظ رکھیں گے اگر آپ بقول اپنے مصریوں کے حامی ہیں تو کیا آپ بتائیں گے کہ آپ کی حکومت زیادہ سے زیادہ کب تک مصر پر سے اپنا تسلط اٹھا لے گی؛ اس کے علاوہ آج کل آپ کی تصریحات زیادہ اہم سمجھی جائیں گی کیونکہ ہمارے اہل وطن میں سے اکثر کا یہ خیال ہو رہا ہے کہ آپ اسلام کے سب سے بڑے دشمن ہیں میں آپ کے جواب کا منتظر ہوں دیکھوں آپ کس حد تک میری رائے کو قبول فرماتے ہیں۔

مصطفےٰ کامل

گلیڈسٹون کا جواب

اس خط کے جواب میں مسٹر گلیڈسٹون نے یہ خط لکھا

جناب معظم! آپ کے فرزند مصر ہونے کی حیثیت سے میں آپ کے وطنی احساسات کی دلی تعریف کرتا ہوں لیکن میں اسوقت وزارت سے سبکدوش ہو چکا ہوں اور اختیارات میرے ہاتھ میں نہیں رہے

میری اب بھی یہی رائے ہے کہ جب ہم مصر میں اپنا فرض ادا کر چکیں اور جس غرض کے لئے ہم مصر میں داخل ہوئے تھے وہ پوری ہو جائے تو ہمارے ذمے یہ واجب ہے کہ ہم مصر کو چھوڑ دیں۔ اور جہاں تک میری رائے ہے چند سال ہوئے کہ وہ زمانہ آ پہونچا ہے۔

میں نے اپنی وزارت کے آخری دور میں دوسری حکومتوں کو بھی اس اہم مسئلہ کے تصفیہ کی طرف توجہ دلائی تھی۔ چنانچہ حکومت فرانس نے ۱۸۹۲ء میں جو رویہ اختیار کیا اس سے میری امید بہت کچھ بندھ گئی لیکن عملاً ایک قدم بھی اس بارے میں نہیں اٹھایا گیا میں نہیں جانتا کہ اس کا کیا سبب ہے۔

میں نے ۱۸۹۳ء میں پارلیمنٹ کے سامنے تمام تصریحات کر دی تھیں اور اب کوئی ایسی تجویز باقی نہیں جس کا اضافہ کروں لیکن میری رائے کے عملدرآمد کے لئے جو کچھ ہو سکے میں اس کے لئے تیار ہوں میں نے وزارت کو بالکل ترک کر دیا ہے اور اب اپنے وطن کا ایک خاص فرزند ہوں اگر میں آپ کی مدد کر سکتا تو اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھتا۔

آپ کا مخلص
گلیڈسٹون

یورپ میں چرچا

یہ خطوط بھی یورپ کے اخباروں میں شائع ہوئے ان کو غیر معمولی اہمیت دی گئی، اور نہایت طویل اور جامع تبصرے لکھے گئے مصطفےٰ کامل نے گلیڈسٹون کے علاوہ دیگر ارباب سیاست کو بھی خطوط لکھے لارڈ سالسبری سے بہت اہم مکاتبت ہوئی غرض آپ نے [illegible] ہندوستان میں کوئی [illegible] دقیقہ اٹھا نہ رکھا

بارگاہ خلافت سے اعتراف خدمات

اس موقعہ پر مصطفےٰ کامل کی قابلیت آپ کے زور بیان آپ کی سیاست دانی اور وطن پرستی کا چرچا خلیفہ اسلام سلطان عبدالحمید خاں کے گوش مبارک تک بھی پہنچا اور تحفظ دولت عثمانیہ۔ آزادی مصر۔ مسئلہ آرمینیا کے متعلق تمام مضامین و خطبات بارگاہ خلافت میں پیش ہوئے جس کا اثر یہ ہوا کہ ذیل کے اعزازات مصطفےٰ کامل کو عطا کئے گئے۔

۷ اگست ۱۸۹۶ء کو ایک مرصع تمغہ عطا ہوا جس پر جواہر جڑے ہوئے تھے اور درمیان میں اعلیحضرت کا نام کندہ تھا اس تمغہ کے ساتھ ہی پاشا کا خطاب مرحمت ہوا۔

۱۵ اگست کو دوسرے نمبر کا تمغہ مجیدی عطا ہوا۔

۳ ستمبر کو درجہ اول کا تمغہ مجیدی مرحمت ہوا۔

غرض چھبیس دن کے اندر اندر تین اعلیٰ درجے کے تمغے اور پاشا کا خطاب بارگاہ خلافت عظمیٰ سے اس نوجوان کو عطا کیا گیا جس کی عمر ابھی بائیس سال سے بھی زیادہ نہ تھی

"اللوا" کا اجرا

چار سال کے بعد مصطفےٰ کامل پاشا نے مصر کا مشہور روزنامہ "اللوا" جاری کیا۔ ۲ نومبر ۱۹۰۰ء کو اس کا پہلا پرچہ شائع ہوا اور چند ماہ بعد اس کا ایک ماہوار ایڈیشن بھی جاری ہو گیا اگرچہ عافیت پسندوں اور اعتدال پرستوں نے اس اخبار کے حریت آموز مضامین کی سخت مخالفت کی اور اسے مصر کے لئے مہلک قرار دیا لیکن مصری قوم اس جریدہ کی عاشق زار تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مصطفےٰ کامل کی زندگی ہی میں اس کی اشاعت دس ہزار تک پہنچ گئی اخبار کی آمدنی میں سے اس کا عالیشان دفتر تعمیر کیا گیا اس کا سالانہ خرچ ۹۶ ہزار اور آمدنی ایک لاکھ چھبیس ہزار تھی گویا سالانہ بچت تیس ہزار کے قریب تھی

مصطفےٰ کامل پاشا کے مضامین

اللوا کے روزانہ اور ماہوار ایڈیشن میں مصطفےٰ کامل پاشا نے صدہا مضامین لکھے کہیں امۃ مسلمہ کے مصائب پر نوحہ کیا کہیں یورپ کی ہوس استعمار کا راز فاش کیا کہیں مسلمانوں کی اسلام کے ساتھ غداری کا رونا رویا علی الخصوص سیاست یورپ پر اسقدر فاضلانہ انداز سے تنقید کی کہ اسکا کوئی گوشہ پردۂ خفا میں نہ رہا آپ کے مختلف مضامین و خطبات میں سے بعض اقتباسات ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں جن سے آپ کے انداز فکر اور طرز بیان کا اندازہ ہو سکے گا۔

اختلاف بین المسلمین

امۃ مسلمہ کے اختلاف پر ارشاد ہوتا ہے:۔

امۃ اسلامیہ اس گھاٹ پر پہنچ گئی ہے جس میں انسان ڈوب تو سکتا ہے لیکن اس سے سیراب نہیں ہو سکتا اس کے دینی عقائد میں اختلاف ہے وہ دنیوی معاملات میں متفرق ہے یہاں تک کہ وہ وطن۔ ملت۔ مشرب۔ مذہب اور خود اپنے نفس کو فراموش کر چکی ہے یہی وجہ ہے کہ وہ ایک دائمی بدبختی میں مبتلا ہے ممکن ہے کہ عام افراد قوم میں کسی کے نزدیک اس خوفناک نااتفاقی کا ثبوت کچھ مشکل ہو لیکن خواص میں کچھ مشکل نہیں حوادث زمانہ نے ثابت کر دیا ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ ہندوستان پر [illegible]

اسکو انگریزوں کی آغوش میں ڈالدیا۔ فرانس نے مراکشی اور تونسی لوگوں کی مدد سے الجزائر پر تسلط جمایا اسی طرح عثمانیوں کے خلاف روس کو ایرانیوں نے مدد دی اب ہمارے سامنے چین میں جاپان کا طرز عمل ہے سب سے بڑا سبب یہی ہے جس نے مغرب کو مشرق پر مسلط کیا۔

احیائے مشرق کی تدابیر

مشرق کے فنا شدہ جاہ و جلال کے اسباب صحیحہ یوں بیان فرماتے ہیں:۔

مشرق کا فنا شدہ جاہ و جلال انہی اسباب صحیحہ کے ذریعے واپس آ سکتا ہے کہ فنا شدہ خصائل پھر پیدا کئے جائیں مشرق کا فنا شدہ سرمایہ یہ ہے۔ علم اور علما کی تائید۔ روسا کی امانت۔ قومی فوائد میں انہماک ہر فرد کا اپنے فرض کو محسوس کرنا۔ اور اس کے لئے ذمہ دار و جوابدہ ہونا۔ ہر مفید شئے کی اشاعت اور بیفائدہ نزاع سے احتراز۔ اگر ان اصول صحیحہ پر عمل کیا جائے تو مشرق ایک نئی زندگی حاصل کر لیگا ورنہ زمین آسمان کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور جہل علم پر غالب نہیں آ سکتا۔

دول مغربی کا استعمار

اللوا کے متعدد نمبروں میں پاشائے موصوف نے دول مغربی کی سیاسیات پر ایک نہایت مجتہدانہ مضمون لکھا۔ جس میں بیان کیا کہ یورپ کی اندرونی سیاست کا کیا حال ہے دول مغربی نے کیونکر ترقی کی اور انیسویں صدی میں ممالک اسلامیہ کی آزادی کس طرح تباہ کی گئی اس مختصر مقالہ میں اس مضمون کا اختصار درج کرنا بھی بہت مشکل ہے۔ اس لئے ہم خصوصی مباحث کو چھوڑ کر صرف بعض عمومی اشارات نقل کرتے ہیں۔ ایک مقام پر مصطفےٰ کامل پاشا لکھتے ہیں:۔

یورپ کے اصول استعمار نے مشرق کے اخلاق حسنہ کو تباہ کر دیا صفائے قلب ہمدردی غمگساری شجاعت اخلاص ایثار۔ ہمت سب چیزیں فنا ہو گئیں اور متاع اخلاق کے ساتھ مشرق کی جمع شدہ دولت بھی لٹ گئی مستعمرین کا نوآبادیوں میں جو طرز عمل ہے اسے انسانیت و مدنیت سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ لوگ مسافر ہیں لیکن اہل دیار سے جدا رہتے ہیں اور ان سے سخت نفرت کرتے ہیں حتیٰ کہ ایک انگریز اور ہندوستانی فرانسیسی اور تونسی میں ایک غلام اور آقا سے بھی زیادہ بُعد و تفاوت ہوتا ہے پس کیا یورپ کا دعویٰ مدنیت و انسانیت ایک بیدلیل دعویٰ نہیں ہے اس سے زیادہ بدبختی کیا ہو گی کہ اہل مغرب نے بعض مشرقی ممالک کو اپنے اپنے استعمار کے لئے مخصوص کر لیا ہے۔ کیا کسی قوم کا مستقبل اس سے زیادہ تاریک بھی ہو سکتا ہے؟

استعمار مغرب اور اسلام

جو مظلوم ممالک دول یورپ سے استغاثہ کرتے ہیں ان کو رد کر دیا جاتا ہے اس کے متعلق مصطفےٰ کامل لکھتے ہیں

یہ لوگ متمدن کہلاتے ہیں کہ ایک سلطنت کو ظلم وستم کی چھری سے ذبح ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں مگر کسی کو اتنی توفیق نہیں ہوتی کہ غارتگر ہاتھ کو روک دے بیشک یہی یورپ کا وہ تمدن ہے جس کی نظیر اُس اسلام میں نہیں مل سکتی جس کے ایک فرزند حکم بن عبدالملک خلیفہ اندلس نے ایک یہاتی عورت کی پکار کو سُنا کہ اُے حکم میری فریاد کو پہنچ" بھلا اس مدنیت مغربی کا یہ واقعہ کیونکر مقابلہ کرسکتا ہے کہ جنگ عموریہ میں ایک عورت نے خلیفہ معتصم باللہ کو وامعتصما! کہہ کر پکارا اور وہ پہنچ گیا۔ اس مغربی چمکیلی تہذیب کی مثال اشراف وبدویان عرب کی لڑائیوں میں بھی نہیں مل سکتی۔ کیونکہ عرب میں کتوں کی سی خود غرضانہ حمایت اور شیروں کی سی خونخوارانہ غراہٹ کہاں ہے۔

حُبِ وطن کا جوش وخروش

مصطفٰے کامل پاشا عشق وطن میں وارفتہ تھے اُن کے خطبات کے اندر جوش وخروش اور طوفان جذبات کی چنگاریاں اُڑتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ اسکندریہ کی مشہور تقریر میں آپ نے ارشاد فرمایا ہے۔

اب نہ مکر وفریب ہمیں ڈرا سکتے ہیں نہ دھمکیاں پیچھے ہٹا سکتی ہیں نہ گالیاں ہم پر اثر کرسکتی ہیں نہ بیہودہ خالیاں اور کج ادائیاں ہمارے ارادوں کو متزلزل کرسکتی ہیں نہ موت ہمارے اور اس مقصد کے درمیان حائل ہو سکتی ہے جس کے سامنے باقی تمام مقاصد ہیچ ہیں۔

اگر ہم میں سے ایک کے بعد دوسرے کو موت شکار کرتی رہے۔ تو ہماری زبان سے جو آخری الفاظ نکلیں گے وہ یہ ہوں گے۔ کہ اے زندہ رہنے والے دوستو آگے بڑھو خدائے لایزال تمہاری کوششوں میں برکت دے اور تمہارے ہاتھ پر فتح ہو۔ ہمیں یقین ہے کہ ہم میں سے صدہا اسی دُھن میں جان بحق ہوتے جائیں گے۔ اور ان کی جگہ ہزاروں کھڑے ہوتے جائیں گے لیکن وطن پرستی کے جذبات کبھی نہ مریں گے اور آزادی کی اُمنگیں کبھی ٹھنڈی نہ ہوں گی۔

اس وقت اس فدا کار وطن پر وجد کی ایک کیفیت طاری ہوئی اور اس نے جھوم جھوم کر کہنا شروع کیا۔

ہم میں سے ہر ایک کی زبان پر اس وقت یہ الفاظ ہیں کہ بلادی! بلادی! لك حبی و فوادی لك حیاتی و وجودی لك دمی و نفسی لك عقلی ولسانی لك لبی وجنانی انت الحیاۃ ولاحیاۃ الا بك یا مصر

یعنی اے میرے وطن اے میرے پیارے۔ وطن میری محبت اور میرا دل تیرے لئے ہے میری حیات اور میرا وجود تیرے لئے ہے میرا خون اور میری جان تیرے لئے ہے میری عقل اور میری زبان تیرے لئے ہے میرا دل اور دماغ تیرے لئے ہے پس تو ہی میری زندگی ہے اور اے مصر تیرے بغیر میری زندگی کچھ نہیں۔

پھر فرمایا :۔

کیا مصر برطانیہ سے حسن وجمال اور جاہ وجلال میں کم ہے؟ کہ مصری اس کے ساتھ محبت کرنا چھوڑ دیں اور انگریزوں کو اس امر کا حق حاصل ہے کہ وہ جسقدر چاہیں اپنے ملک کو پیار کریں۔ ہرگز نہیں خدا کی قسم ہرگز نہیں مصر اسی لائق ہے کہ ہم اس کی محبت میں اپنی تمام طاقت اپنے تمام جذبات اپنے تمام حواس اپنی ساری جان اور اپنی کل زندگی قربان کردیں۔

غداران وطن

غداران وطن کا ذکر کرتے ہوئے ایک مقام پر فرمایا :۔

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ انگریز نمک حراموں اور بے ایمانوں کو پسند کرتے ہیں اور ان کو عزت واحترام کی نظروں سے دیکھتے ہیں وہ سخت فریب اور دھوکے میں ہیں یہ سچ ہے کہ وہ غداروں اور قوم فروشوں سے اپنا کام نکال لیتے ہیں لیکن ان کو نہایت نفرت وذلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ذرا خیال تو کرو جو قوم بحر وبر پر حکومت کرنا اپنا حق جانتی ہو وہ ملکی غداری اور قومی نمک حرامی کو کسقدر گناہ کبیرہ جانتی ہوگی۔ اور اس کے لئے کیسی سخت سزا تجویز کرتی ہوگی ذرا غور تو کرو اگر انگریزوں کے ملک میں ایسے ہی غدار اور وطن فروش لوگ ہوتے۔ جیسے مصر میں ہیں تو کیا ان کی عظمت وجلالت اسقدر ترقی کرسکتی تھی؟ کیا وہ دنیا کی کثیر قوموں پر حکمران ہوسکتے تھے؟ کیا ان کی دولت وثروت اسقدر زیادہ ہوسکتی تھی؟ کیا اطراف عالم میں ان کا سکہ رائج ہوسکتا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو اس قوم کا شیرازہ منتشر ہوجاتا؛ اس کی سلطنت پارہ پارہ ہوجاتی اس کے افراد کی آوازوں میں اختلاف ہوتا وہ ایک دوسرے کو پامال کرنے لگتے۔ پھر کوئی غیر قوم ان کو آسانی سے مغلوب کرلیتی۔ اور جس طرح چاہتی ان کو اپنی انگلیوں پر نچاتی۔

اپنی انتہا پسندی کی حقیقت اعتدال پسندوں کی غداری کو قوم فروشی حکمرانوں کے جبر وتشدد پر تبصرہ کرتے ہوئے مصطفٰے کامل پاشا نے نہایت آتش ریز خطبات دیئے ہیں جن کا ایک ایک لفظ آج بھی ہر مصری اور ہندوستانی کے دل کو جذبۂ حب وطن سے معمور کرسکتا ہے۔

قیصر ولیم اور مصطفٰے کامل پاشا

جب جرمنی کا مشہور شہنشاہ قیصر ولیم حجاز شام اور قسطنطنیہ کی سیاحت سے واپس آیا تو دولت عثمانیہ اور دولت المانیا کے درمیان دوستی واتحاد کے تعلقات پیدا ہوگئے اور قیصر نے اپنی ایک تقریر میں وعدہ کرلیا کہ میں سلطنت عثمانیہ کی قلمرو کا ہمیشہ دوست اور بہی خواہ رہوں گا۔ اس نے خلیفہ اسلام سلطان عبدالحمید خاں کو دو نہایت عمدہ نوایجاد بندوقیں بھیجیں سلطان صلاح الدین کے مرقد پر ایک مرصع تاج نذر گزرانا جس پر جا بجا قرآنی آیات کندہ تھیں غرض مسلمانوں کا دل ہاتھ میں لینے کیلئے قیصر نے بہت سی تدبیریں کیں۔

لیکن یہ تمام طوفان تالیف قلوب مصطفٰے کامل پاشا کو چنداں مطمئن نہ کرسکا، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نہایت عملی آدمی تھے اُن کے نزدیک حریت ممالک اسلامی کا مقصد سب سے بڑا مقصد تھا جو شخصیت یا جو سلطنت اس مقصد میں مسلمانوں کی ہم آہنگ اور معاون نہ ہوتی تھی مصطفٰے کامل پاشا اسکی اسلام دوستی کے قائل نہ ہوتے تھے چنانچہ آپ نے لکھا ہے:۔

قیصر نے دو تین بار اعلان کیا ہے کہ وہ مسلمانوں کا مددگار ومعاون اور امیر المومنین کا قوت بازو ہے لیکن ابھی قیصر نے قسطنطنیہ میں قدم بھی نہ رکھا تھا کہ جزیرہ کریٹ باب عالی کے ہاتھ سے نکل گیا اور قیصر ٹس سے مس بھی نہ ہُوا اس سے ثابت ہوگیا کہ دوستی اور چیز ہے اور اس کا اظہار کچھ اور شے ہے جزیرہ کریٹ کا ایسے وقت میں اسلامی تسلط سے نکل جانا جبکہ قیصر دارالخلافت کی زیارت کا عزم کرچکا تھا گویا تو اسلامیوں کی طرف سے مسیحیت کی خدمت میں ایک تحفہ ہے یا سیاست یورپ کی طرف سے مسلمانوں کو یہ درس عبرت دیا گیا ہے کہ سیاسی دنیا میں کوئی کسی کا دوست نہیں۔

آگے چل کر آپ نے لکھا کہ قیصر جرمنی نے اسلام کی اعانت وحمایت کا جو وعدہ کیا تھا اس کے بعد

ہم سادہ لوح یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ اب مصر انگلستان کے پنجے سے قطعاً آزاد ہوجائیگا بلکہ باقی تمام اسلامی ممالک بھی استقلال حاصل کرلیں گے لیکن مصر کی بدبختی روز بروز زیادہ ہورہی ہے اور جرمنی اور قیصر جرمنی کی اعانت سے اغیار کا پنجہ مصر پر زیادہ مضبوط ہوتا چلا جارہا ہے

آخر میں آپ نے مسلمانوں کو ان الفاظ میں متنبہ کیا ہے۔

اے سادہ لوح مسلمانو! بیدار ہوجاؤ اپنی خوابگاہوں سے نکلو اور یاد رکھو کہ سیاست دوستی کو نہیں پہچانتی اور دوستی سیاسیین کو نہیں جانتی سیاست کا سنگ بنیاد صرف وطنی وقومی فوائد ہیں اور محبت واتحاد کے تمام مظاہرے انہی منافع کے لئے کئے جاتے ہیں

دنشوائے کا حادثہ

۱۹۰۶ء میں مصر کے ایک مقام دنشوائے پر ایک نہایت ہنگامہ خیز مظاہرہ ہوا جو وزیر خارجہ انگلستان سر ایڈورڈ گرے کی ایک تقریر کے خلاف کیا گیا تھا۔ اس موقع پر بہت سے کارکنان حریت گرفتار کرکے محبوس کردئے گئے مصطفٰے کامل پاشا نے اس موقعہ پر ایک نہایت شعلہ پاش اور مؤثر خطبہ فرمایا۔ جس سے مصر بھر میں انگریزوں کی حکمت عملی کے خلاف نفرت پھیل گئی اس کے بعد مصطفٰی کامل پاشا یورپ گئے۔ انگلستان پہونچے سر ایڈورڈ گرے کی حکمت

علی کے خلاف اخباروں میں مقالات لکھے جلسوں میں تقریریں کیں اس کا اثر یہ ہُوا کہ سرایڈورڈ گرے نے پارلیمنٹ میں اپنے الفاظ کی تاویل کی اور پارلیمنٹ کے بہت سے ممبر مصر کے حامی ہو گئے۔

محمد فرید بک

مصطفٰی کامل پاشا کی تحریک کے آغاز میں معززین مصر کے طبقے میں سے جو شخص ان کا شریک کار ہو گیا اسکا نام محمد فرید بے ہے۔ اس مخلص فرزند وطن کے قلب سعید میں مصطفٰی کامل پاشا کی حریت پرستی نے آگ لگا دی، اور وہ عمر بھر پاشائے ممدوح کے نقش قدم پر چلتا رہا محمد فرید بے فرید پاشا وزیر خزانۂ مصر کے فرزند تھے۔ اعلیٰ تعلیم پائی تھی سب سے پہلے محکمہ قرض میں ملازم رہے پھر نائب جج ہو گئے اس کے بعد عدالت مرافعہ کے جج بنا دیئے گئے لیکن ملازم ہونے کے بعد بھی انہوں نے وطن پرست احرار کی حمایت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اسی زمانے میں حکومت برطانیہ نے محکمہ تلغراف کو اپنے قبضے میں لینا چاہا محمد فرید بک نے ملازمت کی کچھ پروا نہ کی۔ اور نہایت سختی سے برطانیہ کی مخالفت شروع کر دی اس پر آپ قاہرہ سے مغاغہ بدل دیئے گئے تاکہ تحریکات وطنی سے دور دور رہیں۔ لیکن اس مخلص مجاہد وطن نے ملازمت سے استعفا دے دیا۔ وکالت کرنے لگے اور مصطفٰی کامل پاشا کی حزب الوطنی میں شامل ہو گئے سات برس بعد وکالت بھی ترک کر دی اور بہت بڑی آمدنی کو وطن کی خاطر لات مار دی

تونس اور الجزائر کی خدمت

مصطفٰی کامل پاشا نے محمد فرید بک کو حزب الوطنی کا وکیل مقرر کیا سفر یورپ میں اپنے ہمراہ رکھا وہاں سے فرید اندلس اور سواحل مراکش کی سیر کو گئے پھر الجزائر کی سیاحت کی اور وہاں سے واپس آ کر ایک نہایت دردناک سفرنامہ لکھا جس میں شمالی افریقہ اور اندلس کے مسلمانوں کی تباہی پر نہایت دلدوز ماتم کیا ہے۔

فرید بک نے "المؤید" اور "اللوا" میں تونس اور الجزائر کے مسلمانوں کی حمایت میں بے شمار مقالات لکھے اور ان کا اثر یہ ہُوا کہ ان ملکوں کے مسلمانوں میں ہیجانِ حریت پھیل گیا۔ اور فرانس نے ان دو نو اخباروں کا داخلہ تونس اور الجزائر میں بند کر دیا۔ اس کے بعد فرید بک نے ۱۹۰۵ء میں الجزائر میں مصر تونس الجزائر مراکش۔ طرابلس حجاز کے نمائندوں کی ایک شاندار کانفرنس منعقد کی اور اس کی مفصل کارروائی "اللوا" میں شائع کرائی۔

مصطفٰی کامل پاشا کے بعد حزب الوطنی کے صدر یہی محمد فرید بک مقرر ہوئے اور اپنے فرائض نہایت جوش و خروش اور دانش و تدبر سے ادا کرتے رہے۔

علی فہمی کامل مصطفٰی کامل پاشا کے بھائی ہیں جواب تک بقید حیات ہیں ۱۹۲۰ء میں حکومت انگریزی نے ان کو جلا وطن کر دیا تھا۔

نشر تعلیم قومی

مصطفٰی کامل پاشا کو علم و تصنیف سے بھی بہت شغف تھا چنانچہ آپ نے ۷ مارچ ۱۸۹۹ء کو ایک قومی مدرسہ قائم کیا جس کا نام "مدرسہ مصطفٰی کامل" رکھا گیا پاشا نے اس کے تمام مصارف اپنے ذمے لئے اور ایک مخصوص جائداد اس کے لئے وقف کر دی اس مدرسہ میں اخلاقِ اسلامی تعلیمات دینی اور تہذیب وطنی کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ مصطفٰی کامل کے انتقال کے وقت یہ مدرسہ نہایت اچھی حالت میں تھا ۸۰ طالب علم مفت تعلیم پاتے تھے ۱۳۶ فیس ادا کرتے تھے گیارہ مدرس پانچ خادم ایک مہتمم اور ایک افسر اعلیٰ یہ سارا عملہ کام کرتا تھا تقریباً پچاس طلبہ کو ہر سال فراغت تحصیل کی سندیں دی جاتی تھیں۔

مصطفٰی کامل پاشا کی تصانیف

اللوا روزانہ و ماہانہ کے بے شمار مضامین کے علاوہ مصطفٰی کامل پاشا کی چار تصانیف بہت مشہور ہیں۔

فتح اُندلس۔ تعلیم کے زمانے میں لکھی گئی اس میں بیان کیا گیا ہے کہ اُندلس میں مسلمانوں کو کیونکر عروج حاصل ہُوا عہد اسلامی کی ترقیات کیا کیا ہیں غیر مسلم قوموں کے ساتھ مسلمانوں کا سلوک کیسا تھا۔ یورپ پر انہوں نے کیا کیا احسانات کئے۔ اُس زمانے میں یورپ کی کیا حالت تھی اندلس میں مسلمانوں پر زوال کیونکر آیا غرض تمام اہم مسائل پر نہایت پُرزور اور دردناک انداز سے لکھا ہے۔

اعجب ماکان فی الرق عند الرومان۔ اس رسالے میں بیان کیا گیا ہے کہ رومانیوں کی مملکت میں غلاموں کی کیا حالت تھی اور مہذب دنیا کی حکومت اور روما کی غلامی میں کیا فرق ہے۔

الشمس المشرقہ۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے اس میں جاپان کی حریت و ترقی کی تاریخ لکھی گئی ہے اور مشرقی قوموں کو ان تدابیر کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جو جاپان کے عروج کا باعث ہوئیں۔

المسئلۃ الشرقیہ یہ کتاب نہایت نفیس اور محققانہ ہے اس میں دول مغرب کی اُن فریب کاریوں کی داستان سپرد قلم کی گئی ہے جن کی وجہ سے اسلامی حکومتیں تباہ اور پارہ پارہ ہو گئیں۔

مصطفٰی کامل پاشا کی تمام تصانیف میں اس کتاب کا پایہ سب سے بلند ہے اس میں تمام دول یورپ کی مخالف اسلام سیاسیات پر بہت عالمانہ بحث کی گئی ہے۔ دولت عثمانیہ کے ضعف کے اسباب بیان کئے گئے ہیں اتحاد عالم اسلامی کی ضرورت بتائی گئی ہے۔ غرض سیاسیات عالم اسلام پر بہترین تبصرہ کیا گیا ہے یہ کتاب دو جلدوں میں ہے اور کوئی چھ سو صفحوں پر ختم ہوئی ہے۔

حزب الوطنی کا پہلا اجلاس عام

۱۹۰۷ء کے اواخر میں مصطفٰی کامل پاشا کی طبیعت ناساز ہونے لگی۔ اس کے باوجود آپ نے خدماتِ قومی اور تحریر مقالات کا کام برابر جاری رکھا علاج بھی ہو رہا تھا لیکن مرض تخفیف کے بجائے روز بروز ترقی پر تھا۔ ۲۷ دسمبر کو حزب الوطنی کا ایک جلسۂ عام منعقد ہُوا جس کا مقصد یہ تھا کہ اب حزب کو جو اس سے پہلے محدود انجمن تھی ایک عام نیشنل کانگرس کی صورت دے دی جائے مصطفٰی کامل پاشا نے علالت کی کچھ پروا نہ کی لوگوں کے سہارے سے آہستہ آہستہ سٹیج تک پہنچے لیکن جب فصاحت و بلاغت کا دریا موجیں مارنے لگا تو اس میں زمانۂ صحت کا سا جوش و خروش اپنے درجہ کمال تک موجود تھا یہ مصطفٰی کامل پاشا کی آخری تقریر تھی۔

انتقال

آخر وہ دن آ گیا جس کا تصور کر کے ہر مصری اور ہر حریت پرست کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو جاتے تھے مصطفٰی کامل پاشا کی عمر ہی ابھی کیا تھی چونتیسواں سال لگا تھا لیکن پیام مرگ آن پہنچا ۱۰ فروری ۱۹۰۸ء کو تشنج کا دورہ پڑا آپ نے اپنے بھائی علی فہمی کو بلا کر ایک نہایت ولولہ انگیز اور حریت آموز وصیت کی اور اس کے بعد چند ہچکیوں میں وہ رئیس الاحرار فقید الملت وجود جس سے پندرہ سال تک مصر کی سرزمین حریت پرستی کا شعلہ زار بنی رہی تھی ہمیشہ کیلئے خاموش ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

ماتم اور جنازہ

یہ خبر وحشت اثر آگ کی طرح مصر بھر میں پھیل گئی مدارس اور بازار بند ہو گئے بوڑھے بچے اور جوان عورتیں اور مرد سب چیخیں مار مار کر رونے لگے۔ تمام معززین مصر اور اعیان ملک ماتم میں شریک ہوئے جنازہ اُٹھا تو دو میل تک سڑک پر اہل مصر کا جم غفیر کھڑا ہُوا مصروف ماتم تھا۔

بعض طالب علم روتے روتے بیہوش ہو گئے جامع مسجد نیوں میں نماز جنازہ ادا کی گئی جب نعش قبر میں اتاری گئی تو حافظ ابراہیم نے مرحوم کی قبر کو مخاطب کر کے ایک مرثیہ پڑھا جس کا پہلا شعر یہ تھا ؎

ایا قبر ھذا الضیف آمال امۃ
فکبر وھلل والق ضیفک جاثیا

یعنی اے قبر! یہ تیرا مہمان قوم کی امیدوں کا مرکز ہے اُٹھ اور اپنے مہمان کا اعزاز کر۔

ہر شہر پر نالہ و بکا کی آوازیں آسمان تک بلند ہو رہی تھیں بالآخر مصر کے بدنصیب باشندے اپنے بہترین فرزند کو سپرد خاک کر کے گورستان سے رخصت ہوئے۔

بے شمار مرثیے لکھے گئے اخباروں نے ماتم میں انتہا کر دی یہاں تک کہ مخالف جریدوں نے بھی انتہائی تعریف اور تعزیت کے الفاظ لکھے اور مشرق و مغرب کے اکابر و اعیان نے وادی نیل کے اس فرزند جلیل کی وفات پر ہمدردی اور تعزیت کے پیغام بھیجے۔

شمائل و خصائل

مصطفٰی کامل پاشا کی عمر انتقال کے وقت ۳۳ سال ۵ ماہ ۲۶ دن تھی۔ خوبصورت اور وجیہ آدمی تھے گندم گون رنگ میانہ قامت لیکن جسم نحیف تھا۔

آپ انتہا درجے کے ذہین و ذکی۔ مستقل مزاج صابر عالی حوصلہ بے باک لیکن نہایت متوازن و معتدل دماغ کے آدمی تھے فساد و بلوہ جور و تشدد سے آپ کو نفرت تھی ہمیشہ پُرامن اور آئینی جد و جہد پر زور دیا کرتے تھے۔ اور خونریزی کو اپنے نظام عمل سے خارج قرار دیتے تھے۔

مصطفٰی کامل پاشا بہت چھوٹی عمر میں انتقال کر گئے ان کے دل میں وطن عزیز کی خدمت کے بے انتہا منصوبے تھے جو انتقال سے خاک میں مل گئے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ حریت مصر کی تحریک کے سب سے پہلے بیباک داعی تھے زاغلول پاشا انہی کے نقش قدم پر چل کر مخدوم قوم اور رہنمائے ملت ہوئے۔ اور آج بھی جتنے فرزندان مصر تحریک حریت میں کام کر رہے ہیں سب کے قلوب کو مصطفٰی کامل ہی کی روشن مثال نے منور کیا ہے۔

متاعِ حقگوئی کی ارزانی

(علامہ سید سلیمان ندوی رئیس دار المصنفین، اعظم گڈھ)

آپ کی طرح مجھے خود بھی ہے اس کا اقرار
قوم کے واسطے لازم ہے گروہِ احرار

پاؤں جس کے نہ ہوں آزاد گرانباری سے
دو قدم راہ کا چلنا بھی ہے اُس کو دشوار

گر کسی قوم میں آزادیِ گفتار نہیں
اُس کے جینے کے بظاہر ہیں بہت کم آثار

ٹوک دو، پاؤں میں رہبر کے جو لغزش دیکھو
کہ نہ ہٹ جائے کہیں جادۂ حق سے رفتار

گر کبھی حق کے خلاف اُن سے کوئی بات سنو
بر سرِ بزم یہ کہدو کہ غلط ہے گفتار

دل میں جو کچھ ہے وہ بے خوف زباں پر آئے
دل کا آئینہ ہو گویا یہ زبانِ اظہار

لیکن افسوس تو اس کا ہے کہ بدبختی سے
اس کا مفہوم ہی کچھ اور ہیں سمجھے احرار

مُنہ میں جو آئے وہ بک دیں، اسے حق سمجھے ہیں
دل سے اس کا نہ یقیں ہے، نہ عمل سے اقرار

نہ بزرگوں کا ادب ہے، نہ اکابر کا لحاظ
نہ تخاطب میں وہ اسلام کا سنجیدہ وقار

قولِ حق کی جو نصیحت ہے وہ اوروں کیلئے
اور اپنا یہ عمل ہے کہ اماں اور حذار

دل تہی مایہ ہے، لیکن جو زباں کو دیکھو
لفظ لفظ اس کا ہے ہمپایۂ دُرِّ شہوار

دوستو! دل میں متانت سے ذرا غور کرو
یہ صداقت کا نشاں ہے کہ حماقت کا شعار

قوم "الفاظ" کے عنصر سے نہیں بنتی ہے
بلکہ اقوام کے بننے کا ہے "معنی" پہ مدار

قول اُس وقت ہے ایمان کا رتبہ پاتا
جبکہ "قلب" اور "جوارح" سے ہو اس کا اقرار

سرزمین سوڈان کا اولوالعزم مہدی

قلب افریقہ میں ایک شاندار اسلامی امارت

مسلمانوں میں شروع ہی سے یہ عقیدہ مروج رہا ہے کہ جب دنیا ظلم و جور سے بھر جائے گی اس کی سطح پر ضلالت و گمراہی کی تیرگی چھا جائے گی تو اللہ اپنے ایک برگزیدہ بندے کو ہدایت و ارشاد کا منصب دے کر دنیا میں بھیجے گا اور اس مقبول بارگاہ جل و علا کی کوششوں سے یہ ظلمت کدہ دوبارہ برکات دینی و دنیوی کے نور سے لبریز ہو جائے گا یہاں اس عقیدے کی شرعی حیثیت پر تفصیلی بحث کی ضرورت نہیں یہ سب کو معلوم ہے کہ مہدی کے متعلق اگرچہ بہ کثرت روایات موجود ہیں مگر ان میں سے ایک بھی محدثین کے اصول کے مطابق درخور تسلیم نہیں ہے تاہم یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اس عقیدے کی وجہ سے مختلف ادوار و ازمنہ اور مختلف اقطاع و ممالک میں بعض ایسی تحریکات معرض ظہور میں آئیں جن سے ملت اسلامیہ کے مختلف طبقات میں قومی و مذہبی زندگی کی نئی نئی لہریں پیدا ہوئیں بلاشبہ اس پردے میں بعض مفتریوں اور فتنہ پردازوں نے تفریق و تشتت کے شیاطین کی زنجیریں کھول کر تباہی و بربادی ملت کے سامان جمع کرنے میں بھی کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا لیکن بعض نیک، پاک اور غیور شخصیتوں نے عقیدۂ مہدویت کی مدد لیکر جو عظیم الشان اور ہمیشہ زندہ رہنے والے کارنامے انجام دیئے ان سے بھی انکار کی جرأت نہیں ہو سکتی آخرالذکر سلسلہ کی ایک نہایت ہی جلیل و عظیم ہستی انیسویں صدی کے وسط میں سوڈان کے اندر ظاہر ہوئی جس کے کارنامے کی حقیقی درخشانی ابھی تک مخالفین کی سیاسی اغراض کے تاریک بادلوں میں مستور و متواری چلی آتی ہے یعنی حضرت شیخ محمد احمد جو مہدی سوڈان کے نام روشناس عالم ہیں رحمہ اللہ تعالیٰ۔

حضرت شیخ محمد احمد کے سوانح حیات کا کوئی مستند مرقعہ ہمارے سامنے موجود نہیں ہے انگریزی زبان میں مصر جدید کے متعلق جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں ضمناً اس شخصیت اور اس کی تحریک کا تذکرہ آجاتا ہے سلاطین پاشا کی کتاب "السیف والنار فی السوڈان" اس باب میں زیادہ مفصل و واضح ہے لیکن وہ ساری کی ساری مخالفت کے زہر سے بھری پڑی ہے۔ اور اس کی یا انگریزی کتابوں کی تمام روایات پر علی الکل اعتماد مشکل ہے اردو میں ہمارے علم کے مطابق اس وقت تک صرف دو چیزیں لکھی گئی ہیں اول آغا رفیق بلند شہری کی مختصر سی کتاب جو دارالاشاعت رسالہ "صوفی" کی طرف سے شائع ہوئی اور دوسرے وہ حالات جو مولانا نجم الغنی رام پوری نے اپنی مشہور کتاب "تاریخ مذاہب اسلام" میں درج کئے ہیں لیکن ان دونوں میں محض جمع و ترتیب واقعات ہی کا خیال رکھا گیا ہے اور اس کی شخصیت مہدی کی عظمت کے مختلف پہلو سامنے لانے کی کوشش نہیں کی گئی ہم نے اردو کے ان مضامین کے علاوہ انگریزی و عربی کی اس کتاب سے استفادہ کیا ہے جو ہمیں مل سکی ہے حتیٰ کہ عثمان دغنہ کے سوانح حیات کی وہ ضخیم انگریزی کتاب بھی نہیں چھوڑی جو حال ہی میں شائع ہوئی ہے اس وسیع مطالعہ کا نتیجہ ذیل کا مضمون ہے خدا کرے ہماری محنت ٹھکانے لگے اور جس غرض کو پیش نظر رکھ کر حضرت شیخ محمد احمد کے سوانح حیات مرتب کرنے کی کوشش کی گئی ہے وہ بہ طریق احسن پوری ہو جائے۔

پیدائش اور ابتدائی زندگی

حضرت شیخ محمد احمد دنقلہ کے قریب دریائے نیل کے ایک جزیرے میں پیدا ہوئے تاریخ ولادت کے متعلق اختلاف ہے بعض ۱۸۴۳ء بتلاتے ہیں اور بعض ۱۸۴۸ء آخری تاریخ زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے آپ کے والد کشتیاں بنانے تھے بیٹے کو بھی دوسرے بھائیوں کی طرح یہی پیشہ سکھایا گیا محمد احمد ابھی کمسن ہی تھے کہ آپ کا خاندان بعض حالات کے ماتحت اپنے وطن کو چھوڑ کر شندی میں مقیم ہو گیا جو خرطوم اور اتبارہ کے مابین دریائے نیل کے کنارے پر ایک مشہور قصبہ ہے محمد احمد آبائی پیشے کی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی علوم بھی حاصل کرتے رہے چونکہ قدرت نے حیرت انگیز جودت و ذکاوت عطا کی تھی اس لئے بہت جلد قرآن حفظ کر لیا۔ طبیعت ابتدا ہی سے خدا پرستی اور زہد و اتقا کی طرف مائل تھی آپ اپنا اکثر وقت عبادت اور ذکر و فکر میں بسر کرتے تھے اس لئے آبائی پیشے پر کافی توجہ نہ جما سکے ایک روایت یہ ہے کہ آپ کے بھائیوں نے طبیعت کا اندازہ کر کے آپ کو فالفتہ تعلیم کے لئے فارغ کر دیا تھا دوسری روایت یہ ہے کہ چچا نے آبائی پیشے سے بے توجہی کے باعث مارا اس پر ناراض ہو کر محمد احمد خرطوم چلے گئے اور وہاں طریقۂ فقرا میں داخل ہو گئے خرطوم کے قریب خوجلی ایک مقام ہے چند سال وہاں مقیم رہے پھر بربر چلے گئے جہاں تعلیم بھی حاصل کی بعد ازاں شیخ نورالدائم کے پاس پہنچ گئے اور انہیں کی صحبت میں سلوک کی منازل طے کیں۔

صاعقۂ حق کی پہلی گرج

سلاطین پاشا کا بیان ہے کہ محمد احمد پہلے پہل شیخ محمد شریف کے مرید ہوئے جو اس زمانے میں سوڈان کے نہایت پر جلال پیر تھے اور خرطوم میں رہتے تھے شیخ محمد شریف کے حلقے میں محمد احمد کی حیثیت ایک نہایت ہی معمولی مرید کی تھی اور حق یہ ہے کہ ایک غریب سفینہ ساز کے بیٹے کو کون عزت و حرمت خاص کا مستحق سمجھ سکتا تھا نیز کسے معلوم تھا کہ یہ جوہر قابل چند سال کے بعد نہ محض سوڈان نہ محض افریقہ بلکہ ساری دنیائے اسلام کے افق پر آفتاب بن کر چمکے گا اور خود شیخ محمد شریف کے نام سے بھی تاریخ کے اوراق محض اس وجہ سے روشناس ہوں گے کہ وہ محمد احمد کے ساتھ ایک نسبت رکھتے تھے۔ پیرزادوں کے اکثر حلقوں میں جو بدعات و محدثات آج ہم ہندوستان کے مختلف حصوں میں دیکھ رہے ہیں یہ سب ہزار در چند بد تر صورت میں اس وقت سوڈانی شیوخ پر مسلط تھیں یہ ایک عجیب بات ہے کہ جو عالم تقویٰ اور خدا پرستی و خدا دوستی کی وجہ سے اس قسم کے حلقے قائم ہوتے ہیں لیکن جب عزت و اطاعت سے لبریز سب اپنی ہر متاع ان حلقوں کے آستانوں پر ڈال دیتے ہیں اور دولت کی ریل پیل شروع ہو جاتی ہے تو پھر ان حلقوں کے وارثوں میں وہ تمام خرابیاں نہایت بری طبیعت میں جمع ہو جاتی ہیں جن سے احتراز و اجتناب نے ان حلقوں کو تقدس و احترام کا مرکز بنایا تھا شیخ محمد شریف اگرچہ ایک وسیع حلقے کے مالک اور مشہور پیر تھے۔ مگر بہ اعتبار عمل بہت پستی میں گرے ہوئے تھے۔ محمد احمد اپنے پیر کا یہ حال دیکھ کر دل میں کڑھتے رہتے تھے آخر ایک روز آپ کو اظہار خیالات کا موقع مل گیا شیخ کے بچوں کی تقریب ختنہ تھی اس موقع پر مریدوں اور عقیدت مندوں نے رقص و سرود کی ایک پر تکلف مجلس کا انتظام کیا محمد احمد کا غیر شرعی آلائشوں سے پاک و منزہ قلب یہ منظر دیکھ کر بیتاب ہو گیا آپ نے سختی کے ساتھ ان افعال کی مذمت کی اور علی الاعلان کہہ دیا کہ جس شے کو شریعت حقہ مصطفویہ ناجائز قرار دے چکی ہے اسے کوئی شیخ طریقت اپنے لئے یا کسی دوسرے کے لئے جائز نہیں بنا سکتا۔ جو صاعقۂ حق چند سال کے بعد دشمنان حریت و آزادی کے خرمن پر بے پناہ طاقت سے گرنے والا تھا۔ یہ اس کی پہلی گرج تھی جس نے شیخ محمد شریف کے مریدوں کے حلقے میں ہلچل ڈال دی۔

راہ حق کی اذیتیں

محمد احمد کی اس بے باکانہ حق گوئی نے سب کو مبہوت کر دیا وہ اس کے جواب میں کہہ تو کچھ نہیں سکتے تھے لیکن شیخ محمد شریف کے پاس شکایت کر دی اور محمد احمد کی زبان پر جو کلمات نہیں آئے تھے وہ بھی کوتہ اندیش اور مغلوب الغضب شیخ کے بھڑکانے کے لئے شامل کر لئے گئے۔ شیخ یہ واقعہ سنکر آگ بگولا ہو گیا بجائے اس کے کہ وہ اپنے ایک پاک، نیک اور مخلص مرید کی غیرت و حمیت شریعت پر خوش ہوتا الٹا یہ سمجھنے لگا کہ ایک فرومایہ شخص نے اس کی شان بلند کے خلاف زبان کشائی کی، جو جرأت کی ہے اس کا سختی کے ساتھ انسداد ضروری ہے محمد احمد خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے اپنے تمام خیالات انتہائی بے باکی کے ساتھ پیر کے روبرو بھی پیش کر دئے۔ اس پر شیخ محمد شریف کو اور بھی غصہ آیا اور اس نے محمد احمد کو اپنے مریدوں کے حلقے سے خارج کر دیا۔ سوڈان میں اس وقت مذہبی اعتبار سے یہ بڑی سے بڑی سزا تھی جو کسی مسلمان کو دی جا سکتی تھی۔ اور بہ لحاظ حیثیت اس کا درجہ پاپایان روم کے حکم امتناع رسوم مذہبی سے کم نہ تھا۔ (پاپایان روم جب کسی شخص پر حد سے زیادہ خفا ہوتے تھے تو اسے مذہبی رسوم سے محروم کر دیتے تھے چنانچہ انگلستان کے بادشاہ جان کو یہ سزا دی گئی تھی اس ملک میں اس سزا کے نفاذ کے بعد تمام مذہبی رسوم کے ورود بند ہو جایا کرتے تھے اور سمجھا جاتا تھا کہ مذہبی برکات اٹھ گئی ہیں)

محمد احمد کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ شاید اس

زبیر سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہے لہٰذا اس نے عفو خطا کی تیاری کی سر پر راکھ اور گردن میں دو شاخہ پگڑی ڈال کر اور اس طرح ندامت و انفعال کی زندہ تصویر بن کر اپنے پیر کے دربار میں پہنچے لیکن شیخ محمد شریف کا پارۂ غیظ و غضب انتہا پر پہنچا ہوا اور اس نے محمد احمد کو انتہائی ذلت و خواری کے ساتھ اپنے سامنے سے نکلوا دیا۔ اس پر محمد احمد شیخ قرشی کے پاس چلے گئے جو نہایت نیک دل بزرگ تھے اور شیخ محمد شریف کی حریف گدی کے مالک تھے۔

زہد و تقویٰ کی شہرت

شیخ قرشی کے پاس محمد احمد نے بڑے اچھے دن گذارے کچھ مدت کے بعد نیل ابیض کا ایک جزیرہ جس کا نام ابا ہے آپ کو پسند آیا اور آپ اس میں مقیم ہو گئے بیان کیا جاتا ہے کہ یہاں محمد احمد پندرہ سال تک عبادت و ریاضت میں مصروف رہے جس کی وجہ سے آپ کی پرہیزگاری کی شہرت دور دور پھیل گئی اور لوگ جوق در جوق آپ کے پاس کسب فیض کے لئے آنے لگے۔ شیخ قرشی کا انتقال ہو گیا تو محمد احمد کی ذات مرجع خاص و عام بن گئی اور آپ کے پُر تاثیر وعظ و تلقین کا چرچا گھر گھر ہونے لگا اس زمانے میں آپ نے مذہبی اصلاح کے متعلق ایک مختصر سا رسالہ لکھا اور اصلاح کی غرض سے کردفان کے علاقے کا دورہ بھی کیا اس دورے میں آپ نے بیکس و مظلوم باشندگان سوڈان کی تباہ حالی کے زہرہ گداز مناظر سب سے پہلی مرتبہ دیکھے اسی دورے میں آپ کے پاک دل میں اس مبارک تحریک کا ابتدائی احساس پیدا ہوا جس نے اہل سوڈان کو پہلی مرتبہ باعزت زندگی کے جذبہ سے معمور کیا اور جو انجام کار قلب افریقہ میں ایک وسیع اسلامی امارت کے قیام کی موجب بنی لیکن افسوس کہ زمانے کے بے پناہ ہاتھ نے اسے زیادہ مدت تک باقی نہ رہنے دیا۔

سوڈان کی حالت

سوڈان اس وقت مصریوں کے ظلم و جور اور بدنظمی کے ماتحت تباہی و بربادی کی انتہائی پستیوں میں گرا ہوا تھا ابتداء میں یہاں مسیحیت کا دور دورہ تھا جب اسلام کی فاتحیت نے شمالی افریقہ کو نور حق و صداقت سے لبریز کر دیا تو اس کا اثر سوڈان پر بھی پڑا اور یہاں کئی اسلامی امارتیں قائم ہو گئیں محمد علی پاشا مرحوم خدیو اول نے مصر کی عنان حکومت سنبھالتے ہی اکثر مملوک امرا کو قتل کر ڈالا تھا جو باقی بچے وہ باہر بھاگ گئے ان میں سے بعض نے سوڈان کی امارتوں پر قبضہ کر لیا تھا کہتے ہیں اول محمد علی پاشا کی آرزو تھی کہ ممالیک کا خاتمہ کر دیا جائے تاکہ وہ مصر کے قریب کہیں باقی نہ رہیں۔ اور انتقامی کاروائیاں شروع نہ کر سکیں دوسرے اس کا خیال تھا کہ سوڈان میں سونے کی کانیں ہیں تیسرے اسے خروج کے لئے آدمیوں کی ضرورت تھی اور سوڈان سے بکثرت آدمی مل سکتے تھے ان مقاصد کی تکمیل کے لئے اس نے سنہ ۱۸۲۰ء میں تسخیر سوڈان کا ارادہ کیا اور اپنے تیسرے بیٹے اسماعیل کو ایک فوج دے کر حملے کا حکم دیدیا

سوڈان مصر کے قبضے میں

اسمٰعیل نے فی الفور بربر اور شندی پر قبضہ کر لیا اور سنار کی طرف بڑھا اگلے سال اس کا بڑا بھائی ابراہیم (جو اپنے زمانے کا ایک ممتاز سپہ سالار تھا اور جس کے برابر خدیوی خاندان نے کوئی آدمی پیدا نہیں کیا) بھی پہنچ گیا۔ اسمٰعیل اس وقت تک آگے بڑھ کر نیل ابیض اور نیل ارزق کے مقام اتصال پر جا بیٹھا تھا یہیں بعد میں وہ شہر آباد ہوا جو خرطوم کے نام سے روشناس عالم ہے ابراہیم نے وہاں سے نیل ابیض کے ساتھ ساتھ پیش قدمی شروع کی اور اسماعیل نیل ارزق کی طرف بڑھا اس طرح دونوں بھائی جنوب کی سمت دور دور تک نکل گئے لیکن ابراہیم دفعتہً بیمار ہو کر مصر واپس چلا گیا۔ اسماعیل نے اپنی سختی اور ظلم و جور سے سوڈان کے بعض دیسی امرا کو ناراض کر لیا۔ اس پر شندی کے امیر نے اس سے انتقام کی ٹھانی۔ اسمٰعیل اور اس کے امرا کی دعوت کی دوران دعوت میں مکان کے ارد گرد گھاس کے انبار لگا دیئے اور ان میں آگ لگا دی چند لمحوں میں اسماعیل اور اس کے ساتھی جل کر مر گئے۔ محمد علی نے اپنے داماد محمد بے کو فوج دے کر انتقام لینے کے لئے بھیجا شندی کا امیر حبش کی طرف بھاگ گیا۔ اور محمد بے نے کردفان پر قبضہ کر لیا اس طرح سوڈان مصر کے ماتحت آ گیا لیکن جس حد تک نظم و نسق کا تعلق ہے حکومت مصر نے حد درجہ بے پروائی بلکہ مجرمانہ غفلت سے کام لیا۔ اور چند سال میں سوڈان کو لعنت کا گھر بنا دیا۔

زبیر پاشا

باشندوں پر گرانبہا ٹیکس عاید تھے اول ان سے حکومت وصول کرتی تھی پھر گورنر پھر رؤسا و امراء اور جو کچھ باقی بچتا تھا وہ باشندوں کی جہالت، خوش اعتقادی اور بے خبری کے باعث پیروں کی نذر ہو جاتا تھا بردہ فروشوں کی جماعتیں طول و عرض سوڈان میں چکر لگاتی رہتی تھیں اور لوگوں کو پکڑ پکڑ کر جانوروں کی طرح دوسروں کے ہاتھ فروخت کر دیتی تھیں ان میں سب سے زیادہ شہرت ایک عرب بردہ فروش نے حاصل کی جس کا نام زبیر تھا اور جس کا ذکر آیندہ آئے گا۔ یہ شخص انیسویں صدی کے وسط میں سوڈان میں داخل ہوا اور بردہ فروشی سے اس نے بہت بڑی دولت پیدا کر لی اس کے ساتھ وہ جنوب مغرب میں ایک بڑے علاقے پر قابض ہو گیا۔ اور اس کے دل میں حکومت کے جذبے نے گھر کر لیا حکومت مصر نے دو ایک مرتبہ سوڈان کی حالت سدھارنے کی کوشش کی مگر کوئی قابل ذکر نتیجہ نہ نکلا جنرل گارڈن کو اسی لئے سوڈان کی گورنری دی گئی تھی کہ وہ حالات کی اصلاح کر دے لیکن سارا نظام بگڑا ہوا تھا اسے درست کرنا آسان کام نہ تھا

بغاوت اور اس کا انجام

زبیر نے جب دیکھا کہ وہ جس علاقے کو اپنا سمجھ رہا تھا اس کی گورنری دوسرے شخص کو مل رہی ہے تو وہ اپنا معاملہ عالی حکومت مصر کے روبرو پیش کرنے کے لئے قاہرہ آیا واپس جانے لگا تو اسے وہیں روک لیا گیا اس خیال سے کہ اس کی غیر حاضری میں حالات جلد رو بہ اصلاح ہو جائیں گے لیکن سنہ ۱۸۷۸ء میں اس کے بیٹے سلیمان نے بغاوت کا علم بلند کر دیا۔ گارڈن نے اپنے ایک اطالوی افسر رومانو جیسی کو جو بعد ازاں جیسی پاشا کے لقب سے علاقہ بحر الغزال کا گورنر بنا۔ فوج دے کر باغیوں کی سرکوبی کے لئے بھیجا سلیمان مع چند رفقا کے گرفتار ہو گیا اور گارڈن کے حکم سے اسے قتل کر دیا گیا یہ واقعات ہم اس لئے بیان کر رہے ہیں کہ آیندہ جو کچھ بیان ہوگا اس میں بعض واقعات کے سمجھنے کے لئے ان مبادی کا معلوم کر لینا ضروری ہے بہر حال سوڈان کی حالت نہایت ردی تھی انتظام بے حد برا تھا لوگ لٹ رہے تھے، پٹ رہے تھے ایک رہے تھے مارے جا رہے تھے اور مصائب و مہالک کے ہجوم نے انہیں اس درجہ مایوس و دل شکستہ کر دیا تھا کہ وہ یقین کر چکے تھے کہ اب "مہدی منتظر" کے سوا انہیں کوئی ان مصیبتوں سے رہائی نہیں دلا سکتا۔

دعوائے مہدویت

ہم عرض کر چکے ہیں کہ شیخ محمد احمد نے کردفان کے دورے میں ان تمام زہرہ گداز حقائق کا مشاہدہ کیا تو تحریک آزادی کی علم برداری کا فیصلہ کر لیا ابتدا وعظ و تلقین سے ہوئی۔ وہ بار بار اپنے ملنے والوں اور عقیدت مندوں سے یہی فرماتے کہ یہ سب بلائیں تمہاری شامت اعمال سے نازل ہوئی ہیں اگر آج نیک اعمال اختیار کر لو الٰہی احکام کے پابند ہو جاؤ تو آج ان کی تیرگی و مصیبت کافور کی طرح اڑ جائے ایک پاک و درد مند دل اور بے باک، پُر تاثیر زبان سے جو لفظ نکلتا تھا وہ ہر شخص کے دل میں اتر جاتا تھا۔ اور عام طور پر یہی خیال کیا جانے لگا کہ محمد احمد کے سوا کوئی شخص سوڈان کو ان مصائب سے نجات نہیں دلا سکتا چنانچہ خود بخود لوگ ان کے پاس درخواستیں لے کر پہنچنے لگے خود شیخ محمد احمد نے قبول عام کی یہ حالت دیکھی تو اللہ کا نام لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور محض ہدایت و ارشاد ہی نہیں بلکہ قیادت و ریاست کا علم بھی بلند کر دیا۔

مہدویت کی حقیقت

ہمیں یہاں اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ شیخ محمد احمد کے دعوائے مہدویت کی حقیقت کیا تھی محض اتنا جان لینا کافی ہے کہ وہ بیحد متقی اور پرہیزگار بزرگ تھے کتاب و سنت کے شیدائی تھے ان کے تمام ارشادات و اعمال کا مرکز و مرجع قرآن اور سنت حضرت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ ان کی جتنی چیزیں ہم تک پہنچی ہیں سب کی سب عین منشائے کتاب و سنت کے مطابق ہیں انہوں نے اپنی زندگی میں جو کچھ کیا نہایت نیک نفسی اور نیک دلی سے کیا ان کے جو دشمن انہیں جھوٹا کاذب اور مفتری کہہ کر خوش ہوتے ہیں وہ بھی اُن کی زندگی کے جتنے واقعات بیان کرتے ہیں انتہائی پرہیزگاری اور تقوے کے ظاہر و باہر ثبوت ہیں پھر شیخ محمد احمد نے اپنی ساری زندگی ایک نہایت نیک اور پاک مقصد کے لئے وقف کر دی وہ چاہتے تو دوسرے مشائخ اور اہل زہد کی طرح آرام سے ایک بہت بڑی اور پُر آسائش گدی کا انتظام کر سکتے تھا لوگ خود بخود ان کے تقویٰ اور زہد کی وجہ سے کھنچے چلے آتے تھے لیکن محمد احمد نفس کا بندہ نہ تھا آرام و آسائش دنیوی کا خواہاں نہ تھا اس کے دل میں شریعت حقہ کے احیا اور ملت اسلامیہ کے اعلاء و سربلندی کی جو تڑپ تھی اس نے اسے چین نہ لینے دیا۔ اس لئے اس نے آرام و آسائش کا رستہ چھوڑ کر ہولناک خطرات و مہالک سے لبریز راستہ اختیار کیا اس بحث کو چھوڑ دیجئے کہ وہ "مہدی منتظر" تھا یا نہیں۔ صرف یہ دیکھئے کہ اس نے ملت کی ایک وسیع آبادی کو مصیبتوں اور پریشانیوں میں گھرا ہوا دیکھ کر اولوالعزمی کے ساتھ اس کی اصلاح کی کوشش کی اور جب مخالفین نے اس کی تحریک کو برباد کرنا چاہا تو وہ ایثار و سرفروشی کا پیکر بن کر میدان جہاد میں اتر آیا اگر ہم آج کسی جلسے کی سٹیج پر چند پُر جوش کلمات کہنے والے یا کسی اخبار کے صفحات پر چند پُر جوش کلمات لکھنے والے کے راستے میں آنکھیں بچھانے پر آمادہ ہو جاتے ہیں تو کیا اس بزرگ کی خدمت میں ہماری طرف سے عزت و احترام کا کوئی تحفہ پیش نہیں ہو سکتا جو ہمارے قائدین سے بدرجہا زیادہ متقی اور بدرجہا زیادہ ایثار پیشہ تھا اور جس نے انتہائی بے نفسی کے ساتھ بدرجہا بڑا کام انجام

حکومت کے ساتھ ابتدائی چپقلش

۱۸۸۱ء میں شیخ محمد احمد کے اعلان مہدویت کی خبر خرطوم پہنچی اس وقت رؤف پاشا سوڈان کے گورنر تھے۔ رؤف نے اپنے ایک آدمی کو پچاس مسلح سپاہی دے کر جزیرہ ابا اس غرض سے بھیجا کہ وہ محمد احمد کو گرفتار کر لائے لیکن محمد احمد کے عقیدت مندوں نے مدافعت کی اور حکومت کے آدمیوں کو قتل کر ڈالا۔ یہ اس خونریز کشمکش کی ابتداء تھی جو ۱۸۹۹ء میں دولت درویش کی تباہی پر ختم ہوئی اس واقعہ کے بعد محمد احمد ابا کو چھوڑ کر کردفان کے پہاڑوں میں جا بیٹھا اور ابا کا انتظام اپنے ایک خاص مرید کے حوالے کر گیا۔

جنوبی کردفان پر قبضہ

اس دوران میں مختلف حاکموں نے چھوٹی چھوٹی فوجیں لے کر محمد احمد کا تعاقب کیا جن میں سے محمد سعید پاشا کی فوج جنگلوں اور میدانوں میں تباہ ہو گئی رشید بے حاکم فشودہ کی فوج کو شکست ہوئی۔ یوسف پاشا الشلالی کی فوج تباہ ہو گئی عوض الکریم پاشا کی فوج نے بھی شکست کھائی دو تین مقامات پر محمد احمد کے ساتھیوں کو بھی جو اپنے آپ کو درویش کہتے تھے شکستوں سے دوچار ہونا پڑا تاہم فتوحات کی برکت سے جنوبی کردفان درویشوں کے قبضے میں آ گیا اس واقعہ نے سارے سوڈان میں عام ہیجان پیدا کر دیا اور جو لوگ اب تک شیخ محمد احمد کی رفاقت و اعانت میں متامل تھے انہوں نے بھی آہستہ آہستہ اس کی حمایت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس وقت تک سوڈان کی گورنری پر عبدالقادر پاشا کا تقرر ہو چکا تھا جس نے اعلان کر دیا کہ ایک درویش کو قتل کرنے والا شخص دو پونڈ انعام پائے گا اور جو شخص درویشوں کے کسی افسر کو موت کے گھاٹ اتارے گا اسے اٹھارہ پونڈ دئے جائیں گے لیکن اب مہدی کی دعوت کا علم ہر مخالف جھگڑے کے مقابلے کے لئے تیار ہو چکا تھا۔ اور حکام مصر کی دفاعی یا جارحانہ کوششیں مذبوحی حرکات سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی تھیں۔

خلفاء کا تعین

اس زمانے میں محمد احمد نے اپنے رفقا و متبعین کی زیادہ وسیع پیمانے پر ترتیب کی اور چار خلیفے مقرر کئے اس باب میں خلافت راشدہ کا اتباع کیا گیا۔ یعنی جس طرح حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ میں سے چار رفیقوں سے خاص نسبت تھی اسی طرح مہدی نے بھی اپنے چار رفقا سے خاص نسبت پیدا کی خلیفہ اول عبداللہ التعائشی تھا جس کے مفصل حالات آگے چل کر بیان ہوں گے خلیفہ دوم علی ولد الحلو خلیفہ سوم کی جگہ شیخ محمد السنوسی کے لئے مخصوص کی گئی خلیفہ چہارم شیخ محمد الشریف کو بنایا گیا۔ شیخ محمد احمد نے شیخ محمد السنوسی کو طرابلس میں کئی خط لکھے اور کہا کہ یا تو آپ اسی مقام سے مصر کی طرف توجہ کریں یا سوڈان چلے آئیں تا کہ اسلام اور ممالک اسلامیہ کو اعدائے کفار کے تسلط سے نکال کر شریعت کا احیا کیا جائے لیکن محمد السنوسی نے اس معروف پر توجہ نہ کی۔

الابیض پر قبضہ

ستمبر ۱۸۸۲ء میں مہدی نے کردفان کے صدر مقام الابیض پر حملہ کیا محمد سعید پاشا گورنر سوڈان قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا ابتدا میں مہدی نے قاصد بھیجا کہ شہر کو حوالے کر دیا جائے سعید پاشا نے شہر کی حوالگی سے انکار کر دیا اور محمد بے سکندر نے حاکم قلعہ نے مہدی کے قاصد کو گولی ماری یہ فعل سفارت کے تمام ضوابط و قواعد کے برخلاف تھا مہدی کو ابتدا میں سخت نقصان اٹھانا پڑا لیکن اس نے محاصرہ جاری رکھا اس دوران میں اس کے ایک افسر زلد النجومی نے خیر بارا پر قبضہ کر لیا جو دامی بدار فور اور بحر الغزال میں مہدویت کی دعوت کے لئے بھیجے گئے تھے انہوں نے وہاں کے لوگوں میں عام جوش جہاد پیدا کر دیا۔ الابیض کے محاصرے نے شہر کی حالت بہت ردی کر دی اشیائے خورد و نوش اس درجہ گراں ہو گئیں کہ سلاطین کے قول کے مطابق اونٹ بیندہ سو ڈالر کو، مرغ بتیس ڈالر کو اور انڈا ڈیڑھ ڈالر کو بکنے لگا۔ آخر اہل شہر نے تنگ آ کر ۱۷ر جنوری ۱۸۸۳ء کو شہر حوالے کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی سارا کردفان مہدی کے قبضے میں آ گیا۔

سعید پاشا اور اس کے رفقا کا قتل

سعید پاشا اور اس کے رفقاء گرفتار ہو کر مہدی کے روبرو آئے تو اس نے اپنے سفیر کے قتل کی نسبت استفسار کیا محمد بے سکندر نے آگے بڑھ کر سارا الزام اپنے اوپر لے لیا یہ بہت بڑا جرم تھا جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس کے بعد مہدی نے سعید پاشا سے کہا کہ جو روپیہ تمہارے پاس جمع ہوا ہے بیت المال میں داخل کر دو تا کہ وہ غریبوں میں تقسیم ہو جائے اگر تم نے روپیہ نہ دیا تو اس کی پاداش میں قتل کر دئے جاؤ گے اس موقع پر روپے کے متعلق مہدی نے جو تقریر کی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زر ہی کو ساری خرابیوں کی جڑ سمجھتا تھا اور اس باب میں اس کے خیالات موجودہ زمانے کے بالشویکوں سے زیادہ مختلف نہ تھے۔ سعید پاشا نے کہا کہ میرے پاس ایک کوڑی بھی نہیں۔ مہدی نے چند لمحے آنکھیں بند رکھیں پھر کہا کہ سعید پاشا کے مکان کا فلاں گوشہ کھودو جب وہ گوشہ کھودا گیا تو سات ہزار پونڈ نقد ملے اس کے بعد سعید پاشا اور محمد بے سکندر روپے کے چھپانے اور سفیر کے قتل کرنے کے جرم میں قتل کر ڈالے گئے۔

انتظام حکومت

کردفان کے قبضے میں آجانے کے بعد مہدی نے نظام حکومت کو استوار کیا حکومت کے انتظامی صیغے تین قرار دیئے گئے۔ اول سپاہ، دوم قضا، سوم مال۔ فوجی محکمہ کا افسر عبداللہ التعائشی خلیفہ اول بنا بیت المال جس میں مال غنیمت فطرہ، زکوۃ پیداوار اراضی کا دسواں حصہ اور دوسری رقمیں جمع ہوتی تھیں احمد ولد سلطان کی تحویل میں دیا گیا اور محکمہ قضا احمد ولد علی کے حوالے کیا گیا جسے قاضی الاسلام کہتے تھے۔

دعوت جہاد

الابیض کی فتح کے بعد مہدی نے ایک اعلان مشائخ، امرا، اور عام لوگوں کے لئے شائع کیا جس کے ضروری حصے یہاں درج کئے جاتے ہیں:-

میری غرض یہ ہے کہ تمہیں راہ ہدایت دکھاؤں خدا کی راہ میں ہجرت کرو جہاد فی سبیل اللہ کو اپنا نصب العین بناؤ دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے تعلقات منقطع کرلو راحت و آسائش کا خیال بھی دل سے نکال دو اگر دنیا کوئی اچھی شئے ہوتی تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور تمہارے لئے آراستہ کر دیتا مگر ایسا نہیں ہوا۔ . . .

دنیا کی آسائشوں کو ٹھکرا دو خدا سے ڈرو اس کے سچے بندوں کے ساتھ ہو جاؤ اس کی راہ میں جہاد کرو یہی سچی زندگی ہے خدا کی راہ میں ایک مسلمان کا تلوار کو صرف حرکت میں لانا ستر سال کی عبادت کے برابر ہے عورتوں پر بھی خدا کی راہ میں جہاد فرض ہے جو عورتیں میدان جہاد میں کام کر سکتی ہیں اور شرعاً ان کے گھر سے نکلنے میں مضائقہ نہیں وہ ہاتھ اور پاؤں سے جہاد کریں جوان اور پردہ دار عورتوں کا جہاد یہ ہے کہ وہ گھروں میں پاک زندگیاں بسر کریں بلند آواز سے باتیں نہ کریں نماز پابندی کے ساتھ پڑھیں اپنے شوہروں کی اطاعت گذار رہیں۔

اس اعلان کے ساتھ سوڈان کی معاشرتی زندگی کی بعض عام خرابیوں کے استیصال پر بھی توجہ کی گئی تھی۔ مثلاً عورتوں کے لئے ستر پوشی کی ہدایت، ایک دوسرے کے ساتھ بدکلامی اور تہمت طرازی سے اجتناب کی ہدایت، غیر محرم عورتوں سے گفتگو کی ممانعت، حقے تمباکو کی ممانعت، شراب نوشی کے لئے سزا۔ قیام صلوٰۃ کی تاکید اور ترک کی سزا۔ پانچ سال کی لڑکی کی ستر پوشی، نکاح میں مہر کم باندھنے کی تاکید وغیرہ۔

ہکس پاشا کی تباہی

اس دوران میں علاء الدین پاشا سوڈان کا گورنر بن چکا تھا مصری حکومت کردفان پر حملے میں متامل تھی۔ لیکن ایک انگریز افسر جنرل ہکس نے جو عام طور پر ہکس پاشا کے نام سے مشہور ہے حکومت کو ترغیب دی کہ کردفان پر حملہ کر کے مہدی کو تباہ کر دیا جائے مہدی نے اس اثنا میں ہر طرف دعوت جہاد کا انتظام کر دیا وہ بار بار کہتا تھا کہ میں دنیا سے بے پرواہ ہو کر عاقبت کی درستی و آراستگی کے لئے آیا ہوں ایک غیر معروف گوشے سے اٹھ کر بڑے علاقے کا حاکم بن جانے پر بھی اس کی عام معاشرت میں کوئی فرق نہ آیا۔ نہ خیالات بدلے نہ لباس کی سادگی میں تغیر پیدا ہوا یہ چیز ہر شخص کے لئے مہدی کی للہیت کا ایک مشہور ثبوت تھی۔ سوا کن کی حکومت مہدی کی طرف سے احمد المکاشفہ کی تحویل میں تھی ہکس نے مرابیہ پر احمد کو شکست دی جس میں وہ مع اپنے رفقا سمیت شہید ہو گیا۔ بعد ازاں ہکس گیارہ ہزار سپاہ لیکر الابیض پر حملے کے ارادے سے بڑھا۔ لیکن راستہ ایسا اختیار کیا جس میں نہ پانی کافی تھا اور نہ ضرور کے مقامات اچھے تھے سپاہ خرطوم سے دویم پہنچی دویم سے ۲۴ر ستمبر کو شنات آئی راستے میں اسے سخت تکلیفات کا سامنا کرنا پڑا چھ دن کی محنت کے بعد شنات سے زریقہ پہنچی زریقہ سے ہر اکتوبر کو جھیل شرکلا کے کنارے آئی اس سے آگے بڑھ کر ہکس مع سپاہ کے رستے الابیض جانا چاہتا تھا لیکن رستے میں شیکان کے مقام پر درویشوں کی سپاہ نے گھیر لیا۔ اور ہکس کی ساری سپاہ وہیں تباہ ہو گئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ صرف تین سو آدمی بچے ہکس بھی مارا گیا اس فوج کی تباہی نے حکومت مصر کی رہی سہی امیدوں کا بھی خاتمہ کر دیا۔ اور مہدویت کا آفتاب اپنے پورے شباب میں چمکنے لگا جو قبائل اب تک متردد تھے وہ بھی اب جوق در جوق مہدی کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے۔

ہکس کی فوج ۴ر نومبر ۱۸۸۳ء کے دن تباہ ہوئی۔



دارفور پر قبضہ

سلاطین اسوقت دارفور کا گورنر تھا یہ شخص اصلاً اسٹریا کا تھا لیکن آخر کار حکومت مصر کے ماتحت سوڈان میں ملازم ہوگیا تھا۔ حکومت مصر کی طرف سے کمک پہنچنے پر اس کا سہارا تھا اُس کی تباہی نے اس سہارے کا خاتمہ کر دیا تو وہ خود مجبوراً حوالگی دارفور پر آمادہ ہوگیا چنانچہ اس کی درخواست پر مہدی کی جانب سے امیر محمد خالد الزقل کو بھیجا گیا سلاطین نے صوبے حوالگی کے بعد حلقہ بگوش اسلام بننے کی خواہش کی اسکا اسلامی نام عبدالقادر رکھا گیا لیکن اس کی یہ حرکت محض اپنے بچاؤ کی ایک تدبیر تھی سلاطین کو اسی وقت سے مہدی نے اپنے ساتھ رکھنا شروع کر دیا خرطوم کے محاصرے میں اس کی بعض حرکات سے شرارت کا شبہ پیدا ہوا۔ تو اُسے قید کر دیا گیا مہدی کی وفات کے بعد وہ خلیفہ عبداللہ کے پاس رہا لیکن کچنر کے حملے سے ایک دو سال پہلے بھاگ کر مصر چلا گیا تھا۔

مشرقی سوڈان اور عثمان دغنہ

مہدی کی دعوت کی ابتدا میں جن لوگوں نے لبیک کہا تھا

ان ہی سے سواکن کا ایک ترکی النسل تاجر بھی تھا جس کا نام عثمان دغنہ تھا اور جس کے آباؤ اجداد تقریباً تین پشتوں سے سواکن میں مقیم تھے کہتے ہیں کہ عثمان دغنہ پہلے ایک کامیاب تاجر تھا جدہ میں اس کی تجارتی کوٹھیاں تھیں لیکن انگریز سفیر نے اس کے ساتھ بدسلوکی کی تھی جس سے ناراض ہو کر وہ انتقام کی فکر میں تھا۔ جب سوڈان میں مہدویت کا ظہور ہوا تو عثمان دغنہ مہدی کے ساتھ ہو گیا اور مشرقی سوڈان میں اس نے پورے جوش و خلوص کے ساتھ اس تحریک کو پھیلایا جب اس کے ساتھ اچھے آدمی جمع ہو گئے تو ۵ر اگست کو سنکات پر حملہ کر دیا۔ جو سواکن و بربر کے راستے پر واقع ہے۔ یہاں سے خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی تو پیچھے ہٹ کر اس نے طوکر کا محاصرہ کر لیا۔ سنکات کا محاصرہ بھی برابر جاری رکھا ۱۸۸۴ء کے آغاز میں جنرل بیکر ... ا ... کی ماتحتی میں جو جیکر دپاشا کے نام سے مشہور ہے ایک سپاہ سواکن اور اس کے گرد و نواح درویشوں سے بچانے کے لئے بھیجی گئی عثمان دغنہ نے اسے ۴ر فروری ۱۸۸۴ء کو تب کے مقام پر سخت شکست دی سنکات میں سواکن کا گورنر توفیق بے بھی محصور تھا۔ بیکر کی تباہی کے بعد وہ بیرونی امداد سے مایوس ہو گیا اس نے جان پر کھیل کر سنکات سے نکل کر سواکن جانے کی کوشش کی لیکن درویشوں نے اسے اور اس کے رفقا کو موت کے گھاٹ اُتار دیا ان کامیابیوں نے مہدی کو بڑی تقویت پہنچائی۔

جنرل گارڈن کا تقرر

ان حالات کے بعد سوڈان کے بچاؤ کی کوئی امید باقی نہ رہی اور حکومت انگلشیہ نے جو عرابی پاشا کو گرفتار کر کے اور اس کی تحریک حریت کو مٹا کر مصر پر انگریزی تسلط کا راستہ صاف کر چکی تھی یہ کہنا شروع کر دیا کہ سوڈان کو ترک کر دیا جائے اور وادی حلفاء کو مصر کی آخری حد بنا لیا جائے۔ لیکن مختلف مقامات کا باطمینان تخلیہ ضروری تھا۔ اس غرض کے لئے ایک قابل شخص کی تلاش شروع ہوئی حکومت انگلشیہ کی نظر انتخاب جنرل گارڈن پر پڑی جو اس وقت برسلز میں تھے اور شاہ بلجیم کی طرف سے کانگو کے حاکم بن کر جانے والے تھے انہیں تار دے کر انگلستان بلایا گیا۔ اور تخلیہ سوڈان کی خدمت سپرد کی گئی گارڈن نے رزامل یہ خدمت قبول کر لی اور فی الفور انگلستان سے روانہ ہو پڑا۔ ۲۶ر جنوری ۱۸۸۴ء کو وہ کرنیل سٹوارٹ کو ساتھ لے کر قاہرہ سے خرطوم کی جانب روانہ ہوا۔ اس کا خاص فرض یہ تھا کہ بحر الغزال۔ دار فور کسالا اور دوسرے سوڈانی علاقوں سے مصری عہدہ داروں ان کے عملے اور ان کے اہل و عیال کو قاہرہ واپس لائے سواکن و بربر اور بربر و کسالا کے راستوں کی حفاظت کرے خرطوم کے گرد و پیش کے قبائل کو مشرقی سوڈان کے درویشوں کے خلاف متحد کرے اور سوڈان میں اپنی مرضی سے دیسی حکومت کے قیام کا بندوبست عمل میں لائے۔

گارڈن کی تدبیریں

۱۸ر فروری ۱۸۸۴ء کو گارڈن خرطوم پہنچا اس نے تالیف قلوب کی مختلف تدبیریں کیں لوگوں پر جو رقمیں حکومت کی طرف سے واجب الادا تھیں انہیں معاف کر دیا مجرموں پر سختی اور شدت کے تمام وسائل ممنوع قرار دئیے عام طور پر بیان کیا جاتا تھا کہ سوڈان کے بعض باشندے غلاموں کی تجارت کے روک دیئے جانے کی وجہ سے ناراض ہیں گارڈن نے اعلان عام کے ذریعہ سے اس تجارت کی بھی حسب دلخواہ اجازت دے دی اس کے ساتھ مہدی کے پاس کردفان کی گورنری کا پروانہ بھیج دیا۔ اور ایک اعلیٰ خلعت بھی ارسال کیا۔ مہدی نے خلعت واپس کر دیا۔ اور کہلا بھیجا کہ میری کوششیں حکومت کے لئے نہیں ہیں بلکہ آزادی و حریت کے لئے ہیں اور میں خدائی احکام کے ماتحت یہ کام کر رہا ہوں تم اگر اسلام لے آؤ تو امن پاؤ گے

رائے میں تغیر

گارڈن تخلیہ سوڈان کے لئے آیا تھا لیکن خرطوم پہنچکر حالات کا معائنہ کیا تو اُسے محسوس ہوا کہ تخلیہ اچھے نتائج پیدا نہ کرے گا۔ اور مصر کی حفاظت معرض خطر میں پڑ جائے گی۔ اب اس نے ایک طرف تو حکومت کے روبرو یہ تجویز پیش کی کہ اگر دائمی مصیبت سے بچنا چاہتے ہو تو مہدی کے خاتمہ کا بندوبست کرو اور اس کی سرکوبی کے لئے معقول سپاہ بھیجو دوسری جانب اس نے ترغیب و ترہیب کے ذریعہ سے لوگوں کو مہدی کی اطاعت سے نکال کر اس کے خلاف ابھارنا شروع کیا۔ کرنیل سٹوارٹ کو قبائل میں دعوت مخالفت کے لئے بھیجا گیا مگر قبائل نے ایسی مزاحمت کی کہ سٹوارٹ مایوس ہو کر واپس چلا آیا۔ اس ضمن میں گارڈن نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ مشہور بردہ فروش زبیر کو بھیج دیا جائے تاکہ اس کے اثر و رسوخ سے کام لے کر مہدی کی طاقت کو توڑا جا سکے لیکن یہ تجویز مسترد ہو گئی۔

مزید فتوحات

اب مہدی کے جوش نے ایک جانب تو خرطوم کی طرف پیش قدمی شروع کی اور دوسری جانب اس کے حکم سے مختلف اشخاص مختلف شہروں پر بڑھے اور قابض ہو گئے چنانچہ ابو مرجہ نے جزیرہ میں مصریوں کو پے در پے شکستیں دیں محمد الخیر نے بربر کا محاصرہ کر کے اسے فتح کر لیا سید محمد علی نے دائم کو مسخر کر لیا۔ اور اسی طرح شمال کی سمت سے خرطوم کے تمام سلاسل منقطع ہو گئے اور گارڈن ہر سمت سے گھر گیا۔

گارڈن کی مصیبتیں

گارڈن کو اس دوران میں جو مصیبتیں برداشت کرنی پڑیں ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں بعض اشخاص کا خیال ہے کہ حکومت انگلشیہ نے یا اس کے کارندوں نے اپنی غفلت سے گارڈن کو بے بس چھوڑ دیا۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ گارڈن پر جو تباہی آئی وہ اس کی اپنی بے تدبیری کا نتیجہ تھی۔ لارڈ کرومر کی رائے یہی ہے لیکن چونکہ گارڈن مارا گیا تھا۔ اس لئے عام لوگوں کو اس کے ساتھ ہمدردی رہی اور اب تک چلی جاتی ہے۔ ہم اس موضوع کو کبھی تشنہ نہ چھوڑتے مگر یہ گارڈن کے سوانح حیات کا حصہ ہے نہ کہ مہدی سوڈان کی سیرت کا۔

خرطوم پر پیش قدمی

اگست میں مہدی الابیض سے نکل کر خرطوم پر بڑھا اور وسط اکتوبر میں اپنی منزل مقصود کے قریب پہنچ گیا سلاطین پاشا (جو اب عبدالقادر کے نام سے پکارا جاتا تھا) ساتھ تھا مہدی نے اس سے دو تین مرتبہ گارڈن کو خط لکھوائے سلاطین خود اقرار کرتا ہے کہ وہ ان خطوں میں شرارت و فریب سے کام لیتا رہا یعنی جرمن اور فرانسیسی زبان لکھ کچھ دیتا تھا اور بتاتا کچھ تھا۔

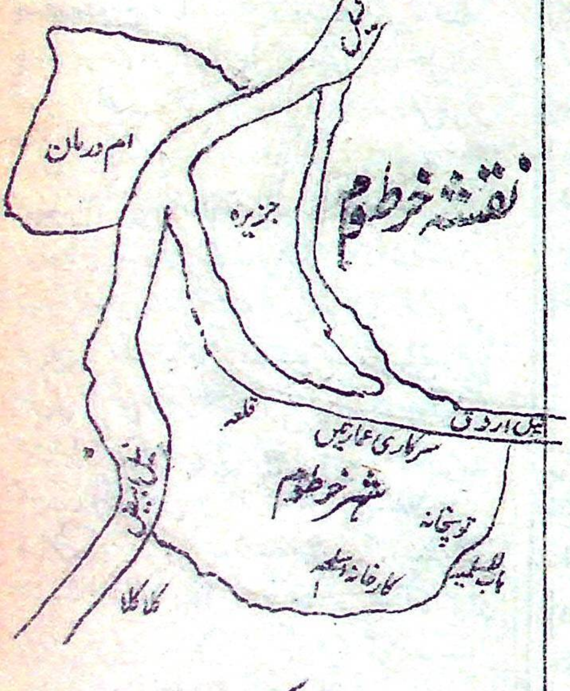
کرنیل سٹوارٹ کا قتل

ستمبر ۱۸۸۴ء میں قاہرہ سے ایک فوج گارڈن کی کمک کے لئے روانہ ہوئی مگر اس کی رفتار بہت سست تھی نیز راستے میں قدم قدم پر درویشوں سے مقابلہ ہوتا تھا۔ ایک مصیبت یہ تھی کہ دریائے نیل کے آبشاروں سے کشتیاں گذار کر لانا آسان نہ تھا۔ گارڈن نے کمک کی طرف سے مایوس ہو کر سٹوارٹ کو چند رفقا سمیت دریا کے راستے قاہرہ بھیج دیا۔ ایک مقام پر یہ لوگ ساحل پر اترے تو درویشوں نے ان پر حملہ کر کے انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا۔

خرطوم کا محاصرہ

اب مہدی نے اپنی سپاہ کو حکم دیا کہ ہر طرف سے خرطوم کا محاصرہ کر لیا جائے اس کی سختی سے تعمیل کی گئی ہر مقام پر درویشوں کے بڑے بڑے سپہ سالار فوجیں لے کر بیٹھ گئے مثلاً ابو جرجہ ولد النجومی ابو عنقرہ فضل المولیٰ۔ ام درمان فتح ہو گیا تو محاصرہ کی سختی اور بھی بڑھ گئی مہدی نے اپنی فوج میں پے در پے مؤثر تقریریں کیں اور انہیں جہاد پر آمادہ کیا۔

۲۵ر جنوری ۱۸۸۵ء کو اطلاع ملی کہ کمکی انگریزی فوج کے دو جہاز شندی کے قریب پہنچ چکے ہیں لہٰذا فیصلہ کیا گیا۔ کہ ۲۶ر جنوری کی صبح کو خرطوم پر حملہ کر دیا جائے خرطوم کے محل وقوع کی تفہیم کے لئے ہم اس کا نقشہ یہاں درج کرتے ہیں۔



مہدی کی ہدایات

درویشوں کی ایک بڑی جمعیت کلا کلا کے مقام پر بیٹھی تھی ولد النجومی اس کا سالار تھا حملہ کا آغاز اسی جمعیت کی طرف سے ہونے والا تھا مہدی نے حملے سے پیشتر ایک پُر تاثیر وعظ کہا اور تلقین کی کہ گارڈن کو زندہ گرفتار کیا جائے بیان کیا جاتا ہے کہ وہ گارڈن کے معاوضے میں احمد عرابی پاشا مصری کو جسے انگریزوں نے بجرم بغاوت قید کر کے سیلون بھیج دیا تھا رہا کرانا اور اپنے پاس لانا چاہتا تھا۔

گارڈن کا قتل

کلا کلا اور باب المسلمہ کے مابین شہر پناہ کا کچھ حصہ دریا کی زد کے باعث شکستہ ہو چکا تھا۔ درویش رات کی تاریکی

میں اس حصے سے شہر کے اندر داخل ہو گئے اور صبح صادق کے طلوع سے پیشتر ان کے نعرہ ہائے تکبیر سے خرطوم کی فضا گونج اٹھی شہر پر بہت تھوڑے عرصہ میں قبضہ ہو گیا اور گارڈن مارا گیا قتل کی روایات مختلف ہیں بعض کہتے ہیں کہ گارڈن گرجے کی طرف جا رہا تھا راستے میں درویشوں کی ایک جماعت مل گئی اور ایک درویش نے گولی سے اُسے ہلاک کر دیا۔ زیادہ مستند روایت یہ ہے کہ جب گارڈن کو درویشوں کے داخلہ کا علم ہو گیا تو وہ اپنا فوجی لباس پہن کر باہر نکلا سیڑھیوں پر چند درویش ملے جن سے اس نے مہدی کے متعلق پوچھا مخاطب نے سینہ میں نیزہ مارا ساتھی نے تلوار سے سر قلم کر ڈالا جب سپہ سالار کو گارڈن کے قتل کی اطلاع ملی تو وہ بہت متاسف ہُوا بوثوق بیان کیا جاتا ہے کہ چند درویش سپاہیوں نے لاعلمی میں گارڈن کو قتل کر ڈالا۔

انگریزی فوج

یہ ۲۶ر جنوری کی صبح کا واقعہ ہے سلاطین لکھتا کہ درویش گارڈن کا سر کپڑے میں رکھ کر مہدی کے پاس لائے۔ جس خیمہ میں سلاطین قید تھا اس کے دروازہ پر آ کر انہوں نے قیدی کو سر دکھایا تو دنیا اس کی نظروں میں تاریک ہو گئی ۲۸ر جنوری کو انگریزی کمکی فوج کے جہاز خرطوم کے قریب پہنچے تو اس وقت تک سارا قصہ ختم ہو چکا تھا، لہٰذا وہ اُلٹے پاؤں واپس چلے گئے۔

مہدی اور سید جمال الدین افغانی

اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ مہدی گارڈن کو زندہ گرفتار کرنا چاہتا تھا اس کا منشا یہ تھا کہ گارڈن کے معاوضے میں احمد عرابی پاشا کو رہا کرائے پاشائے موصوف کو اپنے پاس بلائے اور تنظیم عساکر سوڈان کا کام لے لیکن یہ منشا، پورا نہ ہو سکا اس لئے کہ بعض درویشوں نے غلطی سے گارڈن کو غلطی سے قتل کر ڈالا اسی طرح یہ واقعہ خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ مہدی اور سید جمال الدین افغانی کے درمیان بھی نہایت گہرے تعلقات تھے سوڈان کے متعدد ذی اثر درویش سید مرحوم کے خاص شاگرد تھے بلنٹ لکھتا ہے کہ گارڈن نے ۱۸۸۰ء میں یادداشت مرتب کی تھی جس میں دولت عالیہ عثمانیہ کے حصے بخرے کر لینے کی تجویز پیش کی گئی تھی۔ مصر انگلستان کو دیا گیا تھا شام، فرانس کو آرمینیا روس کو اور یورپی ترکی ریاستہائے بلقان میں تقسیم کر دی گئی تھیں اس واقعہ نے سید جمال الدین کے دل میں گارڈن کے متعلق نہایت بُرے خیال پیدا کر دئیے تھے بلنٹ نے جو سید صاحب کا دوست تھا انہیں لکھا تھا کہ گارڈن کو بچانے کی کوشش کی جائے اور تجویز یہ کی تھی کہ انگریز مصر سے ہٹ جائیں سید صاحب نے اس کے جواب میں فرانسیسی زبان میں ایک خط لکھا اور اس میں یہ ذکر بھی کر دیا کہ اگر سید صاحب چاہتے تو ان کے لئے گارڈن کو بچا لینا اور رہائی دلا دینا مشکل نہ تھا۔ لیکن گرہیم اور عثمان دغنہ کی لڑائی میں چونکہ مسلمانوں کا خون بے طرح بہ چکا تھا اور مہدی اس نتیجہ پر پہنچ چکا تھا کہ خرطوم پر قبضہ ضروری ہے خواہ کچھ پیش آ جائے اس لئے سید صاحب نے اس معاملے میں مداخلت نہ کی سید صاحب کے مشہور اخبار "عروۃ الوثقیٰ" میں بھی مہدی کے جہاد کی اطلاعات بڑے جوش و خروش سے شائع ہوتی رہیں +

مہدی کی وفات

خرطوم کی فتح کے بعد سوڈان مہدی کے قبضے میں آگیا اس نے ام درمان کو دارالحکومت بنایا اور بڑے انتظام و عدل کے ساتھ حکومت کرنے لگا لیکن افسوس کہ موت نے اسے حکومت کی بنیادیں مضبوط و مستحکم بنانے کی مہلت نہ دی ۲۶ر جنوری کو خرطوم فتح ہُوا، جون کے وسط میں وہ بیمار ہوا بخار نے تپ محرقہ کی شکل اختیار کر لی اور ۲۱ر جون ۱۸۸۵ء کو دور حاضر کے اسلام کی یہ جلیل و عظیم شخصیت ہمیشہ کے لئے اس دنیا سے رخصت ہو گئی انتقال کے وقت مہدی کی عمر ایک روایت کے مطابق بیالیس سال اور دوسری روایت کے مطابق چھتیس سال تھی۔

وصیت

جب مہدی کو ساعت مرگ کا یقین ہو گیا تو اس نے اپنے تمام خلفا و امرا کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ میرے بعد عبداللہ خلیفہ ہوگا۔ چنانچہ مہدی کی وفات کے ساتھ ہی عبداللہ کے ہاتھ پر بیعت ہو گئی جس جگہ مہدی نے وفات پائی تھی وہیں اسے غسل و کفن کے بعد سپرد خاک کیا گیا۔ ابتدا میں لکڑی کا ایک کٹہرا قبر پر لگا کر اوپر سیاہ چادر ڈال دی گئی بعد ازاں اس پر ایک قبہ بنا دیا گیا۔

سیرت اور اخلاق

مہدی کے زہد و اتقا کی شان ابتدا میں بیان ہو چکی ہے وہ بے حد پرہیز گار اور سادگی پسند تھا۔ مشکلات سے قطعاً گھبراتا نہ تھا دنیاوی لذائذ سے اسے سخت نفرت تھی شریعت کا سچا متبع تھا۔ ہر قسم کے محدثات کا اس نے قلع قمع کر دیا تھا۔ مذاہب اربعہ کے اختلافات کو اُٹھا کر اس نے ایک جامع فقہ کی بنیاد ڈالدی تھی فتوحات کے کمال پر پہنچ جانے کے بعد بھی اس کی سادگی میں کوئی فرق نہ آیا جمعہ کو نماز کے بعد فوجوں کا معائنہ کیا کرتا تھا مختلف سرداروں کے لئے مختلف رنگوں کے جھنڈے مخصوص کر دئے تھے۔ ناچ۔ رنگ، کھیل کود۔ اور دوسرے ممنوعات سے سخت دشمنی تھی معائنۂ فوج کے وقت تمام تواد اپنی اپنی فوجیں مربع کی شکل میں کھڑی کر لیتے۔ مہدی جس صف کے پاس سے گذرتا کہتا جاتا (بارک فیکم اللہ) (اللہ تم میں برکت عطا کرے) مہدی نے فتح خرطوم کے بعد اپنا سکہ بھی رائج کیا تھا۔

خلیفہ عبداللہ کا عہد

خلیفہ عبداللہ بڑا پُر جوش، مہدی کا سچا شیدائی اور بے انتہا بلند پایہ شخص تھا۔ لیکن افسوس کہ مہدی کی وفات کے بعد امرا کی باہمی رقابت نے سلسلہ نظم و نسق درہم برہم کر دیا۔ اور وہ اتحاد و جمعیت باقی نہ رہی جو مہدی کے زمانہ میں درویشوں کی امتیازی خصوصیات میں داخل تھی اس لئے بہت جلد تباہی کے آثار شروع ہو گئے۔ افسوس کہ ہم ان واقعات کو تفصیل کے ساتھ بیان نہیں کر سکتے اس لئے کہ ہمارا اصل مقصود یہ تھا کہ مہدی کی سیرت سامنے آ جائے۔ یہ نہیں تھا کہ دولت درویش کی تاریخ لکھیں۔

عبداللہ کے ابتدائی حالات

عبداللہ خاندان سادات سے تھا ابتدائی زندگی نہایت عُسرت میں بسر ہوئی تھی لیکن پیغام حق کا منتظر تھا۔ دارفور میں ایک موقع پر زبیر پاشا کے ہاتھ گرفتار ہُوا تو اس سے کہنے لگا۔ کہ میں مہدی کا منتظر ہوں شاید آپ ہی مہدی ہیں والد نے مرتے وقت وصیت کی تھی کہ وادی نیل کے کسی شیخ کی صحبت میں کچھ مدت ضرور بسر کرنا عبداللہ نے محمد احمد کی شہرت سُنی توان کی جانب روانہ ہُوا ساتھ ایک گدھا تھا۔ سفر کی صعوبتیں برداشت کیں محمد احمد کے پاس پہنچا تو دل کو ایسا اطمینان ہُوا کہ سب کچھ بھول گیا اسی وقت سے وہ مہدی کا دست راست بنا رہا سلاطین نے اپنی کتاب میں عبداللہ کی زبان سے کئی واقعات نقل کئے ہیں جن سے درویشوں کی سیرت کے متعلق بعض اہم معلومات ملتی ہیں لیکن ہم انہیں بخوف طوالت یہاں نقل نہیں کر سکتے۔

اہل حبش سے جنگ

درویشوں نے مہدی کے بعد ستار اور ملا کو بھی فتح کر لیا اور اس دوران میں اہل حبش سے بھی لڑائی ہو گئی لیکن درویشوں نے شکست کھائی عبدالرحمٰن ولد النجومی کو دنقلا اور ابو جرجہ کو کسالا بھیجا عثمان دغنہ سواکن و کسالا کے درمیانی علاقہ کا گورنر بنا ابو عنقر کو حبش کے خلاف بھیجا گیا وہ تاجوش فتح و تسخیر میں حبش کے اندر گھس گیا اور غندر کو لوٹ مار کر قلابات واپس چلا آیا۔ خلیفہ نے اسے قلابات کے استحکام کی ہدایت بھیجی لیکن افسوس کہ ابو عنقر نوجوانی کی عمر میں استحکامات کا انتظام کرتا ہُوا اس دنیا سے رخصت ہو گیا نجاشی حبش نے غضبناک ہو کر خود قلابات پر حملہ کیا اور اسے بے طرح لوٹا لیکن خود مارا گیا اس سے حبش کی سپاہ اس درجہ دل شکستہ ہوئی کہ سب کچھ چھوڑ کر بھاگ نکلی درویشوں نے شدید تعاقب کیا اور سارا سامان لوٹ لیا۔ جس میں نجاشی کا تاج بھی تھا۔ درویش سردار نے یہ تاج ام درمان بھیج دیا۔

مصر پر حملہ

اب خلیفہ نے مصر پر حملے کی تیاریاں کیں وہ کہتا تھا کہ مہدی مصر کو فتح کرنا چاہتا تھا یہ ضروری ہے کہ اب مرحوم کی اس خواہش کو پورا کیا جائے ولد النجومی اس مہم کا سپہ سالار بنا۔ لیکن اس دوران میں ایک قبیلے نے اطاعت سے انکار کر دیا۔ خلیفہ کے حکم سے اس قبیلے کے ۶ آدمی پکڑے گئے اور انہیں بہ جرم بغاوت قتل کر ڈالا گیا ولد النجومی وادی حلفا کی طرف بڑھا مگر اس کی سپاہ ایک غلطی کی وجہ سے منتشر ہو گئی۔ مصری فوج کے انگریز افسر نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر لڑائی کی طرح ڈالی توشکی کے مقام پر دونوں فوجوں کی لڑائی ہوئی۔ درویشوں نے شکست کھائی۔ ولد النجومی اس لڑائی میں شہید ہو گیا اس معرکے میں بارہ سو درویش مارے گئے مصریوں نے یہاں ایک یادگار بنائی۔

سوڈان میں قحط

اس زمانے میں سوڈان میں ہولناک قحط نمودار ہُوا جس میں لوگوں نے اپنے بچے بیچ ڈالے قحط کی مصیبت نے دولت درویش کی بنیادیں اور بھی کمزور کر دیں ساتھ ہی بعض اشخاص نے عبداللہ کے عزل کی سازش کی اس میں مہدی کے دو بیٹے اور بعض رشتہ دار بھی شریک تھے آخر خلیفہ علی والد الحلو کے ذریعہ سے عبداللہ اور دوسرے گروہ میں ایک معاہدہ ہو گیا جس کے رو سے سازشیوں کو معافی دی گئی اور مہدی کے اعزہ کے لئے بیت المال سے اچھی رقمیں مقرر ہوئیں۔

آخری دور

۱۸۹۶ء تک دولت درویش قائم رہی اس دوران میں مصریوں سے دو تین موقعوں پر جھڑپیں ہوئی ۱۸۹۶ء

میں انگریزوں اور مصریوں نے سوڈان کی دوبارہ تسخیر کا فیصلہ کیا۔ لارڈ کچنر اس وقت مصری فوج کے سردار تھے انہی کی قیادت میں یہ مہم روانہ ہوئی۔ جوں جوں فوج خرطوم کی جانب بڑھتی جاتی تھی ساتھ ساتھ ریل بنتی جاتی تھی مختلف مقامات پر درویشوں کے بڑے بڑے افسروں نے انتہائی جگرداری کے ساتھ مقابلہ کیا۔ مگر وہ شکستیں کھاتے رہے لیکن ایک ایک کر کے شہادت کا جامہ پہنتے رہے آخر ۱۸۹۸ء میں انگریزی و مصری سپاہ ام درمان کے روبرو پہنچ گئی

ام درمان کی جنگ

ام درمان پر نہایت خونریز جنگ ہوئی درویشوں نے جانوں کو ہتھیلیوں پر رکھ کر مقابلہ کیا اور بڑے سخت حملے کئے۔ مگر انجام کار صفوں کی صفیں کلدار توپوں اور دوسرے اعلیٰ درجے کے آلات کے سامنے تباہ ہو گئیں اور ام درمان پر مصریوں اور انگریزوں کا قبضہ ہو گیا خلیفہ عبداللہ کردفان کے پہاڑوں میں چلا گیا۔

مہدی کی قبر کا واقعہ

کہتے ہیں کہ لارڈ کچنر نے جوش انتقام میں مہدی کی قبر کو اکھڑوا ڈالا تھا۔ چنانچہ علامہ اقبال نے اس واقعہ کو ایک عجیب سبق آموز پیرائے میں نظم کیا جسے یہاں درج کیا جاتا ہے

خواجہ را از بندۂ پیغامے بگو — کاہ گاہے راز نا گاہے بگو
آدمی تو صد آدم مے کند — سنگ خود برشیشۂ خود مے زند
مہلتش بخشد خدائے دیر گیر — تا بہ بند دیگرے آید اسیر
تا جزا ہا در عملہا مضمر است — پیش من پایانِ کارِ کچنر است
پیکر او را زمیں گور سے نہ داد — جانِ خود جز در یم شورے نہ داد
اندکے اندیش گرداری نظر — انتقام خاک درویشے نگر
گندم از گندم بر آید جو ز جو
از مکافاتِ عمل غافل مشو

خلیفہ عبداللہ اور عثمان دغنہ

ونگیٹ نے کردفان کے پہاڑوں میں خلیفہ عبداللہ کا تعاقب کیا اور وہاں ۱۸۹۹ء میں ایک لڑائی میں خلیفہ شہید ہو گیا اس کے ساتھ ہی درویشوں کا خاتمہ ہو گیا اور ۱۸۸۱ء میں مہدی نے جس حکومت کی بنیاد رکھی تھی وہ صدی کے اختتام سے پہلے پہلے ہی سارے سوڈان پر چھا جانے کے بعد فنا ہو گئی عثمان دغنہ مشرقی سوڈان میں کچھ مدت تک روپوش رہا بعد ازاں ایک عرب کی غداری کے باعث گرفتار ہو گیا اور اسے نظر بند کر دیا گیا ۱۹۲۴ء میں اس نے حج کیا ۱۹۲۷ء میں تقریباً سنتاسی برس کی عمر اس کا انتقال ہو گیا زبیر پاشا کو حملہ سوڈان کے وقت نظر بند کر دیا گیا تھا بعد ازاں رہا کر دیا گیا اور اس نے سوڈان میں زراعت کا کام شروع کر دیا یہ معلوم نہیں کہ وہ اس وقت تک زندہ ہے یا مر چکا ہے۔

تاریخ مراکش کا ایک ورق

مہدی الہرعی کی سرگذشت حیات

(حضرت مولانا قاضی محمد سلیمان صاحب سلمان منصور پوری مصنف رحمۃ للعالمین وغیرہ)

محمد بن عبداللہ بن تومرت کی کنیت ابو عبداللہ ہے اور اوراق تاریخ "مہدی ہرعی" کے لقب سے مشہور ہے اس کا سلسلہ نسب سید الامام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ تک منتہی ہونا بیان کیا گیا ہے اسی نے عبدالمومن بن علی کی دعوت کو دیار مغرب میں فروغ دیا تھا۔

وطن و تلمذ

جبل سوس میں جو انتہائی مراکش میں ہے پیدا ہوا وطن سے اشبیلیہ میں آیا اور وہاں سے عراق پہنچا اس سفر کا مدعا صرف طلب علم تھا کیا ہراشی۔ طرطوشی اور امام غزالی کی شاگردی کا شرف حاصل کیا۔ پھر حج کے لئے مکہ معظمہ پہنچا۔ وہاں سالہا سال تک مقیم رہا اور علم حدیث کی تکمیل بھی یہیں کی

مزاج و طبع

مزاج کا سخت و کرخت تھا زہد و تقویٰ کا شیدا ہنس مکھ متاع دنیوی سے دور۔ صرف ایک عصا اور ایک مشک کا مالک تھا عربی اور مغربی زبان میں فصاحت تام حاصل تھی نہایت جری و دلیر منکرات شرعیہ کا سخت انکار کرنے والا اظہار حق میں نڈر اسے اسی میں راحت و لذت ملتی تھی کہ سب کو ٹوکا کرے اور سب کو سمجھایا کرے اس سخت گیری کی وجہ سے اسے بارہا ذلت و محنت و مصیبت بھی برداشت کرنی پڑی مگر اس کا دم خم دیسا ہی رہتا۔

سفر

مکہ معظمہ سے وہ مصر پہنچا اور یہاں پہنچ کر اس کی سخت گیری اور زیادہ بڑھ گئی مگر یہاں اس نے ایک اور روش اختیار کر لی وہ جب دیکھ لیتا کہ اسے پٹنے کو ہے تو جھٹ اول جلول بکنے لگتا اور سامعین اس اشتباہ میں پڑ جاتے کہ شاید اس کا دماغ چل گیا ہے۔

وہ مصر سے اسکندریہ آیا وہاں زیادہ نہ ٹھہرا اور بلاد مغرب کے راستے سے وہ جہاز میں سوار ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ اس نے دوبارہ یہ خواب دیکھا کہ وہ سارے سمندر کو پی گیا ہے جہاز میں اہل جہاز سے الجھتا رہتا اور سب کو ادائے نماز اور قرأۃ قرآن کی پابندی کا سبق دیتا۔

مہدیہ میں قیام

بالآخر وہ شہر مہدیہ (ساحل افریقہ کا شہر) پر اترا یہ واقعہ ۵۰۵ھ کا ہے یہاں کا حکمران یحییٰ بن تمیم صنہاجی تھا تومرت ایک مسجد میں جا اترا حجرہ کا دریچہ بازار کی طرف کھلتا تھا یہ دریچہ میں بیٹھا رہتا اور جونہی دیکھ پاتا کہ کسی شخص کے پاس کوئی آلہ موسیقی ہے یا شراب و ظروف شراب ہیں تو جھٹ اترتا اور توڑ ڈالتا اس طرح اس کی شہرت تمام شہر میں پھیل گئی طلبا بھی جمع ہو گئے اور اس نے انہیں پڑھانا شروع کر دیا۔

دربار مہدیہ

امیر یحییٰ کو خبر ہوئی تو اس نے ابن تومرت کو بلا بھیجا فقہائے شہر بھی اس وقت موجود تھے امیر نے بعزت و اکرام اس سے ملاقات کی اور دعا کی درخواست بھی کی ابن تومرت نے صرف اسقدر الفاظ دعا کہے اَصْلَحَکَ اللّٰہُ لِرَعِیَّتِکَ (اللہ تعالیٰ آپ کو رعایا کے لئے موزوں بنا دے)

بعد ازاں وہ مہدیہ میں صرف چند روز ہی ٹھہرا۔

عبدالمومن سے ملاقات

مہدیہ سے وہ بجایہ گیا اور وہاں ایک چھوٹے سے گاؤں میں جا بسا جس کا نام ملالتہ تھا ایک روز اسے عبدالمومن ملگیا جسے وہ آگے چل کر اپنا ولیعہد بنائیگا اس نے فوراً اندازہ کر لیا کہ یہ نوجوان میرے کام کا ہے نام پوچھا تو نوجوان نے عبدالمومن بتلایا ابن تومرت بولا کہ میں تمہاری ہی تلاش میں تھا میں نے علم جفر کی کتاب میں پڑھا ہے کہ ہماری دولت و اقبال کا سبب اولین وہ شخص ہو گا جس کے نام میں حروف ع۔ ب۔ د۔ م۔ و۔ م۔ ن ہوں گے۔ آج میری سمجھ میں آیا کہ تم وہی ہو۔ اچھا بتاؤ کہ تم گھر سے کیوں نکلے۔

عبدالمومن نے جواب دیا کہ میں طلب علم کے لئے نکلا ہوں ابن تومرت فوراً بول اٹھا کہ بس ٹھیک ہے میں تم کو ہر ایک علم کی تعلیم دینے کو حاضر ہوں تم کو کہیں جانے کی ضرورت نہیں اسی وقت سے عبدالمومن کا رفیق صادق بن گیا۔

اور ابن تومرت نے اسے اپنا راز دار بنا لیا۔ اب ان کو ایک اور شخص مل گیا جس کا نام عبداللہ الونشریسی تھا۔

سازباز کی ابتداء

الونشریسی عالم و فقیہ اور زبان آور شخص تھا ابن تومرت نے اسے بھی راز دار بنا لیا۔ تجویز یہ ٹھہری کہ الونشریسی بالفعل جاہل بن جائے اور خود کو علم و فضل سے بیگانہ ظاہر کرے اور لکنت کے ساتھ بات کیا کرے تاکہ آگے چل کر کسی مناسب موقعہ پر علم و فضل کو ابن تومرت کا معجزہ بنایا جائے الونشریسی نے اس تجویز کو پسند کر لیا۔

مراکش کی جانب روانگی

اب یہ سب مراکش پہونچے اس وقت یہاں یوسف بن تاشفین کا فرزند ابوالحسن علی فرمانروا تھا۔ یہ بادشاہ علم دوست علم پسند صاحب عدل و داد تھا ابن تومرت نے حسب عادت یہاں بھی منکرات کے خلاف سخت گیری سے آواز بلند کی حتی کہ ایک روز ایک شاہزادی کو بھی ڈانٹ بتلائی بادشاہ تک اس کی رپورٹ پہنچی اور یہ بھی بتایا گیا کہ اس شخص کے کلام میں بغاوت انگیز اشارات پائے جاتے ہیں

دربار مراکش میں

آخر دربار مراکش میں اسے طلب کیا گیا فقہا و علماء شہر بھی اُس وقت دربار میں موجود تھے۔ محمد بن اسود قاضی شہر نے آغاز کلام بایں الفاظ کیا۔

"ہم نے سُنا ہے کہ تم ہمارے شہریار والا تبار کیخلاف بھی کچھ بکواس کیا کرتے ہو۔ حالانکہ ہمارے بادشاہ سلامت وہ ہیں جنہوں نے اپنی خواہشات طبع کو امر الٰہی کا مطیع بنا رکھا ہے"۔ ابن تومرت نے جواب دیا کہ"

"میری بابت جو کچھ آپ نے سُنا وہ سچ ہے مگر آپ کا بادشاہ کی صفت میں یہ کہنا کہ اس کی خواہشات مطیع امر الٰہی ہیں بالکل غلط ہے افسوس آپ اہل علم ہیں اور جان بوجھ کر بادشاہ کو مغالطہ میں ڈالتے ہیں قاضی صاحب آپ کو معلوم بھی ہے کہ یہاں شراب فروخت ہوتی ہے خنزیر آبادی میں گھس آتے ہیں مال یتامےٰ کی کوئی حفاظت نہیں تو کیا انہی حالات پر آپ بادشاہ سلامت کی تعریف ایسے الفاظ میں فرما رہے ہیں؟

تقریر کا لاکا یہ اثر ہُوا کہ بادشاہ کا سر شرم سے جھُک گیا اور اُس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

قید کی تجویز

مالک بن وہیب بادشاہ کا مصاحب اور بے تکلف مصاحب تھا۔ بولا حضور۔ "میں کچھ عرض کردوں"

بادشاہ ہاں کہو

مالک بن وہیب:۔ مجھے یہ شخص خطرناک معلوم ہوتا ہے۔ بہتر ہے کہ حضور میری نصیحت قبول فرمائیں ورنہ بدترین انجام کا سامنا ہوگا۔

بادشاہ تمہاری رائے کیا ہے؟

مالک بن وہیب ان سب کو قید کر دیا جائے اور تینوں کی عمدہ خوراک کے لئے ایک دینار روزانہ مقرر کر دیا جائے اگر آج اس عرض کی سماعت نہ ہوئی تو کل کو سلطنت کا سارا خزانہ بھی اس کے فساد کو دبا نہ سکے گا۔

وزیر اعظم کا خیال

بادشاہ کا میلان طبع ادھر ہو گیا تو وزیر اعظم بولا ابن وہیب حیف کیا کہتے ہو ابھی ایک شخص کی نصیحت اس کریم چشم پر آب ہو رہے ہیں اور ابھی ہم اُسے قید کی رائے بھی دیتے ہیں ایک ہی نشست ایک ہی وقت میں یہ متضاد مناظر کیا معنے رکھتے ہیں عظیم الشان بادشاہ کو تم اس فقیر سے ڈراتے ہو اور دھمکاتے بھی ہو یہ کونسی خوبی ہے

بادشاہ نے یہ تقریر سُنکر ابن تومرت کو باعزاز و اکرام رخصت کر دیا۔

انقلاب کی تیاریاں

ابن تومرت دربار سے نکلا تو الٹے قدم چلا جب تک بادشاہ سامنے رہا اس کی طرف پیٹھ تک نہ کی رفقا نے پوچھا کہ تم اور یہ ادب ملوکانہ؟ ابن تومرت نہیں! ادب مقصود نہ تھا بلکہ میرا مدعا یہ تھا کہ آخرین وقت تک میری تیز تیز نگاہیں اس کے باطل پسند چہرہ پر پڑتی رہیں

ان لوگوں نے جائے قیام پر پہونچکر مشورہ کیا اور شوریٰ میں یہ طے ہُوا کہ ابن وہیب کی موجودگی میں ہماری دال نہ گلے گی۔ مراکش چھوڑ دینا چاہیئے۔

وہ یہاں سے رغمات پہونچے فقیہ عبدالحق بن ابراہیم یہاں اُن کا راز دار بنگیا۔ اس نے بتایا کہ ان موضع تینمل میں جو پہاڑ کی چوٹی پر ہے اور رغمات سے تیس کوس کی راہ ہے ٹھہر کر پھر آہستہ آہستہ اپنی دعوت کی اشاعت اور فراہمی قوت و شوکت میں سعی کرنا چاہیئے۔ وہ ایسی پُرامن جگہ ہے جہاں سلطنت کو اُن کی کارروائیوں کی ذرا اطلاع نہ ملے گی۔ ابن تومرت نے اس رائے کو پسند کر لیا اور کہا کہ مجھے یاد آ گیا کہ کتاب جفر میں مجھکو یہی معلوم ہُوا تھا کہ ہماری کامیابی کا مرکز وہ مقام ہوگا جس کے نام میں حروف ت۔ی ن۔م۔ل شامل ہونگے۔ الحمد للہ آج تمہاری زبان سے معلوم ہُوا کہ اس نام کا کوئی مقام یہاں سے قریب تر ہی واقع ہے۔

یہ لوگ تینمل پہنچ گئے اور وہاں کے لوگوں نے ان کو اہل علم سمجھ کر باعزاز و اکرام اپنے ہاں ٹھیرالیا۔ بادشاہ نے چند روز کے بعد ان کی بابت دریافت کیا تو معلوم ہُوا کہ وہ مراکش سے چلے گئے ہیں بادشاہ نے کہا الحمد للہ کہ ہم کسی بے گناہ کو حراست میں بھیجنے کے گناہ سے بچ گئے ہیں۔

نوجوانوں کی تعلیم و تربیت

ابن تومرت اس گاؤں میں مع رفقا خود رہنے لگا اور اطراف و نواح میں اس کے علم و فضل کا چرچا ہونے لگا۔ اور دُور دُور سے لوگ آنے لگے کوئی طلب علم کے لئے اور کوئی صرف زیارت اور حصول برکت کے لئے۔

ابن تومرت کی توجہ نوجوان لڑکوں اور اہل دولت کی جانب خاص طور پر رہا کرتی تھی وہ ان کو مانوس بناتا۔ اور پھر خیالات خروج ان کے دماغ میں قائم کرتا اگر دیکھتا کہ ان پر اثر آ جانے والا ہے تو خلوص و محبت کا سلوک بیش از بیش کرتا۔ اور اگر دیکھتا کہ میرے ڈھب کا نہیں تو پھر اُسے چھوڑ دیتا۔

ابن تومرت کو فکر یہ تھا کہ کہیں اس کا راز نہ کھُل جائے۔ اور سلطنت اُسے گرفتار نہ کرے اس لئے جوں جوں وقت گزرتا جاتا تھا وہ زیادہ فکر مند رہا کرتا تھا وہ متلاشی تھا کہ اُسے کوئی خاص حیلہ مل جائے۔

جنگ کے لئے تیار

ایک روز اس نے چند بچے دیکھے جن کی آنکھیں نیلی اور رنگ سفید تھا اور ان کے والد گندم گون اور سیاہ چشم تھے۔ ابن تومرت نے پوچھا کہ تمہاری یہ اولاد تمہارے جیسی کیوں نہیں ان اشخاص نے وجہ بتانے میں اعراض کیا یہ سمجھ گیا کہ یہیں کچھ پانی مرتا ہے۔ وہ اسی فکر میں لگا رہا اور برابر پوچھ پاچھ کرتا رہا آخر ان لوگوں نے بتایا کہ سرکاری افسر جب وصولی معاملہ وغیرہ کے لئے آتے ہیں تو وہ ان اشخاص کو گھروں سے نکال دیتے ہیں اور نوجوان عورتوں سے خود ہم بستر ہُوا کرتے ہیں

ابن تومرت کو یہ بات مل گئی تو اب لوگوں کی غیرت و حمیت کو بھڑکانے لگا

لوگوں کو ساتھ ملالیا

اس نے کہا افسوس۔ تم ایسے بہادر تلوار کے لڑاکے اور جنگجو اور پھر یہ ذلیل زندگی جس سے موت ہزار درجہ بہتر ہے تم اس ذلت کو برداشت کیونکر کر سکتے ہو؟ لوگوں نے کہا کہ ہم خود اسے ناپسند کرتے ہیں اور ایسی زندگی کو ذلیل سمجھتے ہیں مگر کیا کریں۔

ابن تومرت۔ اچھا اگر کوئی شخص تمہاری امداد کو اُٹھے تو تم اُسے کیا امداد دوگے؟

لوگ ہم اپنی جانیں لڑا دیں گے اور ایسے شخص پر قربان ہو جائیں گے مگر ایسا ہے کون؟

ابن تومرت:۔ یہی تمہارا مہمان (یعنی خود ابن تومرت)

یہ سن کر لوگوں نے بالاتفاق سمع و طاعت کا میثاق کر لیا

کھلم کھلا مخالفت کا پہلا قدم

ابن تومرت نے ان کو فراہمی اسلحہ کا مشورہ دیا اور یہ بھی کہہ دیا کہ جب سرکاری افسر یہاں آئیں تو تم حسب عادت ان کو گھروں میں اتار و خوب شرابیں پلاؤ بعد ازاں ہم کو اطلاع دو۔

چند روز کے بعد شاہی غلام تحصیل خراج کے لئے گاؤں میں پہنچے اہل قریہ نے خوب مدارات کی شرابیں پلائیں اور پھر ابن تومرت کو اطلاع کر دی ابن تومرت مع رفقاء خود آیا اور سب سرکاری عہدہ داروں کو قتل کر دیا۔ ان میں سے صرف ایک غلام بچا جو اُس وقت کسی کام پر گیا ہُوا تھا۔

اس غلام نے شاہ مراکش کو تمام واقعہ جا سنایا اور بادشاہ نے سُنکر اقرار کیا کہ مالک بن وہیب کی رائے درست تھی

شاہی فوج سے مقابلہ

ابن تومرت سمجھتا تھا کہ اب حملہ ہوگا اس لئے اگلے ہی دن سے اُس نے تمام گھاٹیوں کو محفوظ بنایا اور پہاڑ کی سب چوٹیوں پر منجنیق لگا دیئے سارے کوہستانی لوگ ابن تومرت کی مدد کو جمع ہو گئے ابن تومرت کی گرفتاری کے لئے ایک شاہی رسالہ روانہ کیا گیا یہ رسالہ دامن کوہ سے آگے بڑھتا ہُوا جب درہ کے اندر پہنچ گیا تو ہر چہار طرف سے ان پر پتھر برسنے لگے۔ گھوڑے اپنے سواروں کے قابو سے نکل گئے اور سوار لہولہان ہو کر لڑائی یا مدافعت کے قابل نہ رہے الغرض شاہی فوج کو شکست فاش ہوئی۔

جوق در جوق بیعت

اس فتح سے ابن تومرت کی عظمت کا سکہ تمام کوہستان میں جم گیا اور ہزار در ہزار لوگ اس کے سلسلہ بیعت میں داخل ہو گئے سلطنت نے تو اس واقعہ کو خفیف سمجھ کر تلافی مافات پر التفات نہ کیا۔ مگر ابن تومرت اپنی تدابیر میں برابر منہمک رہا۔

اس نے الونشریسی کو بلایا اور کہا کہ اب وہ موقعہ آ گیا ہے کہ تم معجزانہ رنگ میں کل اپنے آپ کو ظاہر کر دو۔

الونشریسی کا خواب

اگلا دن ہُوا تو نماز صبح کے بعد الونشریسی محراب کی طرف بڑھا اور ابن تومرت کے سامنے مؤدبانہ بیٹھ کر کہنے لگا کہ رات میں نے عجیب خواب دیکھا ہے میں نے دیکھا کہ دو فرشتے آئے ہیں انہوں نے میرا شکم چاک کیا میرے سینہ میں علوم بھر دیئے اور میرے دل پر قرآن حکیم لکھ دیا۔ اور مجھے فصاحت لسانی کی بشارت سے بھی بہرہ ور فرمایا

الونشریسی باتیں کر رہا تھا اور لوگ اس کی فصاحت زبان اور جرأت کلام سے حیران تھے اس نے قرآن مجید بھی فرفر پڑھنا شروع کیا سننے والوں کے تعجب کی کوئی حد نہ تھی۔ کہ خواب میں بشارت یافتہ شخص بیداری میں بھی قرآن پاک حافظہ سے پڑھ رہا ہے

مہدویت کا اعلان

ابن تومرت نے سرور و ابتہاج کا اظہار کیا اور کہا کہ ہمارے متعلق کوئی بشارت سنائے کہ ہم لوگ شقی ہیں یا سعید؟ الونشریسی نے کہا:۔

سنئے آپ تو بحکم الٰہی خود "مہدی القائم بامر اللہ" ہیں
آپ کا تابع سعید ہے اور آپ کا مخالف شقی ہے
مجھے اہل الجنۃ اور اہل النار میں تمیز کرنے کی طاقت بھی

باقی بر صفحہ ۲۸

نقوشِ گرامی رح

دو غیر مطبوعہ غزلیں

(حضرت رئیس المتغزلین مولٰنا گرامی مرحوم و مغفور)

نگاہم آنچناں بر جلوۂ جانانہ می رقصد — کہ بے خود شمع را بر گرد سر پروانہ می رقصد

من و تو ہر دو اے مجنوں بیا از بیخودی رقصیم — کہ در شہر جنوں دیوانہ با دیوانہ می رقصد

ندانم غمزۂ ساقی چہ افسوں کرد در کارش — کہ امشب محتسب در میکدہ رندانہ می رقصد

نمیدانم فریبِ گردشِ چشمِ کہ زد راہش — کہ شیخ شہر در راہے چہ استادانہ می رقصد

نقاب از رخ برافگند آں پری، زاہد برقص آمد — بلے از خشک مغزیہا بر آتش دانہ می رقصد

دل آویزیِ بزمِ میکشاں دارد تماشائے — صراحی نعرۂ قلقل زند پیمانہ می رقصد

دگر افسانۂ لیلےٰ و مجنوں یاد می آید — اگر فرزانہ می خندد اگر دیوانہ می رقصد

بلا گردانِ گردشہائے چشمِ کیست حیرانم — کہ در مے خانہ امشب خود بخود پیمانہ می رقصد

خیالِ چشمِ مستِ کیست شور انگیزِ دل یارب — کہ دل در سینہ ام می رقصد و مستانہ می رقصد

گرامی را بطوفِ کعبہ بیخود دیدم و گفتم — کہ ایں مانند آں کافر کہ در بتخانہ می رقصد

دیگر

(مرسلہ محترمہ اقبال بیگم صاحبہ ترک اہلیہ حضرت مرحوم)

بمرگِ بیکسی آں دردمند خو کردہ — کہ از برائے کسی مُردن آرزو کردہ

باو رسیدنِ ما وصلِ قطرہ با دریاست — کہ رفتہ از خود و خود را تمام اُو کردہ

زنیم قطرہ ہزار آفتاب میچکدش — چہ بادہ ایست کہ غنچہ در سبُو کردہ

عیارِ تلخیِ جانکندن آں غریب شناخت — کہ از عتابِ بُتاں زہر در گلُو کردہ

زکار رفت دماغم، مگر نسیمِ سحر — گرہ کشائیِ آں زلفِ مشکبُو کردہ

باشکِ گرم، وفا مشربانِ عالمِ دل — ہزار خرقۂ آلودہ شُست و شُو کردہ

نگاہ دار ادب را کہ قہرمانِ دل اند — قلندرانِ ز خود رفتہ ہاؤ ہُو کردہ

نمازِ روئے ترا سر بسجدہ آوردہ — نگاہِ نازگدازِ جگر وضُو کردہ

جہاں نوردیِ مجنوں حجابِ بیخبریست — کہ یار در دل و دل گرمِ جستجُو کردہ

رموزِ اہلِ خرابات از گرامی پرس — کہ سالہا درِ میخانہ رُفت و رُو کردہ

(مرسلہ حضرت علامی تلمیذ حضرت مغفور)

مغل شاہنشاہوں کی روزانہ زندگی

ہندوستان کی بدقسمتی سے آج ملک کی دو ہمسایہ قومیں آپس میں برسرِ پیکار ہیں۔ اور یہ اسی افتراق کا نتیجہ ہے کہ ہندوستان کی تاریخ جادۂ صداقت سے ہٹ کر بے سروپا افسانوں اور لایعنی داستانوں کا مخزن بن گئی ہے۔ ہمارے برادرانِ وطن جہاں اور معاملات میں اپنی ذکاوت کا ثبوت دیتے ہیں۔ وہاں شاہانِ اسلام کو بدنام کرنے کے لئے بھی طرح طرح کی غلط سلط روایتیں نصابی تاریخ میں داخل کر رہے ہیں۔ جن کے مطالعہ سے اُن کی سیاہ مستی اور عیش پرستی کا نقشہ دماغوں پر مسلط ہو جاتا ہے۔ یہ داستانیں اس قدر دل آویز اور تاثرات سے بھری ہوئی ہیں کہ بڑے بڑے بزرگ اور زبردست سے زبردست فاضل بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

مغربی نژاد مستشرقین

مسلمانوں کی بدقسمتی سے ایک اور جماعت بھی حریف بن کر میدان میں اُتر آئی ہے۔ یہ جماعت ان مغربی نژاد مستشرقین کی ہے جن کی عمر کا بیشتر حصہ مشرقی زبانوں کے سیکھنے اور تمدن و معاشرت اسلام کے خلاف پرچار کرنے میں صرف ہوتا ہے۔ نفضلا کی اس جماعت نے اپنے بیانات کی بنیاد ان غیر معروف کتب پر رکھی ہے۔ جنہیں واقعات سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ یہ کتب چند سیاحوں کی یادداشتیں ہیں جو ہندوستان کے دورِ زریں میں یہاں آئے اور جنہوں نے اپنے اہلِ وطن کو سیاحتِ ہند کا شوق دلانے کی خاطر بازاری افسانوں کو واقعات کی صورت میں ڈھالا۔ اور اپنے ابنائے وطن کو گھر بیٹھے ہندوستان کی سیر کرائی۔ قوم نے اسلاف پرستی کے جذبہ سے اثر پذیر ہو کر انہیں نہایت آب و تاب سے شائع کیا اور آج وہی کتابیں اسلام اور شاہانِ اسلام کے خلاف ایک کامیاب حربہ کی صورت میں مستعمل ہیں۔

نورالدین جہانگیر

یوں تو خاندانِ تیموریہ کا کوئی متنفس بھی اس قسم کے واقعہ نگاروں اور چیستان گویوں کی ملامت سے بچ نہیں سکا مگر جہانگیر خاص طور پر اُن کے تیر نظر کا گھائل ہے۔ وہ اسکی نشاط پرستی کی داستانیں خوب مزے لے لیکر بیان کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ اسکی زندگی کا اہم ترین مقصد عیش و عشرت تھا۔ وہ دن رات مے ناب کے نشہ میں چور اور ہر وقت رام رنگی میں ڈوبا رہتا تھا۔ اس قسم کی اور بہت سی فرضی روائتیں ہیں جو اس عادل بادشاہ کے متعلق تراشی گئی ہیں۔ مندرجہ ذیل پروگرام یہ ثابت کرے گا کہ ان داستان طرازیوں کی حقیقت کیا ہے۔

عبادتِ صبح

جہانگیر علی الصباح خواب استراحت سے بیدار ہوتا۔ وضو کرتا۔ اور فریضۂ نماز نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرتا۔ ولیم ہاکن لکھتا ہے کہ:۔

"جب جہانگیر آگرہ میں مقیم ہوتا تو وہ نماز کے لیے ایک خوبصورت کمرے میں جاتا جہاں سنگِ موسیٰ کا ایک نہایت خوبصورت تخت رکھا ہوا تھا اُسکے اوپر ایرانی دُنبہ کی پوستین بچھی ہوتی تھی۔"

EARLY TRAVELS IN INDIA صفحہ ۱۱۴

ورد و وظائف

نماز ادا کرنے کے بعد بادشاہ ورد و وظائف میں مشغول ہو جاتا۔ ولیم ہاکن کا بیان ہے کہ:۔

"بادشاہ کی تسبیح آٹھ زنجیروں پر مشتمل تھی اور ہر زنجیر میں چار سو دانے تھے۔ یہ دانے بیحد قیمتی اور خوبصورت جواہرات زمرد اور لعلوں سے بنے ہوئے تھے۔" (ایضاً صفحہ ۱۱۴)

جہانگیر نے تخت نشین ہوتے ہی علماء کو حکم دیا کہ وہ اللہ تعالےٰ کے اُن اسمائے حسنہ کو جن کا یاد کرنا آسان ہو جمع کریں تاکہ وہ روزانہ اُن کا ورد کیا کرے۔ چنانچہ وہ اپنی تزک میں خود لکھتا ہے کہ:۔

"بعلماء و دانایانِ اسلامیہ فرمودم کہ مفرداتِ اسمائے الٰہی را کہ در یاد گرفتن آسان باشد جمع نمایند تا آں را وردِ خود سازم۔" (تزک جہانگیری صفحہ ۹)

جھروکہ درشن

ورد و وظائف سے فارغ ہو کر جہانگیر جھروکہ درشن میں جاتا۔ جھروکہ درشن عام طور پر قلعۂ معلےٰ کے مشرق کی جانب ایک چھوٹے سے دریچے کی صورت میں ہوتا تھا۔ بادشاہ کے سایہ کے لیے روپہلی ستون گاڑ کر زربفت کی چادریں تان دی جاتی تھیں۔ اُمراء اور وزراء دریچے کے نیچے صف باندھے بےحس و حرکت کھڑے رہتے تھے۔ عوام الناس گروہ در گروہ بادشاہ کے درشن کے لیے آتے۔ اور جب بادشاہ جھروکہ درشن سے ظاہر ہوتا تو سب کے سب تسلیم بجا لاتے۔ "بادشاہ سلامت" کی غلغلہ انداز صداؤں سے فضائے آسمانی گونج اُٹھتی۔ تسلیم کا طریقہ بھی عجیب ہوتا۔ لوگ اپنے داہنے ہاتھ کی پشت کو زمین پر ٹیکتے اور پھر آہستہ آہستہ اٹھا کر ماتھے کی طرف لیجاتے۔ بادشاہ نہایت خندہ پیشانی سے اُن کے سلام کا جواب دیتا۔

عدالت

اسی اثناء میں نقیب اور چوبدار آواز دیتے کہ اگر کسی شخص پر ظلم ہوا ہے تو وہ اپنی فریاد حضورِ معلےٰ میں پیش کر سکتا ہے چنانچہ فریادی آگے بڑھتے اور اپنی اپنی عرضداشتیں بادشاہ کے حضور میں پیش کرتے۔ بعض اوقات بادشاہ مجرموں کو سزا بھی اسی موقع پر دیتا۔ ایسا کرنے سے اسکی غرض و غایت یہ ہوتی کہ عمال رعایا پر ظلم و ستم کرنا چھوڑ دیں۔ اور رعایا اس قسم کی عبرت انگیز سزائیں دیکھ کر جرائم سے دست کش ہو جائے۔ اس طرز نو کا بانی اکبر اعظم ہے۔

انصاف اور عدل میں جہانگیر بے عدیل و بے نظیر تھا۔ اسکی انصاف پرستی کی داستانوں سے ہندوستان کے در و دیوار آجتک گونج رہے ہیں۔ وہ جب کبھی کوئی نیا عامل نامزد کرتا تو سب سے پہلے اس بات کا عہد لیتا کہ وہ رعایا پر ظلم نہیں کرے گا چنانچہ آئینِ جہانگیری کے نام سے جو فرمان اُس نے جاری کیا تھا اُس میں یہ بات خاص طور پر واضح کر دی تھی کہ:۔

"در سیاست کور نکنند و گوش و بینی نبرند و بزور تکلیف مسلمانی بر کسے نکنند۔"

ناظم پنجاب کو تنبیہ

اِس سے بڑھکر اور کیا انصاف پرستی ہو سکتی ہے کہ جب اس نے سعید خاں کو ناظم پنجاب مقرر کیا تو اسے معلوم ہوا کہ اُسکے خواجہ سرا ظالم اور جابر ہیں۔ وہ کمزوروں اور مظلوموں کو بے جا تنگ کرتے ہیں۔ جہانگیر اس بات سے بھڑک اُٹھا۔ اس نے فی الفور اسے پیغام بھیجا کہ:۔

"عدالتِ ما از ہیچ کس ستم بر نمی دارد۔ و در میزانِ عدل اگر بر کسے ظلم و تعدی رود۔ گوشمالی خواہد یافت۔"
(تزک جہانگیری صفحہ ۶)

بیوہ کی فریاد

۸ جلوس میں ایک بیوہ عورت اُسکی درگاہ میں حاضر ہو کر فریادی ہوئی کہ مقرب خاں نے اسکی لڑکی کو زبردستی اپنے گھر میں ڈال لیا ہے۔ لڑکی کچھ عرصہ ہوا اُسکے محل میں ملازم ہوئی تھی۔ مگر اب میں نے مطالبہ کیا تو خان مذکور نے جواب دیا کہ فوت ہو چکی ہے۔ جہانگیر نے عورت کا بیان سُنکر صورتِ حالات کی تحقیق کی۔ عورت سچی نکلی۔ جہانگیر نے مقرب خاں کا منصب گھٹا کر نصف کر دیا اور نصف منصب کی آمدنی اُس ضعیفۂ ستم رسیدہ کو مدد معاش اور زادِ راہ کے طور پر عطا کر دی۔

پرندوں کے ساتھ انصاف

اسی طرح جب وہ گجرات کے دورہ پر تھا تو اجمیر کے نزدیک ایک نہایت عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ ایک دن وہ اپنے خیمہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ سارس کے ایک جوڑے نے اُسکے خیمہ کے گرد چکر لگانا اور شور مچانا شروع کیا۔ ان کی حرکات و سکنات سے پتہ چلتا تھا کہ انپر ظلم ہوا ہے۔ جہانگیر کہتا ہے کہ:۔

"یہ دیکھکر میں فی الفور خیمہ سے باہر نکل آیا اور ان کی پریشانی کی وجہ دریافت کرنے کے درپے ہوا مجھے خیال آیا کہ شاید کسی نے انکے بچے پکڑ لیے ہیں۔ جب تفتیش کی گئی تو میرا قیاس درست نکلا اور ایک خواجہ سرا نے سارس کے دونوں بچے لاکر میری خدمت میں پیش کر دیے۔ سارس بچوں کو دیکھ کر بیتاب ہو گئے۔ دیوانہ وار انکی بلائیں لینے لگے اور یہ خیال کرکے کہ وہ بھوکے ہیں انہیں چوگا دینے لگے۔"

جہانگیر یہ منظر دیکھکر اس قدر متاثر ہوا کہ اُس نے فوراً بچوں کو آزاد کر دیا۔ سارس کا جوڑا بچوں کو لیکر جہانگیر کی بلائیں لیتا ہوا اپنے آشیانے کی طرف پرواز کر گیا۔

جہانگیر کی انصاف پسندی کی داستان عدالت گستری ہماری قصیدہ خوانی سے بہت بالاتر ہے۔ متذکرہ بالا واقعات بھی مشتے نمونہ از خروارے ہیں۔

مجلس مشاورت

جھروکہ درشن سے فارغ ہونیکے بعد جہانگیر امراء اور وزراء سے کچھ عرصہ مشورت کرتا۔ بعد ازاں وہ دو گھنٹوں کے لیے محلات میں چلا جاتا کچھ عرصہ آرام کرتا۔ پھر خاصہ تناول کرتا اور باقی وقت بیگمات کی صحبت میں صرف کرتا۔ اس وقت

شاہ بیگم محلات کے کاغذات بھی اسکی خدمت میں پیش کرتی غریب اور بے کس عورتوں کے لیئے وظائف اور روزینے بھی مقرر کراتی۔ نوجوان غریب لڑکیوں کی شادی کے متعلق گفتگو کرتی۔ انہیں اپنی لڑکیاں بنا کر جہیز وغیرہ بھی دلواتی۔ اور پھر انکی شادی کسی قابل اور ہونہار نوجوان سے کرا دیتی۔

ورزشوں کا تماشا

ان امور سے فارغ ہو کر بادشاہ پھر جھروکہ درشن میں آتا اور مردانہ ورزشوں کا تماشا دیکھتا۔ اسکے بعد چھوٹے چھوٹے جانور مثلاً چیتے اور ہرن وغیرہ لڑائی کے لیئے چھوڑے جاتے اور سب کے آخر میں جنگی ہاتھی میدان میں نکالے جاتے

جنگ فیلاں

ہاتھیوں کی لڑائی ہندوستان کے حکمرانوں کا ایک قدیم ترین مشغلہ ہے۔ کلاڈیوس ڈی الیانوس اپنی کتاب خصائص حیوانات میں لکھتا ہے کہ:۔

"ہندوستان کے بڑے بڑے راجوں اور مہاراجوں کے دربار میں سال میں ایک مرتبہ مصنوعی جنگ کے بعد مختلف حیوانات بھی لڑائے جاتے۔ وہ ایک دوسرے پر غالب آنے کی بیجا کوشش کرتے جب یہ تماشا ختم ہو جاتا تو ایک وسیع میدان میں ہاتھی لڑائی کے لیئے چھوڑے جاتے۔ وہ آپس میں اسقدر لڑتے کہ زخموں سے چورچور ہو جاتے۔ اور ان کے زندہ رہنے کی کوئی امید نہ رہتی"۔

ANCIENT INDIA AS DESCRIBED IN CLASSICAL LITERATURE (صفحہ ۱۴۵)

اسی طرح اسکندریہ کے کاہن کاموس (KAMOS) نے بلاد مشرقیہ کے سفرنامہ میں متذکرہ صدر بیان کی تصدیق کی ہے۔

شاہان اسلام نے بھی جنگ فیلاں سے وقتاً فوقتاً حظ اٹھایا ہے۔ فرشتہ خضر خاں کے متعلق لکھتا ہے کہ:۔

"خضر خاں کو سوائے اسکے اور کوئی کام نہ تھا کہ شراب پیئے یا گانا سنے۔ چوگان کھیلے۔ یا ہاتھیوں کی لڑائی دیکھے"۔ (تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۲۲)

سنہ ۹۴۳ھ میں جب سلطان بہادر شاہ والئی گجرات نے برہان نظام شاہ والئی احمد نگر کو شکست دی اور احمد نگر میں قیام کیا تو اس نے حکم دیا کہ اس چونے اور پتھر سے جو نظام نے بعض عمارات کی تعمیر کے لیئے جمع کیا ہے۔ ہاتھیوں کی لڑائی دیکھنے کے لیئے ایک چبوترہ تیار کیا جائے۔ چنانچہ کاریگروں نے ایک ہی دن میں ایک رفیع الشان چبوترہ کھڑا کر دیا۔ اس چبوترہ کو آجکل "بہادر چبوترہ" کہتے ہیں۔ سلطان بہادر شاہ چالیس دن اسی چبوترہ پر بیٹھا ہاتھیوں کی لڑائی دیکھتا رہا۔ (تاریخ فرشتہ جلد سوم صفحہ ۱۰۵)

دور تیموریہ میں جنگ فیلاں بہترین شاہانہ مشغلہ بن گیا اکبر نے ایک کروڑ روپیہ صرف کر کے فیل خانہ تیار کرایا۔ اور ایک زبردست عملہ ہاتھیوں کی نگہداشت۔ پرورش اور سدھانے کی خاطر ملازم رکھا۔ مہاوت ہاتھیوں کو طرح طرح کے کرتب سکھاتے اور لڑائیوں کے لیئے تیار کرتے۔

اکبر اعظم کی مردانگی

اکبر کو جنگ فیلاں سے دلی انس تھا۔ وہ بعض اوقات ہاتھیوں کو خود لڑائی کے لیئے ہانکا کرتا تھا۔ اور ایسا بھی ہوتا تھا کہ جب جوش مستی میں بے قابو ہو کر ہاتھی صفوں کو چیرتا ہوا میدان سے بھاگ نکلتا اور بڑے بڑے بہادر بھی اس طرف رخ کرتے ہوئے ڈرتے تو اکبر خود موقع واردات پر پہنچ کر کسی بلند مقام یا درخت پر چڑھ جاتا تھا اور جونہی ہاتھی اس کے قریب آتا وہ کود کر اس پر سوار ہو جاتا اور اسے اپنے قابو میں لے آتا۔

جہانگیر کا شوق

جہانگیر اس شوق میں اپنے باپ سے بھی بڑھا ہوا تھا چنانچہ طامس کوریئٹ کا بیان ہے کہ:۔

"بادشاہ کے پاس تیس ہزار ہاتھی ہیں جن پر وہ ہر سال بے انتہا دولت صرف کرتا ہے"۔

EASTERN TRAVELS BY TOMAS CORYAT (خط نمبر ا)

دور تیموریہ کے زوال کے ساتھ ہی اس شاہانہ مشغلہ کا ذوق و شوق بھی کم ہو گیا۔ چنانچہ آخری بار ہم ہندوستان کی تاریخ میں صرف ۸۔ اگست ۱۷۱۲ء کو یہ پڑھتے ہیں کہ:۔

"آج جہاندار شاہ کے حکم سے ہاتھیوں کی لڑائی ہوئی"۔

دیوان عام

دوپہر کے قریب بادشاہ دیوان عام میں آتا اور تخت شاہی پر متمکن ہو کر امراء اور وزراء کو اپنے دیدار سے مشرف کرتا اور حاضرین دربار اپنے اپنے درجہ کے بموجب صف باندھے کھڑے رہتے۔ بادشاہ کا تخت زمین سے کافی بلندی پر تھا۔ اس پر چڑھنے کے لیئے سیڑھیاں لگی ہوئی تھیں۔ بڑے بڑے امیر چھوٹے منصب داروں سے بلند تر مقام پر متعین ہوتے۔ ان کے بعد فوجی افسر کھڑے ہوتے۔ پیدل اور سوار اپنے اپنے افسروں کے ماتحت دورویہ صف باندھ کر بت بنے کھڑے رہتے چوبدار اور عصا بردار روپہلی علم ہاتھ میں لیئے دروازوں کے آگے کھڑے رہتے۔ شاہی تخت کے عین مقابل بخشی الملک سلطنت کا جھنڈا لیکر کھڑا ہوتا۔ اس موقع پر یہ ذکر کر دینا بھی خالی از دلچسپی نہ ہو گا کہ بادشاہ عام طور پر دیوان عام کے پچھلے دروازہ سے داخل ہوتا اور جونہی وہ جھروکہ درشن سے دیوان عام کا رخ کرتا۔ نقیب اور چوبدار اسکی آمد کا اعلان کرتے۔ اس وقت نقارہ پر چوٹ پڑتی۔ توپیں سر ہوتیں۔ اور بادشاہ شاہانہ تجمل و احتشام کے ساتھ دیوان عام میں داخل ہوتا۔ تمام امراء اور وزراء تعظیم کے لیئے جھک جاتے۔ بادشاہ تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوتا۔ امیر اور منصب دار نذریں پیش کرتے۔

آداب دربار

بادشاہ کا لباس عام طور پر سادہ اور سفید ہوتا تھا دربار میں نیلگوں کپڑے پہن کر آنے کی کلیتہً ممانعت تھی کیونکہ یہ ماتمی رنگ خیال کیا جاتا تھا۔ دربار میں موت کا لفظ استعمال کرنا یا زبان پر لانا بھی آئین دربار کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔ اگر کسی کی موت کی خبر سنانی ہوتی تو عام طور پر یہی کہا جاتا کہ اس نے اپنے آپ کو حضور پر قربان کر دیا ہے یا وہ حضور شہنشاہ پر تصدق ہو گیا ہے۔

اس موقع پر بادشاہ بہ نفس نفیس تمام مقدمات سنتا اور ان کا فیصلہ کرتا۔ وزیر اعظم اور بخشی الملک مختلف شعبہ جات کی رپورٹیں حضور معلیٰ میں پیش کرتے۔

منگل کے روز خاص طور پر ان لوگوں کے مقدمات پیش ہوتے جن سے سنگین جرم مثلاً سلطنت کے خلاف سازش۔ قتل یا غارت گری سرزد ہو چکے ہوتے۔ کیونکہ یہ دن مریخ کا خیال کیا جاتا تھا۔ اسی دن مجرموں کو پھانسی وغیرہ بھی دی جاتی تھی

نماز ظہر

اسکے بعد دربار نماز کے لیئے منتشر ہو جاتا۔ بادشاہ نماز باجماعت ادا کرتا۔

دیوان خاص

نماز کے بعد دیوان خاص میں چند خاص الخاص امیر جمع ہوتے۔ امور سلطنت پر بحث ہوتی۔ سادات اور دیگر حقدار لوگ بادشاہ کی حضور میں پیش ہوتے اور خائز المرام ہو کر واپس لوٹتے۔ امیروں کا نصب عزل بھی اسی جگہ عمل میں آتا۔

معائنہ فوج

جب یہ کام ختم ہو جاتا تو بادشاہ گھوڑوں۔ سواروں اور پیدل سپاہ کا معائنہ کرتا اس موقع پر اگر بادشاہ چاہتا تو بعض رسالوں کے کرتب بھی دیکھتا۔

نماز عصر اور جھروکہ درشن

اس کے بعد بادشاہ نماز عصر ادا کرتا اور ایک بار پھر جھروکہ درشن میں تشریف فرما ہوتا۔ لوگ اسکے دیدار سے مشرف ہوتے۔ اور "بادشاہ سلامت" کے نعروں سے اسکا استقبال کرتے۔ نماز مغرب کے قریب بادشاہ واپس لوٹتا۔ نقارہ پر چوٹ پڑتی۔ اور شادیانے وغیرہ بجنے شروع ہوتے۔ عوام کا شور و غل اور خوشی کے نعرے۔ نقاروں کی آواز۔ اور شادیانوں کی نغمہ پاشی سب مل جلکر فلک پیر کو ہلا دیتے۔

EARLY TRAVELS IN INDIA

صفحہ ۱۱۹، ۱۶۲، ۱۸۵، ۱۸۳، ۳۲۶۔

دیوان خاص

نماز مغرب کے بعد بادشاہ پھر دیوان خاص میں آتا اور رقص و سرود کی محفل گرم ہوتی۔ گانے کے بعد وزیر اور داروغہ ڈاک چوکی ممالک محروسہ کے اخبار اور کاغذات بادشاہ کی حضور میں پیش کرتے۔ بادشاہ انپر مناسب احکام نافذ کرتا۔ اس کے بعد علماء اور محقق کسی علمی بحث پر گفتگو کرتے جس میں جہانگیر خود بھی حصہ لیتا۔

اس موقع پر شعراء اپنے قصائد و غزلیات بھی پیش کرتے جنہیں بادشاہ نہایت توجہ سے سنتا اور بعض اوقات ان پر استادانہ تنقید بھی کرتا۔ اسکی تنقید اس قدر درست اور برمحل ہوتی کہ شعراء کو سر تسلیم خم کیئے بغیر نہ بنتی۔ اس قسم کی تنقیدات اس کی تزوک میں جابجا موجود ہیں اور آجتک اساتذہ فن سے خراج تحسین حاصل کر رہی ہیں۔

خواب گاہ

اس کے بعد بادشاہ اپنی خواب گاہ میں چلا جاتا۔ اور وہاں کچھ رام رنگی کا شغل کرتا۔

یورپ کے بے سروپا وقائع نگار یہ بات نہایت جوش و ادعا سے لکھتے ہیں کہ وہ یہاں اسقدر پیتا کہ بالکل مدہوش ہو جاتا۔ مگر جہانگیر کا اپنا بیان ہے کہ:۔

"جوانی کے عالم میں جبکہ میں ولیعہد تھا تو بیس بیس پیالے شراب دو آتشہ کے پی جایا کرتا تھا جب شراب کا اثر مجھ پر ہونا شروع ہوا تو میں نے کم کرنی شروع کی یہانتک کہ سات سال کے عرصہ میں یہ تعداد گھٹ کر پانچ پیالوں تک رہ گئی لیکن آجکل محض برائے گوارش طعام می خورم"۔

وسکے بعد بادشاہ کتب تواریخ و اخلاقیات کا مطالعہ کرتا۔ بسا اوقات قصہ خواں پس پردہ کھڑے ہوکر اسے گزشتہ واقعات اور سلف کی داستانیں یا تاریخ و سیر کی کوئی کتاب پڑھکر سُناتے

مناجات

جب جہانگیر کی طبیعت اس سے اُکتا جاتی تو وہ قصہ خواں کو روک دیتا اور خود با وضو ہو کر مندرجہ ذیل مناجات نہایت عاجزی و لجاجت کے ساتھ پڑھتا ؎

خداوندگارا توانگر توئی — توانا و درویش پرور توئی
نہ کشور کشایم نہ فرماں دہم — یکے از گدایان ایں درگہم
تو بر خیر و نیکی دہی دسترس — و گر نہ چہ خیر آید از من بکس
منم بندہ گان خداوندگار — خداوندرا بندہ حق گزار

یہی مناجات پڑھتا پڑھتا وہ سو جاتا۔

تعطیل

جمعہ کا دن عام تعطیل کا دن ہوتا۔ اس دن جہانگیر کا تمام وقت عبادات اور نیک کاموں میں صرف ہوتا۔ جمعہ کی شب کو وہ نہ تو شراب کے نزدیک جاتا اور نہ راگ رنگ کا شغل کرتا۔ چنانچہ اپنی توزک میں لکھتا ہے کہ:-

"پیش از بادشاہ شدن بیک سال بخود قرار دادہ بودم کہ در شب جمعہ مرتکب خوردن شراب نشوم از درگاہ الٰہی امید دارم تا حیات باقی باشد برایں قرار داد استقامت بخشد۔" (توزک جہانگیری صفحہ ۹)

اسی شب کو تمام علماء، صلحاء، گوشہ نشین اور درویش اور مرتاض اُسکی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اور بعض کی خدمت میں وہ خود جاتا۔ چنانچہ خود لکھتا ہے کہ:-

"در شب ہائے جمعہ با علماء و صلحا و درویشان و گوشہ نشینان صحبت می دارم۔" (توزک جہانگیری صفحہ ۹)

مُلکی دَورہ

جہانگیر کے متعلق یہ لکھ دینا بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ اُسکی مدت حکومت کا بیشتر حصہ ملک کے دورہ میں صرف ہوا وہ جس ملک اور جس مقام پر گیا وہاں کے حالات کی تحقیق کی اور اُس علاقہ کے تاریخی اور جغرافیائی حالات اس قدر بہم پہنچائے کہ زبردست سے زبردست مؤرخ اور جغرافیہ داں بھی اس پر ایک لفظ کا اضافہ نہیں کر سکتا۔ وہ نہروں کو پھلانگ کر عبور کرتا اور دریاؤں میں تیرتا۔ درختوں پر چڑھ کر تازہ میوے توڑ توڑ کر کھاتا۔ کبھی ماہی گیروں کی طرح جال کندھے پر ڈال کر دریا میں اُتر جاتا اور مچھلی کا شکار کھیلتا۔ کبھی مناظر قدرت سے حظ اٹھا کر درباری مصوروں کو ان کی تصویریں تیار کرنے کا حکم دیتا۔ اور کبھی پہاڑوں اور جنگلوں میں کسی عابد اور پرہیزگار قدسی منش ہستی کی تلاش میں مارا مارا پھرتا۔

یہ اُس کا معمول زندگی تھا اور اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ مجلس عیش بھی برپا کرتا تھا مگر اس قدر محنت اور کام کے بعد اگر وہ چند گھڑیاں عیش و عشرت میں بسر کرتا تو اس میں عیب کی کونسی بات ہے؟ یورپ کے مدبرین کا بھی آجکل یہی معمول ہے اگر اسی کا نام عیش پرستی اور سیاہ مستی ہے تو ہمارے مورخین کو تمام جہان کے خلاف بھی فتوے لگانا چاہیئے۔ ایسے انصاف و دیانت کے ہوتے ہوئے بھی جہانگیر کو بدمست، عیش پرست اور مست لایعقل کہنا اور یہ لکھنا کہ وہ جو کچھ دیکھتا تھا یا جو کچھ کرتا تھا ملکہ نورجہاں کے اشارہ پر کرتا تھا۔ کج بینی اور تعصب نہیں تو اور کیا ہے؟ امید ہی ہمارے وہ حریف جو جہانگیر کو طرح طرح کے الزامات کا مورد ٹھیراتے ہیں متذکرہ بالا واقعات سے سبق حاصل کرینگے

اور انصاف و حق پرستی سے کام لیکر اس عادل بادشاہ کے متعلق اپنی رائے قائم کرنے میں زیادہ وسعت نظر اور فراخ مشربی کا ثبوت دیں گے۔

شہاب الدین شاہجہاں

عبادتِ صبح

شاہ جہاں طلوع آفتاب سے چار گھڑی پیشتر بستر استراحت سے اُٹھتا اور حوائج ضروریہ سے فارغ ہوکر غسل کرتا۔ اسکے بعد نہایت خضوع و خشوع کے ساتھ نماز تہجد ادا کرتا۔ پھر قبلہ رو ہوکر قرآن حکیم کی تلاوت میں مشغول ہو جاتا۔ اتنے میں نماز فجر کا وقت آجاتا۔ موذن کی بیدار کن اذان اسے اس استغراق کے عالم سے چونکاتی۔ وہ سنت موکدہ ادا کرنیکے بعد محلات کی مسجد میں جماعت کے ساتھ فریضہ نماز ادا کرتا۔ اسکے بعد اوراد و وظائف میں مشغول ہو جاتا۔ بادشاہ نامہ کا فاضل مصنف ملا عبدالحمید لاہوری بادشاہ نامہ جلد اول صفحہ ۱۴۴ مطبوعہ کلکتہ میں اس طرح لکھتا ہے کہ:-

"پیش از بامداد بدو ساعت نجومی از خواب عبادت انتساب برآمدہ بوضو می پردازند۔ در آغاز صبح صادق سنت موکدہ گذاردہ تا رسیدن ہنگام مستحب صلوٰۃ فرض رو بقبلہ مرادات در کمال تخشع و استکانت نشستہ به اوراد و ادعیہ مشغول می شوند۔ پس ازاں، فرض را بہ خلوص نیت و حضور قلب و تعدیل ارکان در نہایت تضرع و ابتہال ادا نمودہ بوظائف مقررہ می پردازند۔"

عالمگیر کا بیان

اسی ضمن میں محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کا بیان بھی پیش کیا جاتا ہے جو امور متذکرہ صدر کی اور بھی توضیح و تشریح کر دیتا ہے:-

"خود بدولت بنفس نفیس چار گھڑی آخر شب از خواب برآمدہ باکتسار توفیق وضو کردہ به اوراد و وظائف می پرداختند و پیش از صبح صادق بعد بانگ صلوٰۃ بہ جماعت فضلا نماز صبح ادا کرد۔"

(رقعات عالمگیری مطبوعہ کانپور صفحہ ۵۰)

درشن

طلوع آفتاب کے بعد ظل اللہ کا پہلا کام یہ ہوتا تھا کہ وہ اپنی رعایا کو درشن سے مشرف کرے۔ لوگ ہزاروں کی تعداد میں جھروکہ درشن کے نیچے جمع ہوتے تھے اور اپنے ولی نعمت کے دیدار سعادت آثار سے بہرہ یاب ہوتے۔ بادشاہ وقت مقررہ پر جھروکہ درشن میں آتا۔ تمام رعایا اُسے دیکھکر تعظیماً جھک جاتی۔ بادشاہ نہایت خندہ پیشانی سے اپنی پیاری رعایا کے سلام نیاز کا جواب دیتا۔

بادشاہ پرست برہمن

سب سے تعجب انگیز بات یہ ہے کہ اس وقت برہمنوں کی ایک ایسی جماعت بھی پیدا ہوگئی تھی جو بادشاہ وقت کا درشن اپنے لیئے عبادت اکبر خیال کرتی تھی۔ وہ موسمی تغیرات و تبدلات کی پروا نہ کرتے ہوئے ہر روز بادشاہ کا درشن کرنا فرض خیال کرتی تھی۔ اس جماعت کے افراد جب تک بادشاہ کا درشن نہ کر لیتے اُس وقت تک نہ تو کھانا کھاتے اور نہ ہی کسی اور کام کو ہاتھ لگاتے تھے۔

اس جماعت کو مورخین نے "درشنی" کے نام سے موسوم کیا ہے۔

(خافی خاں جلد دوم)

جنگ فیلاں

ان امور سے فارغ ہو چکنے کے بعد بادشاہ ہاتھیوں کی لڑائی میں شریک ہوتا۔ وہ ایک بلند چبوترے پر اقامت گزیں ہوتا۔ اسکے نیچے افسران فوج، منصب داران والا تبار، شہزادگان والا مرتبت اور شاہی فوج کا ایک خاص حصہ صف باندھ کر کھڑا ہوتا۔ ہاتھیوں کے پانچ چار جوڑ چھوڑے جاتے۔

اورنگ زیب کی ہاتھی سے لڑائی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ شاہ جہاں فیلان کوہ تمثال کی لڑائی دیکھ رہا تھا۔ ایک ہاتھی اپنے حریف کو شکست دیکر فوج شاہی پر ٹوٹ پڑا۔ تمام اہل فوج یہ منظر جاں گسل دیکھکر ہراساں ہوگئے اور جان بچانیکے لیئے اِدھر اُدھر بھاگ نکلے۔ عالمگیر جو اُس وقت چودہ سال کا تھا نہایت استقلال و استقامت سے اپنی جگہ پر جما رہا۔ ہاتھی اسکی طرف جھپٹا۔ شہزادہ جوش تہور سے بے قابو تو آگے ہی ہو رہا تھا اب بالکل آپے سے باہر ہوگیا۔ اُس نے تاک کر اُس کی پیشانی میں برچھا مارا۔ ہاتھی اور بھی بھڑک اُٹھا۔ اور اُس نے شہزادے کو گھوڑے سمیت اپنی سونڈ میں اٹھا کر دور پھینک دیا۔ عالمگیر لوٹ پوٹ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور بڑھکر تلوار سے پے در پے حملے کیئے اور اُسکو مار بھگایا۔ اِس معرکہ کی تفصیل تمام کتب تواریخ میں موجود ہے۔

ملک الشعراء دربار کا بیان

ابو طالب کلیم ہمدانی ملک الشعرائے دربار شاہ جہانی بھی اس موقع پر موجود تھا۔ اس نے یہ واقعہ نظم کیا ہے۔ چند اشعار قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیئے جاتے ہیں ؎

صباحے شہنشاہِ گیتی فروز — شہ معدلت گستر و ظلم سوز
بدرشن برآمد چو خور بر سپہر — جہاں از رخش غرق انوار مہر
خلائق چو بعد از زمیں بوس شاہ — گرفتند در خورد خود جایگاہ
بہ فیلان جنگی چو نوبت رسید — دراں عرصہ آمد قیامت پدید
فتادند فیلان جنگی بہم — پئے جنگ خرطوم ہا شد علم
دو پیل از قضا زاں دو فیل مہیب — پئے سوئے شہزادہ اورنگ زیب
بہ مردی زجا یکسر مو نہ شد — زراہ چنیں سیل یکسو نہ شد
یکے نیزہ برق ساں تافتہ — نظر از رگِ غیر تش باختہ
ز قدرت چناں زد بہ پیشانیش — کہ جست از قضا برق افشانیش
دراں کوہ پیکر نہاں شد سنال — دگر بار ور رفت آہن بہ کاں
ز خرطوم انداخت پیچاں کمند — فتاد اسپ شہزادہ در پیل بند
گرفت اسپ شہزادہ بر روی سوار — ز بیم آب شد زہرۂ روزگار
بر افشرد بر اسپ میداں کمیں — برآمد خروش از زمان و زمیں
چو در اسپ سامان جولاں ندید — چو شہبازے از خانہ زیں پرید
ہماں دم کہ برخاک پا را فشرد — رواں دست جرأت بہ شمشیر برد
علم کرد شمشیر زبردست و دوید — کزاں سوئے فیل غنیمش رسید
چو بنمود پسندیدہ پردلاں — کہ گیرد یکے را دو تن درمیاں
زروئے مروت ازو دست داشت — بہ یکبار فیل غنیمش گذاشت

فوجوں کا معائنہ

ہاتھیوں کی لڑائی سے فارغ ہو چکنے کے بعد بادشاہ جنگی رسالہ اور پلٹنوں کا معائنہ کرتا۔ بسا اوقات وہ مصنوعی جنگ بھی کراتا تا کہ سپاہیوں کے اصلی جوہران سے معدوم نہ ہو جائیں۔ معائنہ کے وقت افسران فوج اسکے ہمرکاب ہوتے تھے۔ وہ ہر ایک حصہ فوج کی اصلی طاقت کا نقشہ بھی حضور معلی میں پیش کرتے جاتے تھے۔ بادشاہ نہایت غور و تعمق سے فوج کے اسلحہ اور سازو سامان کو

بھی دیکھا جاتا اور اصلاح طلب امور فوجداروں کے گوشگذار کر دیتا۔

دیوان عام

معائنہ فوج کے بعد بادشاہ سیدھا دیوان عام میں تشریف فرماتا ہوتا۔ اکبر اعظم اور جہانگیر کے وقت میں دربار عام زرنگار خیموں میں منعقد ہوتا تھا۔ مگر شاہجہان کی نفاست پسند طبیعت نے یہ بات گوارا نہ کی۔ اسلیئے اس نے ۱۶۲۸ء میں دربار عام کیلیئے ایک عمارت بنوائی۔ چونکہ اس عمارت کی بنا رکھتے وقت فوری ضرورت کو مدنظر رکھا گیا تھا۔ اسلیئے یہ نہایت سادہ اور معمولی سی تھی۔ آخرکار ۱۶۳۱ء میں ایک نہایت رفیع الشان عمارت دربار عام کے لیے تعمیر ہوئی، یہ عمارت آج بھی آگرہ کے قلعہ میں موجود ہے۔ اس کا طول پچاس گز اور عرض سولہ گز ہے۔ آمد و رفت کے لیے اسمیں تین دروازے ہیں۔ فرش قالین سے مزین تھا۔ بادشاہ تخت پر جلوہ افروز ہوتا۔ دائیں بائیں شہزادگان عالی مقام کھڑے ہوتے۔ اور وہ اُس وقت تک کھڑے رہتے جبتک اُنہیں بیٹھنے کا حکم نہ دیا جاتا۔ چنانچہ مذکور ہے:۔

"بادشاہ زادہ ہائے عالیمقدار بر یمین و یسار می ایستند و ہرگاہ حکم می شود می نشینند"

(بادشاہ نامہ صفحہ ۱۴۵)

دربار عام کی کیفیت

دربار عام میں اُمرا اور وزرا اپنے اپنے مراتب کے لحاظ سے صف باندھکر کھڑے ہوتے۔ بادشاہ کے محافظ جان نثار (BODY GUARD) دائیں بائیں ستونوں کی طرف پیٹھ کر کے کھڑے ہوتے۔ محافظ جان عموماً وہ افراد مقرر کیے جاتے تھے جو بادشاہ کے نمکخوار اور پروردہ نعمت ہوتے تھے۔ اور جن کی جان نثاری، نمک حلالی اور وفاداری پر بادشاہ کو یقین ہوتا تھا۔ علمبردار شاہی بائیں جانب ایستادہ ہوتا تھا یہ بھی شاہی گارد کا فرد ہوتا تھا۔ تمام سلطنت میں علمبردار کی اسامی نہایت عزت اور حرمت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی۔

بادشاہ عام طور پر بائیں دروازے سے دربار عام میں داخل ہوا کرتا تھا۔ تخت شاہی کے اوپر سورج کی حدت اور حرارت کو روکنے اور تقاطر ابر کے بچاؤ کے لیے زرنگار سائبان آویزاں کی جاتی تھیں۔ چنانچہ بادشاہ نامہ میں لکھا ہے کہ:۔

"ازیں مقام کرامت انتظام بہ جہروکہ دولتخانہ خاص و عام کہ در کمال زینت و صفا است و بالائے آں برائے پناہ آفتاب و باران ایوانے از پارچہ برپا می گردد وزیر آں قالینہا فرش شدہ تشریف می فرمایند۔"

(ایضاً صفحہ ۱۴۵)

اُمراء و اکابر کی پیشی

بخشی بادشاہ کی خدمت میں افسران فوج اور دیگر عہدیداران لشکر کو درجہ بدرجہ پیش کرتا۔ سلطنت کے بڑے بڑے منصبداروں کی تقریب بھی بخشی ہی کی معرفت ہوتی تھی۔ ان امور سے فارغ ہوچکنے کے بعد مختلف عہدیداروں کی درخواستیں پیش ہونی شروع ہوتیں۔ بادشاہ اُنہیں نہایت غور و خوض سے سنتا اور اُن پر مناسب احکام نافذ کرتا جاتا۔ جب یہ کام پایہ اختتام تک پہنچ جاتا تو حاجب درگاہ باہر سے آئے ہوئے افسروں، منصبداروں اور جاگیرداروں کو خدمت شاہی میں پیش کرتا۔ مُلا عبدالحمید کا بیان ہے کہ

"و برخے کہ از صوبہ جات و اطراف ممالک بدرگاہ عرش اشتباہ می آیند بسعادت ملازمت مستعد میشوند" (صفحہ ۱۴۶)

کاغذات سپاہ

اس کے بعد توپ خانہ کا افسر اعلیٰ یعنی میر آتش توپ خانہ اور اس کی متعلقہ فوج کے کاغذات وزیر اعظم کی معرفت بادشاہ کی حضور میں پیش کرتا۔ ان کاغذات میں سپاہیوں کی ترقی و تنزل۔ سامان کی بہم رسانی اور افواج کی تربیت کے متعلق تجاویز مندرج ہوتی تھیں۔ انہیں کاغذات میں مستحقین کیلئے مختلف رعایات کی سفارشات بھی مندرج ہوتی تھیں۔ توپ خانہ کے سپاہیوں کے وظائف، اُن کے بچوں کی نگہداشت، رشتہ داروں کی پرورش کے امور بھی اسی طرح سے پیش حضور ہوتے۔ بادشاہ اُنپر بھی مناسب حکم نافذ کرتا۔ ان امور سے فراغت پا چکنے کے بعد شاہی جاگیرات کے کاغذ میر سامان اور دیوان بیوتات کے توسل سے پیش ہوتے۔ ان کاغذات کے ساتھ ہی ان جاگیروں کی آمدنی کے صحیح مصرف کی تجویزیں بھی عرض کی جاتیں۔ زاں بعد بادشاہزادگان عالیمقدار، حکام صوبجات۔ فوجداران بلند پایہ۔ دیوانان عالی قدر اور بخشیان والا جاہ کے عرائض بھی متصدیان درگاہ کی معرفت پیش ہوتے۔ خاص الخاص عمائد سلطنت کے کاغذات بادشاہ بہ نفس نفیس مطالعہ کرتا۔ اور اُنپر اپنے دستخط خاص سے حکم چڑھاتا۔

ممالک محروسہ کی رپورٹ

اس کے بعد صدر کل ممالک محروسہ کی ایک مکمل و مجمل رپورٹ دربار شاہی میں پڑھتا۔ اس رپورٹ میں زیادہ تر زور اس بات پر دیا جاتا تھا کہ حقداروں کے حقوق تلف نہ ہوں۔ مساکین پر ظلم نہ کیا جائے۔ اسی رپورٹ میں سادات و مشائخ۔ فضلا و صلحا کے لیے وظائف کی سفارش بھی کی جاتی تھی۔ شاہجہان اسے نہایت توجہ سے سنتا اور مناسب حکم صادر فرماتا۔ کسی کو جاگیر عطا ہوتی اور کسی کو نقدی۔ کسی کا وظیفہ مقرر ہوجاتا اور کسی کا روزینہ۔ وظائف اور جاگیروں کی تقسیم میں علما اور فضلا کے حقوق کی نگہداشت خوب کی جاتی تھی۔ اسکے بعد اصطبل، فیل خانہ۔ اشتر خانہ اور شتر خانہ کا معائنہ کیا جاتا۔ ہر ایک کی خوراک اور روزینہ پر غور کیا جاتا۔ جانوروں کی بیماریوں کے اسباب و علل پر سوال کیے جاتے اور بسا اوقات بادشاہ کے سامنے آئین داغ بھی عمل میں آتا۔ اگر کسی کا گھوڑا کمزور ہوتا یا کوئی سواری لاغر ہوتا تو وہ جاگیردار مورد عتاب شاہی بنتا۔

عالمگیر کا بیان

یہ کام تقریباً پانچ گھڑی تک جاری رہتا۔ عالمگیر اپنے رقعات میں رقمطراز ہے کہ:۔

"بعد بر آمدن چہار گھڑی دیوان عام می فرمودند و دراں مجلس جمیع منصبداران جزو کل بار میجرایافتے دیوان اعلیٰ (وزیر اعظم) و میر بخشی تجویز اہل خدمات و حقائق حسن تردّدات و جانفشانی ناظمان و فوجداران و امینان و کروڑیان صوبجات بعرض رسانیدہ و ذہن امید ہرکدام بانجاح مرام پرداختہ و دیگرے دیگراں می نمودند۔ و بعد ملاحظہ معتاد اسپاں و فیلاں خاصہ یک پاس و دو گھڑی روز بر آمدہ از دیوان عام بدیوان خاص رونق می بخشیدید۔"

(رقعات عالمگیری صفحہ ۶۔ و بادشاہ نامہ صفحہ ۱۴۶ و ۱۴۹)

دیوان خاص یا غسل خانہ

بادشاہ دیوان عام اور اصطبل کے معائنہ سے فارغ ہوکر سیدھا دیوان خاص میں جلوہ افروز ہوتا۔ یہاں پر وہ بعض ضروری درخواستوں کا جواب اپنے قلم سے لکھتا۔ چنانچہ ایک مورخ لکھتا ہے،

"و دریں جا جواب بعضے عرائض ضروریہ بخط مبارک می نویسند" (ملا زاہد و لالہ بھگوانداس)

اور بعضوں کا جواب وکیل یا دبیر یا وزیر سے لکھواتا چنانچہ وہ سب سے پہلے جواب کا مسودہ تیار کرتے۔ پھر اسے بادشاہ کی خدمت میں پیش کرتے۔ بادشاہ اسمیں مناسب اصلاح کر دیتا۔ بادشاہ نامہ کا فاضل مصنف رقمطراز ہے کہ:۔

"اگر غلطی در عبارت یا سہو و نسیاں در مطالب رفتہ باشد اصلاح می فرمایند"

(بادشاہ نامہ صفحہ ۱۴۸)

فرامین شاہی

شہزادے اپنے اپنے علاقوں اور جاگیروں میں بھی اسی طرز پر عمل پیرا ہوتے۔ اسکے بعد یہ فرمان مُہر شاہی سے مزین ہونے کے بعد حرم سرا میں بھیج دیئے جاتے۔ مہد علیا و ستر کبرا ملکہ ممتاز محل بیگم فرمان کو نہایت غور و خوض سے مطالعہ کرتیں۔ اور پھر اُنپر مُہر شاہی ثبت کر دیتیں۔

خیرات و انعامات

اس موقع پر بھی حقداروں کی تنخواہ اور وظائف کا معاملہ بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا جاتا جسپر مناسب کارروائی کیجاتی۔ زاں بعد خیرات کا روپیہ تقسیم ہوتا۔ اس کا بیشتر حصہ علماء۔ فضلاء مشائخ اور سادات کو عطا ہوتا۔ جب ان امور سے بھی فارغ ہوچکتے تو میر حاجب کے توسل سے ہندوستان اور ولایت کے کاریگر اپنی صنعت گری کے اعلیٰ ترین نمونے بادشاہ کی خدمت میں پیش کرتے۔ اس موقع پر نقاش اور مصور اپنی قلمکاریوں اور جادو طرازیوں کے شاہکار پیش کرکے انعام و افضال سے مالامال ہوتے۔

عمارات کے نقشے

جب یہ کام بھی ختم ہوجاتا تو پھر میر عمارت مختلف عمارات کے نقشے حضور اقدس میں پیش کرتے۔ شاہجہان کو عمارات سے دلی شغف تھا۔ اس لیئے وہ اس کا مطالعہ نہایت ذوق و شوق سے کرتا۔ اور ساتھ ہی ان نقشوں میں ترمیم اور مناسب اصلاح بھی کر دیتا۔ اکثر کتب سیر و تواریخ میں مذکور ہے کہ بہت سی عمارات کے نقشے شاہجہان نے خود تیار کیے تھے۔ بادشاہ نامہ کا فاضل مصنف ایک مقام پر لکھتا ہے کہ:۔

"اکثر منازل را بنفس نفیس طرح می فرمایند"

(صفحہ ۱۴۶)

نقشہ جات مناسب ترمیم کے بعد یمین الدولہ آصف خاں کے پاس بھیجدیئے جاتے اور وہ انکے اہتمام کا مناسب بندوبست کرتا۔

جانوروں کا معائنہ

اسکے بعد درندے اور پرندے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیے جاتے اور تھوڑا سا وقت گھوڑوں کے معائنہ میں صرف ہوتا۔ چابک سوار اس موقع پر اپنے ہنر دکھاتے۔ غرض چار پانچ گھڑی تک یہ تمام امور اختتام پذیر ہوتے۔

شاہ برج

دیوان خاص سے فارغ ہوچکنے کے بعد بادشاہ شاہ برج میں تشریف لاتا۔ اس جگہ سوائے خاص الخاص جاں نثاران سلطنت کے اور کوئی شخص باریاب نہیں ہوسکتا تھا۔ بادشاہ نامہ کا بیان ہے کہ:۔

"دریں بیت الشرف غیر بادشاہ و شہزادہ ہائے کامگار و بخت بیدار و چندے از محرمان بساط قرب ہیچ کس بے دستورے راہ ندارد۔ حتیٰ خدمتگاران کہ ایشاں نیز بے طلب در نمی آیند و بآں خدمت

فیام دارند تو قف می گزینند۔" (صفحہ ۱۵۰)

مہمات سلطنت کا انصرام

یہاں سلطنت کے نہایت ضروری معاملات صورت پذیر ہوتے۔ اور سلطنت کی مہمات ملکی و مالی جن کا بھرے دربار میں انصرام پذیر ہونا سیاسی نکتہ نظر سے نہایت معیوب بلکہ مضرت رساں ہوتا تھا۔ طے ہوتی تھیں۔ مہمات سے فارغ ہو چکنے کے بعد وہ ضروری کاغذات جو دیوان خاص میں پیش ہونے سے رہ جاتے بادشاہ کی حضور میں پیش ہوتے۔ چنانچہ ملا عبدالحمید کا بیان ہے:۔

"آنچہ از مطالب ضروریہ خالصہ و طلب و تنخواہ ارباب مناصب در دولت خانہ خاص بعرض نرسیدہ باشد۔ نذیر درین جا معروض داشتہ بانجام مے رسانند۔" (صفحہ ۱۵۰)

اس جگہ دو تین گھڑی تک قیام ہوتا۔

محل سرائے

دوپہر کے وقت بادشاہ مشکوئے اقبال میں تشریف فرما ہوتا۔ سب سے اول نماز ظہر با جماعت ادا کرتا۔ پھر ورد و وظائف میں مشغول ہوتا۔ اور اسکے بعد خاصہ تناول فرماتا۔ کھانا کھا چکنے کے بعد تقریباً ایک گھنٹہ تک استراحت کرتا۔ اتنے میں ملکۂ ممتاز الزماں تشریف لاتیں اور غریب بیواؤں۔ یتیم بچوں۔ اپاہج عورتوں۔ مفلس اور نادار لڑکیوں میں خیرات تقسیم کرتیں۔ اتنے میں نماز عصر کا وقت ہو جاتا۔ بادشاہ نماز با جماعت ادا کرنے کے بعد دیوان عام میں تشریف لاتا۔ تمام عمائد سلطنت تسلیم اور مجرا بجالاتے۔ بعض ضروری درخواستیں اور واقعات کی کیفیت بادشاہ کے سامنے پیش کی جاتی۔ وہ اُنپر مناسب حکم نافذ کرتا۔ اتنے میں نماز شام کا وقت ہو جاتا۔ بادشاہ علماء صلحاء۔ اور امراء کی معیت میں دیوان خاص میں نماز با جماعت ادا کرتا۔ ملا عبدالحمید لکھتا ہی کہ:۔

"ہمیشہ بر وقت سعادت نماز شام را در دولت خانۂ خاص بجماعت ادامی فرمایند۔" (صفحہ ۱۵۱)

امور ملک داری

نماز سے فارغ ہو چکنے کے بعد بادشاہ نشیمن فردوس آئین میں تشریف فرما ہوتا۔ نصف گھڑی تک مہمات ملکی و مالی پر بحث ہوتی۔ اسکے بعد نصف گھنٹہ تک بادشاہ گانا سُنتا۔ اگر مہمات کی کثرت ہوتی تو یہ وقت بھی اُنہی میں صرف کر دیا جاتا تھا۔ پھر علماء فضلاء کے ساتھ کسی مبحث علمیہ پر گفتگو ہوتی۔ شاہ جہان نہایت جوش کے ساتھ اس میں حصہ لیتا۔ جب نماز عشاء کا وقت آتا تو بادشاہ نماز ادا کرتا۔ پھر شاہ برج میں تشریف لے جاتا۔ وہاں سب سے اول دن بھر کا باقی ماندہ کام کرتا۔

مشاغل خوابگاہ

اس سے فرصت پانے کے بعد محل خاص میں آکر طعام تناول کرتا۔ پھر مجلس نغمہ برپا ہوتی جو تین گھڑی تک جاری رہتی۔

اسکے بعد بادشاہ خواب گاہ میں تشریف لے جاتا۔ جہاں "خوش خوانان شیرین بیان کتب سیر و تواریخ سے احوال انبیاءؑ و اولیاءؒ و وقائع سلاطین سابقہ و حوادث خواقین سابقہ کہ سعادت مندان ہنر پیشہ را تذکرۂ بیدار ریست و بیدار بختان روشن ضمیر را تبصرۂ ہوشیاری خصوصاً ظفرنامہ۔ واقعات بابری۔ حبیب السیرۃ۔ اکبرنامہ وغیرہ می خوانند۔" (صفحہ ۱۵۳)

آدھی رات کے بعد بادشاہ خواب استراحت میں مشغول ہوتا۔ متذکرہ بالا پروگرام پر سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہو جاتے گا کہ بادشاہ دن رات میں فقط دو پہر آرام کرتا تھا۔ چنانچہ مذکور ہے:۔

"ہمگی اوقات خواب عبادت انتساب قریب بدو پہر است۔" (صفحہ ۲ و ۳)

دربار عدل

بدھ کا فقط دربار عدل کے لیے وقف ہوتا تھا۔ باقی تمام کاروبار اس دن بند رہتے۔ داد خواہ بلا روک ٹوک دربار عدل میں حاضر ہوتے۔ بادشاہ جھروکہ درشن سے سیدھا دیوان خاص میں آتا۔ اور تخت عدل پر جلوہ افروز ہوتا تھا۔ اور داد خواہوں کی فریاد اچھی طرح سے سنتا اور انہیں دولت عدل و انصاف سے شادکام کرتا۔ اس موقع پر یہ بات بھی قابل ذکر ہوتی کہ ایک ادنیٰ غلام اگر کسی اعلےٰ افسر کے خلاف شکایت کرتا تو اسکی تحقیق و تفتیش بادشاہ بہ نفس نفیس کرتا۔

یوم تعطیل

جمعہ کا تمام دن ممالک محروسہ میں تعطیل کا دن ہوتا تھا۔ شاہجہان لکثر اوقات سر دربار کہا کرتا تھا کہ:۔

"اوقاتے کہ بداد گستری و خلق پروری و انجام مہام جہانیاں و قضائے حوائج محتاجان و اندوختن اسباب رضائے الٰہی و ادائے حق نعمت پادشاہی سپہر تمام بر حیف باشد کہ بران کوتاہ بینان ناسپاس تن پروران حق ناشناس بخواب غفلت مصروف گردانیدہ شود۔"

محی الدین عالمگیر

عالمگیر اعظم اپنی گوناگوں مصروفیتوں کی وجہ سے اپنے تمام آباؤ اجداد سے بازی لے گیا ہے وہ دن رات کام کرتا تھا اور کسلمندی کے نام سے محض ناواقف تھا۔ اس کا سارا سارا دن رعایا پروری میں بسر ہوتا تھا۔ اور رات خالق اکبر کی عبودیت کے اقرار میں۔ مغربی سیاحین اُس کی مصروفیتیں نہایت تعجب انگیز نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ ڈاکٹر جیملی کریری نے اسے ۷۸ برس کی عمر میں دیکھا۔ وہ اس کی مصروفیت پر حیران ہو کر اس کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہی:۔

"وہ صاف و سفید ململ کی پوشاک پہنے ہوئے عصا کے پیری کے سہارے امیروں کے جھرمٹ میں کھڑا تھا۔ اسکی پگڑی میں زمرد کا ایک بڑا نگ لگا ہوا تھا۔ داد خواہوں کی عرضیاں لیتا تھا۔ اور انہیں بلا عینک پڑھ کر خاص اپنے ہاتھ سے دستخط کرتا جاتا تھا۔ اُسکے ہشاش و بشاش چہرے سے صاف مترشح ہوتا تھا کہ وہ اپنی مصروفیت سے نہایت شادان و فرحاں ہے۔"

(تاریخ ہند از مسٹر الفنسٹن اردو صفحہ ۱۳۳)

صبح

عالمگیر صبح صادق کے طلوع سے پیشتر خواب شیریں سے بیدار ہوتا۔ حوائج ضروریہ سے فارغ ہو کر غسل کرتا۔ پھر وضو کر کے نوافل ادا کرتا وہاں اُٹھکر دیوان خاص کی مسجد میں آتا اور قبلہ رو ہو کر منتظر صلوٰۃ ہوتا کہ مؤذن کی اذان مشکوئے معلّیٰ کے تمام خوابیدگان کو بیدار کر دیتی۔ وہ سنت مؤکدہ ادا کرتا۔ پھر اتنے میں محلات کے خواجہ سرا لونڈیاں مسجد میں جمع ہو جاتیں۔ سب ملکر نماز با جماعت ادا کرتے۔ عالمگیر نماز ادا کرنے کے بعد سب سے اول قرآن پاک کی تلاوت کرتا اور بعد ازاں حدیث کے مطالعہ میں مشغول ہو جاتا۔

خلوت گاہ

چاشت کے وقت مسجد سے نکلکر خلوت گاہ میں آتا۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

"تا چاشت گاہ باین امور مشغول می باشند و بعد از فراغ قرین بخت و سعادت و کامیاب فیض عبادت از آں معبد ہمایوں برآمدہ بخلوت گاہ عزو جاہ کہ نشیمن خاص آں خدیو خدا آگاہ است شرف قدوم می بخشند۔" (عالمگیر نامہ کاظم شیرازی)

اس وقت چند امرائے معتبر اور مقربان خاص حاضر ہوتے اُن کی تقریب حضور معلیٰ میں کرائی جاتی۔ وہ سب ایک ایک کر کے مجرا بجالاتے۔ بادشاہ عدل پرور جلوہ گستر ہوتا۔ عدالت کے داروغے مظلوموں اور داد خواہوں کو ایک ایک کر کے بادشاہ کے روبرو لاتے۔ ان داد خواہوں میں کثرت ان لوگوں کی ہوتی تھی جو دور دراز مقامات کی مسافت طے کر کے دارالخلافے میں آئے ہوئے تھے۔ بادشاہ انکی درخواستیں خود پڑھتا تھا۔ اور مقدمات کے انفصال میں امیر و غریب اور آقا و غلام میں مطلقاً فرق و امتیاز نہ رکھتا تھا۔

لین پول کا بیان

ڈاکٹر لین پول اپنی مشہور کتاب اورنگ زیب میں لکھتا ہی کہ:

"مغل اعظم ہی قاضی اعظم ہے۔ پنچ تلے انصاف سے عموماً فیصلے تجویز کرتا ہے۔ اُسکی حضور میں دولت و ثروت اور امارت کی کوئی پیش نہیں جاتی۔ اور ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کی بات اسی مستعدی سے سنتا ہے جس طرح بڑے بڑے امیروں کی۔"

وہ مقدمات کی تحقیق و تفتیش بہ نفس نفیس کرتا تھا۔ وہ مجرموں کی سزا و جزا میں قوانین شرعی سے کام لیتا تھا۔ ہاں بعض بعض معاملات میں وہ قوانین عرفی کو بھی کام میں لاتا تھا۔

داد خواہوں کی جو جماعت مفلسی کی وجہ سے ارباب ظلم کے خلاف چارہ جوئی نہیں کر سکتی تھی۔ ان کو خزانہ عامرہ سے معقول رقم اس غرض کے لیے دی جاتی تھی۔ بسا اوقات اُن کو اپیل کرنے کے لیے بھی رقم خطیر عطا کی جاتی تھی۔ چنانچہ عالمگیر نامہ میں مذکور ہے:۔

"و از ارباب تظلم و استغاثہ جمعے کہ دلائل مسکنت و اضطرار و شمائل احتیاج و افتقار از چہرۂ احوال شان نمودار باشد از خزانۂ احسان بیکران دامن امیا بہ نقد مقصود آمودہ فیض اندوز و فضل و مکرمت می گردند۔" (مآثر عالمگیری)

بے لاگ عدل

اس کے دربار میں کسی کو روک ٹوک نہ ہوتی۔ ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی جو چاہتا تھا کہتا تھا۔ اور عالمگیر نہایت توجہ سے سنتا تھا اس کے عدل و انصاف کے بے شمار افسانے مشہور ہیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میرزا کام بخش کے کوکہ پر قتل کا الزام عائد ہوا۔ عالمگیر نے حکم دیا کہ عدالت میں اسکی تحقیق و تفتیش کی جائے۔ اور دوران تفتیش میں اسے زیر حراست رکھا جائے۔ میرزا کام بخش[۵۱] کو جب اس بات کا پتہ چلا تو وہ اسکی حمایت میں اُٹھ کھڑا ہوا۔ عالمگیر کو بھی اسکا علم ہو گیا۔ اس نے میرزا کام بخش کو دربار میں طلب کیا۔ کام بخش اپنے کوکہ کو بھی ساتھ لایا۔ اور اُس نے صاف طور پر کہدیا کہ وہ اس کو ایک منٹ کے لیئے بھی جدا کرنا نہیں چاہتا۔ عالمگیر نے حکم دیا کہ دونوں کو حراست میں لے لیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی عمل میں آیا۔"

(اقبال نامہ عالمگیری)

۵۱ کام بخش عالمگیر کا چہیتا فرزند تھا ۱۲ (ایڈیٹر)

بے لوث زندگی

اس قدر سختی اور پابندی کے باوجود بھی اس طول و طویل حکومت میں کوئی ظالمانہ فعل اس سے سرزد نہیں ہوا۔ چنانچہ ڈاکٹر لین پول لکھتا ہے :-

اُس کی پنجاہ سالہ حکومت کے طویل و طویل عرصہ میں اس سے ایک بھی ظالمانہ فعل سرزد نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ ہندوؤں کے ستانے میں بھی جو اسکی دین داری کا ایک جزو تھا۔ سب کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس سے کوئی فعل خلاف انصاف روپذیر نہیں ہوا۔"

معائنہ فوج

حکومت گاہ سے فارغ ہو کر وہ خراماں خراماں خواب گاہ میں جلوہ ریز ہوتا۔ رعایا کا ایک جم غفیر جھروکہ درشن کے نیچے اُسکے دیدار کے لیئے سراپا اشتیاق اور تصویر شوق بن کر کھڑا ہوتا۔ وہ وقت مقررہ پہ جھروکہ درشن میں "فروغ بخش رعایا" ہوتا۔

درشن ایک دیرینہ رسم تھی۔ اورنگ زیب نے ۱۰۷۸ھ تک اس پر عمل کیا۔ اسکے بعد اس نے حکماً اسے بند کر دیا جس کی وجہ یہ تھی کہ عوام کی ایک جماعت خوش اعتقادی کے جوش میں آ کر اس کی پرستش کرنے لگی تھی۔ اور ساتھ ہی ایک جماعت ایسی بھی پیدا ہو گئی تھی جو اس کا درشن کیے بغیر کھانا پینا مطلق حرام سمجھتی تھی یہ تمام باتیں شریعت کے رو سے ممنوع تھیں۔ اس لیئے اُس نے نہایت سختی سے اس کی بندش کا حکم دیا۔ چنانچہ خافی خاں کا بیان ہے :-

در زمان بادشاہان سلف بنہایت آں سال جھروکہ درشن مقرر بود کہ بادشاہ باوجود عارضہ بدنی برائے جمنا سے اکبر آباد و شاہجہان آباد ساختہ بودند سر از جھروکہ برمی آوردند سوائے امرائے مجرائی آں وقت عینادی یک انبوہ از زن و مرد سے ہمہ قوم پائے جھروکہ فراہم آمدہ و عاد شاہ بجامی آوردند و بسیارے از قوم ہنود بودند۔ بدرشن مشہور یعنی تا صورت بادشاہ را در پائے جھروکہ درشن نمی دیدند بہ ہیچ چیز از ماکولات در دہن نمی انداختند آں خسرو دیں پرور آں را نیز از جملہ ممنوعات نا شرع دانستہ در پائے جھروکہ نشستن و خوف نمودہ حکم منع فراہم آمدن آں انژدہام فرمودند

(خافی خاں جلد دوم)

اسی وقت بادشاہ فوج کا معائنہ بھی کرتا اور اس جماعت کی بھی اچھی طرح دیکھ بھال کرتا جو نماز جمعہ کے جلوس میں اس کے ہمرکاب ہوتی تھی۔

جنگ فیلاں

اس وقت ہاتھی بھی پیش ہوتے بعض اوقات بادشاہ کے اشارہ پہ ہاتھیوں کی لڑائی بھی کرائی جاتی چنانچہ کاظم شیرازی کا بیان ہے :-

"و بعضے اوقات بہ اشارہ معلے فیلان کوہ تمثال فلک شکوہ سیاہ مستے بارہ جنگجوئی و عربدہ خوئی بخشتہ باشند از یک زنجیر تا پنج زنجیر بقدر خواہش طبع اقدس دراں میدان وسیع جنگ اندازند"۔ عالمگیر نامہ)

اسی وقت داروغہ فیل خانہ نو گرفتار ہاتھی حضور معلے کے معائنے میں لاتا۔ اور ان ہاتھیوں کی قواعد بھی دکھلاتا۔ جو لڑائی کے لیئے سدھائے جاتے تھے۔

دیوان عام

اس کے بعد دربار منعقد ہوتا اس میں سلطنت کے امور عامہ اور ترقی و تنزل کے مراتب طے ہوتے۔ اس کا پروگرام بجنسہٖ وہی تھا جو شاہجہان کے پروگرام میں بیان ہو چکا ہے۔ یہ کام کوئی دو گھنٹہ میں اختتام پذیر ہوتا۔

دیوان خاص

گیارہ بجے کے قریب بادشاہ دیوان خاص میں جلوہ گر ہوتا یہاں سلطنت کے خاص اُمور اور دینی و دنیوی معاملات سرانجام پذیر ہوتے۔ حاجب کے ذریعہ سے اُمراء وزراء۔ خدام حشم خاص چوکی کے آدمی علمبردار۔ متصدی۔ اور امیر ایک ایک کر کے باریابی کا شرف حاصل کرتے۔ وزیر اعظم صوبوں کی رپورٹوں کا خلاصہ پیش کرتا اور عالمگیر اُن پر مناسب احکام جاری کرتا۔ بعض معاملات میں وہ وزراء کو ہدایات دیتا۔ اور وہ اس کے بموجب فرمان تیار کر کے بادشاہ کی خدمت میں کرتے۔ وہ انہیں پڑھتا اور مناسب ترمیم کے بعد انہیں صاف کرواتا۔ اور پھر اپنے دستِ خاص سے مُہر ثبت کرتا اکثر فرامین وہ لکھا کرتا۔ چنانچہ فیاض القوانین میں بیشتر فرامین اسکے اپنے لکھے ہوئے موجود ہیں۔

حرم سرا

دوپہر کے وقت وہ حرم سرا میں داخل ہوتا۔ کچھ عرصہ آرام کرنے کے بعد طعام تناول کرتا۔ پھر ایک گھنٹہ کے لیئے استراحت گزیں ہوتا۔

نماز ظہر

بیدار ہو کر غسل کرتا۔ پھر وضو کر کے مسجد میں نماز کے انتظار میں جا بیٹھتا۔ عین وقت فضلاء، علماء، صلحاء، فقراء، سید، شیخ اور اُمراء کے ساتھ نماز با جماعت ادا کرتا۔

غسل خانہ

نماز سے فارغ ہونے کے بعد بادشاہ غسل خانہ میں جلوہ افروز ہوتا۔ یہ مقام حرم سرائے اور دیوان خاص کے درمیان واقع تھا یہاں سلطنت کے اہم ترین اور پُر پیچ معاملات طے ہوتے تھے۔ اُن سے فارغ ہو چکنے کے بعد وہ مطالعہ میں مشغول ہوتا۔ تاریخ اسلام اور بالخصوص صلحاء اور فضلاء کے علمی کارناموں سے اُسے بڑی شغف تھا۔ علم حدیث اور تفسیر سے بھی اکثر استفادہ کرتا تھا۔

نماز عصر

مطالعہ سے فارغ ہونے کے بعد وہ نماز عصر با جماعت ادا کرتا۔ پھر امور ملکی و مالی میں مشغول ہو جاتا۔ لشکریوں کی درخواستوں کا انفصال فوج کا بندوبست اور مہمات کے نقشے بھی اسی وقت تیار ہوتے تھے۔ غروب آفتاب سے نصف گھنٹہ پیشتر وہ دیوان خاص میں تشریف فرما ہوتا۔ تخت شاہی پر متمکن ہونے کے بعد سلطنت کے دخل و خرچ پر بحث مباحثہ ہوتا۔ اسی وقت باہر سے آئے صوبیدار اور عمال بھی پیش ہوتے۔ منصب داروں کا عزل و تقرر بھی اسی وقت روپذیر ہوتا۔ اتنے میں مؤذن اذان مغرب بلند کرتا۔ بادشاہ ہمہ تن گوش بن جاتا۔ اذان ختم ہونیکے بعد وہ تخت سے اٹھتا۔ اور تمام خدام و حشم کے ساتھ مسجد میں جا کر نماز با جماعت ادا کرتا۔

دیوان خاص

دیوان خاص میں شمع کافوری روشن کی جاتی۔ بادشاہ مسجد سے سیدھا آ کر اورنگ نشین ہوتا۔ وزیر اعظم محکمہ مالیات کی رپورٹ پیش کرتا۔ اس موقع پر عمائد فوج کو ترقیاں بھی دی جاتی تھیں یہ کارروائی نماز عشاء تک جاری رہتی۔

خواب گاہ

عشاء کی نماز کے بعد بادشاہ خواب گاہ میں آتا اور کتب سیر تاریخ اور حدیث و فقہ کے مطالعہ میں کچھ عرصہ منہمک رہتا۔ پھر کھانا کھانے کے بعد عبادت و نوافل میں مشغول ہو جاتا۔ جب آدھی رات گزر جاتی تو استراحت پذیر ہوتا۔ ملا کاظم شیرازی کا بیان ہے کہ دن رات میں صرف تین گھنٹہ آرام کرتا تھا۔ چنانچہ عالمگیر نامہ میں لکھتا ہے:

"در شبان روزے آسائش خواب آں بادشاہ ملک رقاب زیادہ از یک پاس شب نیست۔ لمؤلفہ

سر چو بہ بالیں ہوس کم نہاد
بر سر خود بار دو عالم نہاد
خلق سبکدل ز گراں بارئیش
فتنہ گراں خواب ز بیدارئیش

بدھ کا دن فقط دربار عدل کے لیئے وقف تھا۔ اس دن مفتی اور فضلا نہایت شان و شوکت سے حاضر دربار ہوتے تھے۔ بادشاہ خود مقدمات سنتا اور اپنے قلم سے ان کے فیصلے لکھتا۔

جمعرات کے دن نصف دن کی تعطیل ہوتی۔ کام دن کے نصف اول میں ہوتا تھا۔ جمعہ تعطیل عام کا دن تھا۔ اس روز دن بھر عبادت

حضرت عالمگیر اعظم رحمۃ اللہ علیہ

(از صاحبزادہ ابو النعیم صاحب نشتر جالندھری)

اے نگینِ خاتمِ تیمور! فخرِ گورگاں! — شوکتِ اسلام! محی الدین! شہِ ہندوستاں!
تیری سطوت سے لرزتے تھے درو دیوارِ ہند — اے امامِ غازیاں اے کارواں سالارِ ہند
دشمنوں کو تھی تری تلوار پیغامِ اجل — تھرتھرا اُٹھتے تھے جسکے خوف سے دشت و جبل
تو بپھرتا جنگ میں شیرِ نیستاں کی طرح — اور لڑتا رستم و سام و نریماں کی طرح
کفرزارِ ہند گونج اٹھا تری تکبیر سے — شانِ مسلم عرش پر پہنچی تری شمشیر سے
جیشِ حق بڑھتا تھا جب باطل کے استیصال کو — فتح و نصرت دوڑتی آتی تھی استقبال کو

تو وہ تھا جانباز۔ وہ سرشارِ صہبائے حجاز — بلخ میں جس نے پڑھی تیروں کی بارش میں نماز
کم سنی میں اس قدر شہ زور تھا۔ بیباک تھا — آگرے میں مست ہاتھی سے ہوا جنگ آزما
بارگاہِ عدل میں یکساں تھے آقا و غلام — غازۂ روئے حکومت تھا ترا حُسنِ نظام
تو رواداری کا پیکر تھا۔ تعصّب سے بری — شاہدِ عادل ہیں تیرے واقعاتِ زندگی
ظلم کی تہمت تراشیں تجھ پہ گو اعدائے دیں — ہے مگر تاریخ تیرے حق میں بُرہانِ مبیں
باغ ویراں کر نہیں سکتی صدائے بوم و زاغ — بُجھ نہیں سکتا کبھی پھُونکوں سے سورج کا چراغ

یادگارِ قرنِ اوّل تھی کلاہ دوزی تری — اللہ اللہ یہ شہنشاہی تھی۔ یہ رزق تری
طاعتِ حق۔ خدمتِ مخلوق تیرا کام تھا — مختصر یہ ہے۔ کہ تو اک پیکرِ اسلام تھا
بحرِ علم و فضل کا تو گوہرِ نایاب تھا — اور گردونِ عمل کا مہرِ عالمتاب تھا
زیبِ اورنگِ محاسن تیری ذاتِ بے ریا — ہند کے شاہانِ مُسلم میں ترا ثانی نہ تھا
تُو نے روشن کی دلِ مسلم میں ایسی شمع دیں — تُندیٔ بادِ حوادث سے جو بُجھ سکتی نہیں
اُسوۂ اخلاق تیرا کیا تجلی بار ہے — ملّتِ بیضا تری تقلید میں سرشار ہے

ابرِ رحمت تیرے مرقد پر گہرباری کرے — حشر میں شانِ کریمی ناز برداری کرے
تیری رُوحِ پاک پر ہو ظلِّ دامانِ رسول ؐ — خادمِ اسلام! اے فخرِ غلامانِ رسول ؐ

زینتِ تختِ حکومت ہیں جو مُسلم تاجدار — مسلکِ اورنگ زیبی پر اگر ہوں استوار
اُمّتِ مرحوم کی قسمت بدل سکتی ہے آج — جو قضا منڈلا رہی ہے سر پہ۔ ٹل سکتی ہے آج
مُسلمِ غازی! حریفِ گردشِ تقدیر بن — اُٹھ۔ علم کر خنجرِ اسلام۔ عالمگیر بن

سمالی لینڈ کا مجاہد مُلّا

استعمار فرنگ کے خلاف بست سالہ جہاد و پیکار

افریقہ کے طویل و عریض صحراؤں اور بنجر زمینوں کی تپتی ہوئی ریت کے وسیع دامن اولوالعزم مجاہدوں کے لشکروں سے بھرے پڑے ہیں۔ جو کم و بیش ایک صدی سے استعمارِ فرنگ کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا مردانہ وار مقابلہ کر رہے ہیں۔ یہ سرزمین جہاں انسان قوت لایموت کے حصول بلکہ چند روزہ زندگی کے تحفظ و بقا کے لئے آفتاب کی حدّت و تمازت، ریگستانوں کی بے آب و گیاہ وسعت اور بادِ سموم کے ہمہ سوز جھونکوں کے ماحول میں مجاہدانہ اور جفاکشانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔ از منۂ گزشتہ اور دورِ حاضر میں بڑی بڑی بلند مرتبت اور صاحب عزیمت شخصیتوں کی حامل رہی ہے۔ سوڈان کا مہدی۔ طرابلس کا شیخ احمد سنوسی۔ الجزائر کا امیر عبدالقادر، مراقش کا امیر محمد بن عبدالکریم۔ اور سمالی لینڈ کا بے باک و شجاع مُلّا محمد بن عبداللہ الحسن وہ اولوالعزم شخصیتیں ہیں۔ جن کے کارناموں نے نہ صرف افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں کی ریت پر مجاہدین و شہدا کے خون سے آبیاری کی ہے۔ بلکہ استعمار پسندانِ فرنگ کی تاریخ حرص و آز کے صفحوں کے صفحے خونیں روشنائی سے شرابور کر دئے ہیں ان مجاہدوں کی ہمتوں اور جفاکشیوں کی کہاں تک تعریف کی جائے۔ جن کے پاس دنیوی ثروت و دولت میں سے چند نخلستانوں کی کھجوریں، کوہستانی علاقوں کے قیمتی اور غیر قیمتی پتھروں، شترمرغ کے پروں اور اندرونی براعظم سے لائے ہوئے ہاتھی دانت کے سوا اور کچھ نہیں اور جن کا ساز و سامان نیزہ۔ تلوار۔ اور ادھر اُدھر سے چھینی ہوئی یا خریدی ہوئی معدودے چند بندوقیں ہیں اور بس۔ اس "دولت و ثروت" اور اس "ساز و سامان" کے بل بوتے پر یہ لوگ برطانیہ۔ فرانس۔ اٹلی۔ اور ہسپانیہ کی استعماری قوتوں کے ساتھ نبرد آزمائی کرتے رہے ہیں۔ جن کی بے پناہ توپوں، مشین گنوں اور ہوائی جہازوں نے کائناتِ ارضی پر ایک قیامت برپا کر رکھی ہے۔ اور جن کی دولت و ثروت کا یہ عالم ہے کہ وہ ریت کے چند تودوں پر قبضہ جمانے کے لئے لاکھوں اور کروڑوں پونڈ پانی کی طرح بہا دیتے ہیں۔

ایک غیر معروف میدان جہاد

اس مضمون میں افریقی مجاہدوں کے جہاد آزادی کا وہ گوشہ بے نقاب کیا جائے گا جس کی نسبت مسلمانانِ ہند کو شاید کچھ بھی معلوم نہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے۔ کہ اس گوشے میں اللہ کے ایک بندے نے موجودہ صدی کے ابتدائی بیس سال میں برطانیہ کے تو لئے حرب و ضرب کو ہر قسم کی پریشانیوں اور مصیبتوں میں الجھائے رکھا۔ اس گوشے سے ہمارا مقصود سمالی لینڈ ہے۔ دولِ یورپ نے جب آپس میں متحد کر افریقہ کے وسیع براعظم کو تقسیم کر لیا اور مختلف حصص ملک مختلف دول کے زیر اثر و رسوخ تسلیم کر لئے گئے۔ تو سمالی لینڈ کی تقدیر میں برطانیہ، اٹلی، فرانس اور حبش کی چہار گانہ استعماری ترکتاز لکھ دی گئی۔ اور ہر سلطنت نے اپنے اپنے حلقۂ اثر میں اقتدار و استعمار کے جال پھیلانے شروع کر دئے۔ اس وقت فرنگیوں کے اس بے دردانہ سیلاب کو روکنے کے لئے سمالی لینڈ نے بھی افریقہ کے دیگر ممالک کی طرح ایک اولوالعزم مجاہد پیدا کیا جسے اعدا سمالی لینڈ کا "جنونی ملا" کہتے تھے۔ اور جس کا اصلی نام سید محمد بن عبداللہ الحسن تھا۔ ذیل میں ہم بیسویں صدی کی اس زبردست شخصیت کے مختصر سے حالات سے قارئین "انقلاب" کو روشناس کرانا چاہتے ہیں۔

سمالی لینڈ

سمالی لینڈ براعظم افریقہ کے اس شمالی و مشرقی گوشہ کا نام ہے جو افریقہ کا سینگ کہلاتا ہے۔ یہ خطِ استوا سے لیکر ۱۲ درجہ عرض بلد شمالی تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کے شمال میں خلیج عدن اور بحیرہ قلزم مشرق میں بحر ہند۔ مغرب اور جنوب مغرب میں حبش اور کینیا جنوب میں بحر ہند کا کچھ حصہ اور برطانی مشرقی افریقہ کے ممالک ہیں۔ اس سرزمین کا رقبہ تین لاکھ بیس ہزار مربع میل ہے جسے برطانیہ فرانس اٹلی اور حبش نے اپنے اپنے استعماری حیلوں نات کے لئے آپس میں تقسیم کر رکھا ہے۔ اطالوی سمالی لینڈ مشرقی ساحل سے لیکر اندرونِ ملک تک، برطانی سمالی لینڈ شمالی حصہ میں، فرانسیسی مغربی حصہ میں اور حبش کا سمالی لینڈ جنوب مغربی حصہ میں ہے۔ اس کے ساحلی کنارے ریگستانی ہیں، جن میں پانی اور سبزی کا نشان تک نہیں ملتا۔ اس سے آگے کوہستان شروع ہو جاتا ہے۔ جہاں تمازتِ آفتاب کی وجہ سے ناقابل برداشت گرمی پڑتی ہے۔ وسط ملک میں چند ایک چراگاہیں ہیں۔ اور کنوئیں بھی مل جاتے ہیں جہاں سمالی لوگ بھیڑوں، بکریوں، جانوروں اور اونٹوں کے گلّے پالتے ہیں۔ اور بڑی مشکل سے گزر اوقات کرتے ہیں۔

سمالی قوم

سمالی عربی النسل ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور اپنے نسبی شرف پر بہت نازاں ہیں۔ ان کے خدوخال افریقہ کے حبشیوں کے خدوخال سے بہت مختلف ہیں۔ عام طور پر یہ لوگ خانہ بدوشانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور موسم کی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ مختلف چراگاہوں اور سرسبز علاقوں کی طرف نقل و حرکت کرتے رہتے ہیں۔ ان میں طالع آزمائی کی روح بھی بہت پائی جاتی ہے۔ چنانچہ اکثر سمالی لوگ عدن، پورٹ سعید اور دیگر بندرگاہوں پر جا کر دور دراز کے سفر کرتے ہیں۔ اور کسب معاش کے بعد اپنے وطن کو واپس آجاتے ہیں۔ سمالیوں کے قد اونچے اور چہرے بارعب ہوتے ہیں۔ رنگت عام طور پر گندمی پائی جاتی ہے۔ یہ لوگ انتہا درجہ کے جفاکش، محنتی۔ بہادر اور مغلوب الجذبات ہوتے ہیں۔ مصیبت کو بلا اکراہ برداشت کرنے کا مادہ ان میں بہت زیادہ ہے۔ کئی کئی دن تک کھانے پینے کے بغیر سفر کرنا۔ بیماری کو بیماری نہ سمجھنا اور شدید سے شدید مصیبت کا سخت جانی کے ساتھ مقابلہ کرنا ان لوگوں کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ سنہ ۱۹۰۱ء سے سنہ ۱۹۲۰ء تک کے مختلف معرکوں میں برطانی حکام نے ان لوگوں کی سخت جانی اور جفاکشی کی محیر العقول نظیریں مشاہدہ کیں۔

حیرت انگیز قوتِ برداشت

ڈاکٹر ڈریک براک مین نے اپنی کتاب "برٹش سمالی لینڈ" میں اس قسم کے متعدد واقعات نقل کئے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سمالیوں کی طاقت برداشت عام انسانی طاقت پر بدرجہا فوقیت رکھتی ہے۔ ڈاکٹر موصوف لکھتے ہیں:-

"ایک دفعہ انگریزی ہسپتال میں بارہ سال کی ایک سمالی لڑکی آئی جس کے کپڑے خون میں تر تھے۔ اس کے ہمراہ ایک ضعیف العمر بڑھیا بھی تھی دونوں رات دن میں تیس میل کی مسافت طے کر کے آئی تھیں لڑکی کی ریڑھ کی ہڈی میں بندوق کی گولی لگی ہوئی تھی۔ جو کندھے کی ہڈی کو توڑ کر سینے تک پہنچ چکی تھی۔ اس کی ضرب سے دو پسلیاں بھی ٹوٹ چکی تھیں۔ اور ایک پسلی اپنی جگہ سے سرک کر پھیپھڑے میں داخل ہو چکی تھی۔ بڑھیا کے پیٹ میں نیزے کا ایک زخم تھا۔ اس کی انتڑیاں باہر نکل رہی تھیں۔ ان تمام زخموں کے باوجود وہ ایک دن اور ایک رات میں تیس میل کا سفر طے کر کے جنگل سے ہسپتال آ پہنچیں۔

اسی طرح ایک نوجوان پیٹ میں بھالے کا زخم کھا کر چھ دن میں ۱۲۰ میل کا سفر طے کرنے کے بعد ہسپتال پہنچا اور سفر بھی اس سرزمین میں کیا جہاں پینے کو پانی تک نہ مل سکتا تھا۔ اس نوجوان نے چھ دن جنگلی جھاڑیوں کو چوس چوس کر گزارہ کیا۔

اسی طرح ایک اور سمالی کا ذکر برطانی فوج کے ایک کپتان نے لکھا ہے جس کے پیٹ میں گولی لگی۔ اور پشت سے نکل گئی۔ پانچ جگہ نیزے کے زخم کھائے۔ ایک نیزہ پیٹ میں لگا جس سے بارہ فٹ لمبی خون کی دھار نکلی۔ ایک زخم دائیں ران پر لگا۔ ایک زخم بائیں کندھے پر لگا۔ ان کے علاوہ اور بھی چھوٹے چھوٹے زخم تھے۔ بڑا زخم چھ سات انچ لمبا اور دو انچ گہرا تھا۔ یہ شخص تمتماتی ہوئی دھوپ میں بارہ بجے دوپہر سے لیکر پانچ بجے شام تک رینگتا ہوا ہسپتال کی طرف آ رہا تھا۔ اس کی انتڑیاں باہر نکلی ہوئی تھیں۔ جسے راستہ میں سے اٹھا کر ہسپتال پہنچایا گیا۔ جہاں وہ بعد علاج تندرست ہو گیا۔

غرض سخت جانی اور جفاکوشی کے ایسے متعدد واقعات سمالی لینڈ میں آئے دن دیکھنے میں آتے ہیں۔ اور انسان کو ورطۂ حیرت میں غرق کرنے کا موجب بنتے رہتے ہیں۔

ابتدائی تاریخ

سمالی لینڈ کی ابتدائی تاریخ کا حال پردۂ خفا میں ہے۔ ساتویں صدی مسیحی میں اس سرزمین پر عربوں نے حملے کئے۔ اور وہاں اپنی نو آبادیاں قائم کر لیں سنہ ۱۵۱۰ء میں ترکوں نے بندرگاہ زیلع پر قبضہ جما لیا لیکن سنہ ۱۵۱۶ء میں پرتگیزی بیڑے نے اس بندرگاہ پر تاخت و تاراج کر کے اسے تباہ و برباد کر دیا۔ بعد ازاں یہ خطہ والی صنعا دیمن، اور شریف مکہ کے زیر اقتدار رہا۔ سنہ ۱۸۲۷ء میں برطانیہ کا ایک جہاز سمالی لینڈ کے ساحل سے ٹکرا کر تباہ ہو گیا۔ اس وقت برطانیہ نے سمالیوں کے ساتھ پہلا معاہدہ کیا۔ سنہ ۱۸۳۹ء میں حکومت

برطانیہ عدن پر قابض ہوگئی۔ اور چونکہ اس بندرگاہ کے ساتھ سمالیوں کا تجارتی تعلق زمانۂ قدیم سے چلا آتا تھا۔ اس لئے برطانیہ سے ان کے ساتھ مزید معاہدات کر لئے۔ ۱۸۷۵ء میں خدیو مصر اسماعیل اوّل نے باب عالی سے سمالی لینڈ کے ساحل پر قبضہ جمانے کی اجازت حاصل کرلی۔ دس سال بعد یعنی ۱۸۸۴ء میں حکومت مصر کو سوڈان میں مہدی سوڈانی سے مقابلہ کرنا پڑا۔ تو وہ سمالی لینڈ سے دست بردار ہوگئی۔ اسی سال حکومت برطانیہ سمالی لینڈ کی مشہور بندرگاہ بربرہ پر قبضہ جما لیا۔ اور اندرونِ ملک میں اپنا اقتدار جمانے کے لئے ریشہ دوانیاں شروع کردیں۔ پہلے اس علاقہ کا نظم و نسق حکومت بمبئی کے ہاتھ میں تھا۔ لیکن اس ملک کو برطانی نوآبادی بنانے کے خیال سے ۱۸۹۸ء میں برطانیہ کے دفتر خارجہ نے عنانِ حکمرانی اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اور اقتدار کو مستحکم کرنے کی کوششیں شروع ہوگئیں۔ برطانی اقتدار کے مستحکم کرنیکی کوششیں شروع ہوگئیں۔ برطانی اقتدار کے بڑھتے ہوئے سیلاب ہی کی روک تھام کے لئے سید محمد بن عبداللہ الحسن جہاد آمادہ ہوئے۔ اور تعزیری مہموں۔ حملوں۔ لڑائیوں اور معرکوں کا وہ سلسلہ شروع ہوگیا۔ جو بیس بائیس سال تک جاری رہا۔ اور اس وقت تک ختم نہ ہوا۔ جب تک سید صاحب ممدوح زندہ رہے۔

سید محمد بن عبداللہ الحسن

سید محمد جو بعد میں ملائے سمالی لینڈ کے نام سے مشہور ہوئے انیسویں صدی کے عشرۂ ہفتم کے آغاز میں پیدا ہوئے۔ بچپن کے حالات معلوم نہیں۔ آپ کے والد عبداللہ حسن ایک غریب شخص تھے۔ سید محمد نے اسی ماحول میں پرورش پائی۔ جس میں سمالیوں کے اکثر بچے عموماً پلتے ہیں۔ ہوش سنبھالنے کے بعد بربرہ یا کریت میں کسی ملا سے مذہبی تعلیم حاصل کی ہوگی۔ اوائل عمر میں سمالی تاجروں کے ہمراہ کئی دفعہ عدن میں بھی آئے ہونگے۔ اور وہاں اُنہوں نے دنیا کے عجائبات حاضرہ کی کئی داستانیں سنی ہونگی۔ کہا جاتا ہے۔ کہ سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں سید محمد ایک جہاز پر فائر مین بھی رہ چکے تھے۔ اور اس طرح انہوں نے کئی ممالک کی سیر بھی کرلی تھی۔ آپ نے متعدد حج بھی کئے۔ اور شیخ محمد صالح کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد سمالیوں کو اس سلسلۂ طریقت میں منسلک کرنے کی اجازت حاصل کرلی۔ شیخ محمد صالح مکہ معظمہ کے ایک بزرگ شخص تھے۔

مذہبی اصلاح

سید محمد بن عبداللہ کا مشن ابتدا میں خالصۃً مذہبی مشن تھا وہ لوگوں کو ارکانِ اسلام کی پابندی کی تلقین کرتے۔ باہمی جنگ و جدال سے باز رہنے کی ہدایت فرماتے۔ مسکرات و محرکات سے اجتناب کرنے کی تاکید کرتے۔ دن رات ذکر و فکر میں مشغول رہتے قرآن کی تلاوت فرماتے۔ اور لوگوں کو ارشاداتِ ربانی سے آگاہ کرتے رہتے تھے۔ جب تک حکومت برطانیہ نے اپنے حلقہ اثر و اقتدار کی توسیع کا فیصلہ نہ کیا تھا۔ وہ سید محمد بن عبداللہ کے وجود اور ان کے اثر و رسوخ کو نہایت مبارک خیال کرتی رہی۔ کیونکہ ان کی وجہ سے قبائل کی باہمی خانہ جنگیاں موقوف ہو چکی تھیں۔ ملک میں امن و امان کا دور دورہ تھا۔ اور کوئی سمالی ساحل بحر کی بندرگاہوں سے جو زیر برطانیہ کے زیر تسلط تھیں تعرض نہ کرتا تھا۔

اثر و نفوذ کی حکمت عملی کا آغاز

انیسویں صدی عیسوی کے آخیر میں جب حکومت برطانیہ نے حبش اور سوڈان کے سیاسی حالات کے پیش نظر سمالی لینڈ کے متعلق اپنی حکمت عملی کو تبدیل کرنے کا تہیہ کرلیا۔ اور اس کا نظم و نسق صوبہ بمبئی کی حکومت کے ہاتھ سے لیکر براہ راست وزارت خارجہ برطانیہ کے ہاتھوں میں دے دیا گیا۔ تو طبعاً سید محمد بن عبداللہ سے تعرض کی ضرورت محسوس ہوئی۔ بندرگاہ بربرہ کا برطانی قونصل عموماً شیخ مذکور کے ساتھ خط و کتابت رکھتا تھا۔ لیکن شاہی حکمت عملی کے تبدیل ہوتے ہی برطانی حکام کی آنکھیں بدل گئیں۔ اور ان کے لب و لہجہ میں فرق آنے لگا۔ اس زمانے میں بربرہ میں ایک فرنگی مشن نے سمالیوں کو عیسائی بنانا شروع کیا۔ جس پر سید محمد عبداللہ کی دینی غیرت و حمیت جوش میں آگئی۔ اور وہ اپنے ہم مذہبوں کے بچاؤ کا جذبہ لیکر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ جوش و خروش کا دریا متلاطم دیکھ کر انگریزوں کو بھی اضطراب لاحق ہوگیا۔ دونوں طرف دلوں میں کدورتیں پیدا ہوگئیں۔ اور برطانی حکام سید محمد کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کے لیے بہانے تلاش کرنے لگے۔ تاکہ اپنی استعمار کو اس ممکن "خطرے" سے محفوظ کرلیں۔

کشمکش کا آغاز

مارچ ۱۸۹۹ء کو بربرہ کے برطانی قونصل نے سید محمد بن عبداللہ کو ایک خط لکھا جس میں یہ اطلاع دی۔ کہ ایک سمالی انگریزی بندوق چرا کر سید کے پاس چلا گیا ہے۔ یہ ضروری ہے کہ فی الفور وہ بندوق واپس بربرہ بھیجدی جائے۔ سید نے اسی خط کی پشت پر حسب ذیل مختصر سا جواب لکھ کر خط واپس کردیا۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

"اے شخص میں نے تمہاری کوئی شے نہیں چرائی اور نہ کسی اور کی کوئی شے لی ہے جس نے چوری کی ہے۔ اس سے مانگ اور جس کی خدمت تو نے اختیار کی ہے۔ اس کی خدمت کر۔ ھذا والسلام"

برطانی قونصل کا اقدام

برطانی قونصل نے یہ خط محض سید محمد کا رویہ معلوم کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ کیونکہ حکومت برطانیہ اندرون ملک میں اثر و نفوذ کی حکمت عملی کے اجرا کی خواہاں تھی۔ یہ جواب دیکھ کر حکومت برطانیہ اپنے عزائم کی تکمیل کے لئے تجاویز سوچنے لگی۔ چنانچہ برطانی کونسل نے اگست ۱۸۹۹ء میں اپنے ایک سمالی نمایندہ کو حضرت سید کی خدمت میں بھیجا۔ اور اس امر کا مطالبہ کیا۔ کہ وہ اور اس کے پیرو قبائل اپنے آتشیں اسلحہ برطانی حکام کے حوالے کردیں۔ سید۔ اور سمالی قبائل کو مرعوب کرنے کے لئے بندرگاہ بربرہ پر دو جنگی جہاز بھی بلوا لئے گئے۔ حضرت سید نے حکام برطانیہ کے اس انوکھے مطالبہ کا جواب حسب ذیل الفاظ میں دیا۔

از محمد بن عبداللہ الحسن بنام انگلستان

یہ خط تمہاری اطلاع کے لئے لکھا جاتا ہے تم اس وقت تک اپنی من مانی کارروائی کرتے رہے ہو تم نے ہمارے قدیم مذہب پر بلا وجہ تشدد روا رکھا۔ مزید برآں تمہیں اطلاع دی جاتی ہے کہ جو لوگ تمہاری اطاعت کرتے ہیں وہ مفسد اور کاذب ہیں۔ نیز تمہیں اطلاع دی جاتی ہے۔ کہ تمہارا وکیل محمد یہاں آیا۔ اور اس نے ہم سے ہمارے آتشیں اسلحہ طلب کئے۔ لہٰذا ہم تمہیں یہ خط ارسال کرتے ہیں۔ اگر تم جنگ کرنے کے خواہاں ہو تو یہ بھی ہمیں منظور ہے۔ اور اگر صلح چاہتے ہو تو تاوان ادا کردو۔ فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ ھذا والسلام۔

برطانی قونصل اسی امر کا منتظر ہی بیٹھا تھا۔ اس نے سید صاحب کے باغی ہوجانے کا اعلان کردیا حالانکہ اس سے قبل سید نے برطانی سیاوت کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ قونصل نے ساحلی قبائل کو تنبیہ کردی کہ جو قبیلہ سید کے ساتھ کسی قسم کا تعلق رکھیگا۔ اسے شدید سزا دی جائیگی۔

چپقلش کا آغاز

سید محمد بن عبداللہ ملائے سمالی لینڈ اپنے معتقدین کے لشکر کے ہمراہ برطانی سمالی لینڈ کے جنوبی علاقہ میں مقیم تھے۔ برطانیہ کے ساتھ تعلقات کے انقطاع کے بعد برطانیہ کے وفادار اور دوست قبائل اور ملا صاحب کے درویشوں کے درمیان متعدد چپقلشیں رونما ہونے لگیں۔ اور حکومت برطانیہ نے سب سے پہلے حکومت حبش کو ملا صاحب کے لشکر پر حملہ کے لئے اکسایا۔ کیونکہ ملا صاحب کی قیام گاہ حبش کی سرحد کے نزدیک تھی۔ حبش کی فوجوں نے ملا صاحب کے معتقد قبائل پر متعدد حملے کئے۔ اور ان کے مال مویشی کو تباہ و برباد کردیا۔ آخر جغجغہ کے مقام پر مجاہدین سمالی لینڈ نے حبش کی فوج کو شکست دی۔

برطانیہ کی پہلی عسکری یلغار

حکام برطانیہ نے ملا صاحب کی طاقت کا غلط اندازہ کیا تھا۔ ان کا خیال تھا۔ کہ شمالی سمالی لینڈ کے وفادار قبائل شمال سے اور حبش کی عسکری مہم جنوب مغرب سے یلغار کرکے ملا صاحب کے زور کا خاتمہ کردیگی۔ لیکن حبش کی فوجوں کے شکست کھا جانے کے بعد استعمار پسندانِ برطانیہ و حبش کو ملا صاحب کی طاقت کا احساس پیدا ہوا۔ اور مجاہدین سمالی لینڈ پر شمال اور جنوب کی طرف سے چڑھائی کرنے کی تجویز زیر غور ہونے لگی۔ فیصلہ ہوا۔ کہ حکومت برطانیہ شمال کی طرف سے ایک تعزیری مہم روانہ کرے۔ اور حکومت حبش جنوب کی طرف سے ملا صاحب اور اُن کے مجاہدین پر حملہ آور ہو۔

غریب ملا پر دوگانہ حملے

نومبر ۱۹۰۰ء میں حکومت برطانیہ نے لفٹننٹ کرنل سوین کو کافی فوج کے ہمراہ بربرہ بھیجا۔ وہاں پہنچ کر کرنل موصوف نے وفادار سمالی قبائل کا ایک لشکر جمع کیا۔ اُدھر اسی اثنا میں حکومت حبش نے پندرہ ہزار کے لشکر جرار کی ایک مہم طیار کرلی۔ اور فیصلہ ہوا کہ اپریل ۱۹۰۱ء میں دونوں جانب سے شیخ پر حملہ کردیا جائے۔

کرنل سوین جنوبی افریقہ کی گورا پلٹن۔ پنجاب کی سکھ پلٹن۔ سمالیوں کے دیسی لشکر، توپخانہ اور مشین گنیں لیکر ۲۲ مئی ۱۹۰۱ء کو برا کے مقام سے اندرونِ ملک پر حملہ آور ہوا۔ راستہ میں یہ لشکر قبائل کے اُونٹ بھیڑیں اور بکریاں پکڑ پکڑ کر اپنے سامان رسد اور باربرداری میں شامل کرتا تھا۔ شیخ محمد ابن عبداللہ کی جنم بھومی کو آگ لگا دی گئی۔ اور لشکر یلغار کرتا ہوا آگے بڑھتا گیا۔

سمالہ کی جنگ

سمالہ پہنچ کر برطانی جیوش نے استحکامات مضبوط کرلئے ۲ جون ۱۹۰۱ء کو تین ہزار درویشوں کی ایک جمعیت نے ان استحکامات پر حملہ کیا۔ دو دن تک گھسان کی لڑائی ہوتی رہی لیکن برطانیہ کے عسکری ساز و سامان کے سامنے بے سامان درویشوں کو چنداں کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔ اِدھر اعلیٰ درجہ کی بندوقیں اور قواعد دان فوجیں تھیں۔ توپیں گولے برسا رہی تھیں اُدھر تین ہزار کی جمعیت میں صرف چند سو اشخاص کے پاس بندوقیں اور کارتوس تھے باقی سب نیزوں سے مسلح تھے۔ برطانی فوج نے درویشوں کے حملے مسترد کردئے۔

جنوب کی جانب پیشقدمی

کرنل سوین کی مہم کا مقصد و مدعا یہ تھا۔ کہ ملا محمد کو یا تو قتل کردیا جائے۔ یا زندہ گرفتار کرلیا جائے۔ یا اسے غیر مشروط

اطاعت و انقیاد پر رضامند کر لیا جائے۔ درویش سمالہ کی جنگ کے بعد جنوب مشرق کی طرف پس پا ہوئے۔ کرنل سوین کے لشکر نے ان کا تعاقب کرنے کی کوشش کی۔ لیکن راستہ کی مشکلات نے اس کی پیشقدمی کو روک دیا۔ برطانوی فوج دلیجد انابعلی۔ اور دیگر مقامات پر درویشوں کے استحکامات کو نذر آتش کرتی ہوئی جنوب کی طرف بڑھتی چلی گئی۔

ملّا صاحب کے درویشوں کی اکثر جمعیتیں برطانوی سمالی لینڈ کی سرحد کو عبور کر کے اطالوی سمالی لینڈ میں داخل ہو چکی تھیں کرنل سوین کو معلوم ہوا۔ کہ ملّا صاحب فرد الدین کے مقام پر پڑے ہیں چنانچہ اس پر بھی دھاوا بول دیا گیا شدید جنگ کے بعد کرنل سوین کی فوج کو عور جیرود کے مقام تک پسپا ہونا پڑا۔

انگریزی جیش کی مراجعت

برطانی فوج کو اس مہم میں شدید نقصانات کا سامنا ہوا۔ لہذا کرنل سوین کو برا کے مقام پر واپس آجانے کے احکام پہنچ گئے۔ پسپائی کے وقت درویشوں کی جمعیت برطانی لشکر پر حملے کرتی رہی۔ لیکن لشکر مذکور دو ماہ کی یلغار کے بعد جولائی کے اواخر میں برا پہنچ گیا۔

حبش کی فوج

حبش والوں نے بھی درویشوں پر چڑھائی کرنے کے لئے صوبہ حرار سے دس ہزار آدمیوں کا ایک لشکر بھیجا تھا۔ جس نے مغربی اضلاع کا راستہ بند کر رکھا۔ اور ملّا صاحب اور ان کے درویشوں نے اس طرف کا رخ نہیں کیا۔ اور نہ اس کے ساتھ کوئی جنگ وقوع پذیر ہوئی۔

برطانیہ کی دوسری عسکری یلغار

کرنیل سوین کے پسپا ہو جانے پر اندرون سمالی لینڈ میں ملّا صاحب کا اثر و رسوخ اور بھی بڑھ گیا۔ چنانچہ سنہ ۱۹۰۱ء کے اخیر تک درویشوں کے حملے بندرگاہ بربرہ کے قریب تک پہنچ گئے۔ اور جو قبائل اس وقت تک حکومت برطانیہ کی دوستی کا دم بھرتے رہے۔ انہیں ملّا صاحب نے سخت سزائیں دیں اس پر حکومت برطانیہ نے زیادہ طاقت و قوت کے ساتھ اندرون سمالی لینڈ پر یلغار کرنے کی طیاریاں کیں۔ اور کرنیل سوین کو پھر اس مہم کی کمان دے دی گئی۔ ۲۶ مئی سنہ ۱۹۰۲ء کو کرنل موصوف بربرہ سے برا اور برا سے داد ماغو کی راہ سے ملّا صاحب کے مراکز کی طرف روانہ ہوا۔ جو ان دنوں باران کے مقام پر تھے اور جن کی ہراول چوکیاں بہوطل اور لسعید کے مقامات پر تھیں۔

طرفین کی قوت

اب کے کرنیل سوین کے کالم کی قوت بصورت ذیل تھی

داد ماغو کے مقام پر

سوار ۵۰ شتر سوار ۲۰ - پیادہ ۱۲۰۰ میکسم توپیں ۳ چھوٹی توپیں ۲ باربرداری کے اونٹ ۱۰۰۰ -

بربرہ سے داد ماغو کی راہ پر

شتر سوار اور اسپ سوار ۴۰۰ پیادہ ۵۰ سمالی فوج ۷۵۰ -

باقی فوجیں -

پیادہ ۱۵۰ توپ میکسم ۱ توپ ۱ پیادہ ۱۰۰ توپ میکسم ۱ -

ملّا صاحب کی قوت کا اندازہ دس بارہ ہزار درویشوں کی جمعیت کا تھا۔ جس میں صرف ڈیڑھ دو ہزار اشخاص بندوقوں سے مسلح تھے۔

داد ماغو پہنچنے کے بعد کرنل سوین کو معلوم ہوا۔ کہ ملّا صاحب کی جمعیت پانی اور چراگاہوں کی تلاش میں مدوغ کے مقام کی طرف منتقل ہو گئی ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے ساری فوج کو جمع کر کے مدوغ کی طرف پیش قدمی کی۔ اس وقت تک مزید کمکی افواج بھی اس کے ساتھ آن ملی تھیں۔ کرنل سوین نے یہ سن کر کہ درویشوں کا لشکر مدوغ سے شمال کی طرف حرکت کر رہا ہے۔ ۱۵ اکتوبر سنہ ۱۹۰۲ء کو ارگیو کے مقام پر ڈیرے ڈال دئیے۔

ارگیو کی جنگ

۱۶ اکتوبر کو ارگیو کے مقام پر شدید جنگ ہوئی درویشوں نے اللہ اللہ کے نعرے لگاتے ہوئے برطانی افواج کے کیمپ پر ہلہ بول دیا۔ ادھر سے بھی توپوں مشین گنوں۔ اور بندوقوں کے منہ کھل گئے۔ دن بھر لڑائی ہوتی رہی۔ جس میں متعدد برطانی افسروں کی جانیں تلف ہو گئیں۔ دونوں طرف سے بہت سے آدمی مقتول و مجروح ہوئے۔ سر شام متحاربین اپنے اپنے مقتولین کی تجہیز و تکفین اور مجروحین کی غور و پرداخت میں مشغول ہو گئے۔ کرنل سوین نے رات کی تاریکی میں کوچ کیا۔ اور بہوطل کی طرف پسپائی کی راہ اختیار کر لی۔ سوین کا لشکر گیارہ دن تک گم رہا۔ اور اس کے متعلق کوئی اطلاع برطانی ہیڈ کوارٹرز میں موصول نہ ہو سکی۔ ۱۷ اکتوبر سنہ ۱۹۰۲ء کو یہ ہزیمت خوردہ لشکر پریشان حالی میں بہوطل پہنچا۔ جہاں سے واپس برا آگیا۔ اس طرح عساکر برطانیہ کو دوسری دفعہ سید محمد بن عبداللہ کے سرباز مگر بے ساز و سامان مجاہدین کے مقابلہ میں ہزیمت کا سامنا ہوا۔

برطانیہ کی تیسری عسکری یلغار

جونہی ارگیو کی ہزیمت کی خبر لندن پہنچی۔ فوراً کرنل سوین کو کمک پہنچانے کے لئے ہندوستانی۔ سوڈانی۔ سکھ۔ حبشی اور گورا پلٹنوں کی کئی کمپنیاں مختلف مقامات سے سمالی لینڈ کی طرف روانہ کر دی گئیں۔ کرنل سوین کو انگلستان بلا لیا گیا۔ اور سمالی لینڈ کے برطانی عساکر کی کمان جنرل مینگ کے حوالے کر دی گئی۔

جنرل مینگ نے آتے ہی سمالیوں کی دیسی فوج کی ترتیب و تنظیم شروع کر دی۔ اور ادھر حکومت برطانیہ نے سیاسی وسائل سے کام لے کر حکومت اٹلی سے اس امر کی اجازت حاصل کر لی کہ آئندہ مہم میں حکومت برطانیہ اپنا عساکر کا ایک حصہ اطالوی سمالی لینڈ کی بندرگاہ ادبیہ پر اتار کر جنوب مشرق سے ملّا صاحب پر حملہ آور ہو سکے گی۔ ادھر حکومت حبش کو بھی مغرب اور جنوب مغرب کی طرف سے درویشوں پر یلغار کرنے کے لئے آمادہ کر لیا گیا اس طرح۔ شمال۔ جنوب مشرق۔ جنوب مغرب اور مغرب کی طرف سے اکٹھی تین مہموں کا انتظام کیا گیا۔

انگریزی مہم کی تفصیل

بندرگاہ ادبیہ پر جو فوج اتاری گئی۔ اس کا شمار تین ہزار کے قریب تھا۔ اس میں جنوبی افریقہ کی گورا پلٹن کی کمپنیاں پنجابی سوار۔ بیکانیر کے شتر سوار۔ سکھ اور توپخانہ کے لوگ شامل تھے۔

بربرہ سے بہوطل کی طرف یلغار کرنے والی فوج کا شمار دو ہزار کے قریب تھا۔ اس میں مختلف اقوام کی پلٹنوں کے چیدہ چیدہ اور آزمودہ کار افسر اور سپاہی شامل کئے گئے تھے۔

مغربی اور جنوب مغربی محاذ پر حبش کا کمانڈر اعظم ۵ ہزار کا لشکر لے کر آگے بڑھا۔ اور اس طرح ملّا صاحب اور ان کے درویشوں کو سمالی لینڈ کے جنوبی حصہ میں گھیر لیا گیا

بندرگاہ ادبیہ کے کالم نے پہلے تو قاہو گانگیو تک پیش قدمی کی اور پھر آگے بڑھ کر غلادی کے مقام پر پڑاؤ ڈال دیا شمالی کالم نے بہوطل کو اپنا مرکز بنایا۔ اور وہاں سے عسکری مہمیں مختلف اطراف میں روانہ کیں۔ اس لشکر کے ایک حصہ نے آگے بڑھ کر واموط پر قبضہ جما لیا۔

برطانی لشکر کی تباہی

جاسوسوں کی زبانی معلوم ہوا۔ کہ سید محمد بن عبداللہ اپنا لاؤ لشکر لے کر غلادی سے جنوب مغرب کی جانب ہٹ کر ولوال چلے گئے ہیں۔ چنانچہ کرنل کوبے کے ماتحت ایک لشکر غلادی سے ولوال کی طرف روانہ ہوا۔ تاکہ گرد و نواح کے درویشوں کی سرکوبی کرے اور ملّا صاحب کے ہیڈ کوارٹر کا سراغ لگائے یہ لشکر یلغار کرتا ہوا غمبرو کے مقام سے آگے نکل گیا۔ جو ولوال سے جنوب مشرق کی طرف کچھ فاصلہ پر واقع ہے۔ جھاڑیوں کے پیچ در پیچ راستوں کی مشکلات کو دیکھ کر یہ لشکر واپس آرہا تھا۔ کہ درویشوں کی جمعیتوں نے ان پر حملے شروع کر دئے۔ کرنل کوبے نے حملوں سے تنگ آکر کمک طلب کی۔ فوراً ایک جمعیت روانہ کر دی گئی لیکن درویش کمک پہنچنے سے پہلے پہلے برطانی لشکر کا قلع قمع کر چکے تھے۔ انہیں اس کمکی جمعیت کی خبر لگی۔ تو اس پر بھی ٹوٹ پڑے۔ اور اس بے جگری کے ساتھ حملہ کیا۔ کہ برطانی افواج کی سلوری جمعیت وہیں کھیت رہی۔ صرف چھ سات حبشی بچ کر غلادی کے کیمپ میں پہنچ سکے یہ واقعہ ۱۷ اپریل سنہ ۱۹۰۳ء کا ہے۔ ہراول کا یہ حال سن کر غلادی کے کمانڈر نے ولوال اور دارطلحہ کی طرف پیشقدمی کا خیال چھوڑ دیا۔

دارطلحہ کی جنگ

انگریزی فوج کے شمالی کالم نے بہوطل کو صدر مقام بنا کر مختلف اطراف میں عسکری مہمیں بھیجنی شروع کر دیں۔ ان کی یلغار دامدہ اور دارطلحہ تک پہنچ گئی۔ دارطلحہ کے مقام پر درویشوں کی جمعیت نے برطانی لشکر پر حملہ کر دیا، اور گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ درویش اس مقام پر بڑی بے جگری کے ساتھ لڑے کئی برطانی افسر معرکہ کارزار میں مارے گئے۔ دن بھر خونریزی ہوتی رہی۔ رات کے وقت برطانی فوج دانوط کی طرف پسپا ہو گئی۔ یہ جنگ ۲۳ - اپریل سنہ ۱۹۰۳ء کو ہوئی۔ اس موقع پر درویشوں کے پاس اس برطانی فوج کا ساز و سامان دیکھا گیا۔ جو انہوں نے غمبرو کے مقام پر چند روز پیشتر تلوار کے گھاٹ اتار دی تھی۔

اہل حبش کا حملہ

حبش کی فوجوں نے مغربی محاذ پر پیش قدمی کی۔ اور سید محمد بن عبداللہ کی بعض چوکیوں پر لڑائی کے بعد قبضہ کر لیا۔ اس فوج کو ملّا صاحب کے لشکر سے مقابلہ کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ اور یہ لشکر جید کے مقام تک پہنچنے کے بعد واپس چلا گیا۔

برطانی لشکر کی پریشانی

غرض برطانی عساکر کی دونوں مہموں کو ہزیمت کھا کر پس پا ہونا پڑا۔ اب جنرل مینگ نے ادبیہ سے آنے والے لشکر کو جو غلادی کے مقام پر تھا۔ بہوطل میں جمع کرنے کی کوشش کی۔ اور ملّا صاحب اپنی جمعیت لے کر برطانی سمالی لینڈ کے جنوبی حصہ کی طرف نقل مکانی کر گئے۔

ان لڑائیوں میں ملّا صاحب کو جو فتوحات حاصل ہوئیں۔ انہوں نے برطانی کمانڈروں کے چھکے چھڑا دئے۔ چنانچہ ملّا صاحب کی نقل مکانی کے وقت بہوطل کے کمانڈر کو یہ اطلاع مل گئی تھی۔ کہ ملّا صاحب کا لشکر بہوطل سے جنوب مشرق

کی جانب ۳۰، ۴۰، ۵۰ میل کے فاصلہ پر جارہا ہے۔ لیکن اسے ملا صاحب پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوسکی۔

نئے جرنیل کا تقرر

جنرل بیننگ بھی اپنے پیشرو کی طرح ناکام جرنیل ثابت ہوئے۔ چنانچہ اب برطانیہ کے دفتر حربیہ نے ان کی جگہ ایک اور اعلیٰ افسر میجر جنرل ایجرٹن کو سمالی لینڈ کے عساکر کی کمان کے لئے بھیجا۔ ان فتوحات کے بعد ملا صاحب کا بلا کھٹکے برطانی سمالی لینڈ میں سکونت اختیار کرلینا ہی ظاہر کررہا ہے۔ کہ برطانی عساکر کو ان معرکوں میں کسی حد تک ہزیمت کا سامنا ہوا ہوگا۔

ملا کا کھلا خط

ملا محمد بن عبداللہ نے نئے مقام پر پہنچتے ہی اہل برطانیہ کے نام ایک چٹھی لکھی۔ جس میں ان سے صاف طور پر کہا گیا تھا۔ کہ اگر تم صلح چاہتے ہو۔ تو سیدھے سبھاؤ اپنے ملک کو واپس چلے جاؤ۔ اور اگر اب بھی جنگ کے خواہاں ہو۔ تو میں بڑا خوش ہوں۔ میرا خدا بھی خوش ہے۔ ملا صاحب نے انگریزوں کو لکھا تھا۔ کہ میں نے تمہاری کئی بندوقیں چھین لی ہیں۔ لیکن تم مجھ سے ایک بھی بندوق نہیں چھین سکے۔ سال بھر کی لڑائی کے نتائج تمہارے سامنے ہیں۔ اب تم خود فیصلہ کرلو۔ کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔ صلح یا جنگ میں دونوں کے لئے طیار ہوں۔

برطانیہ کی چوتھی عسکری یلغار

۳؍ جولائی ۱۹۰۳ء کو سمالی لینڈ کے برطانی عساکر کا کمانڈر جنرل ایجرٹن بربرہ پہنچ گیا۔ جہاں پہنچتے ہی اس نے چوتھی مہم کی طیاریاں شروع کردیں۔ باربرداری کے اونٹ۔ لشکر۔ سامان حرب۔ سامان رسد۔ غرض ہر چیز فراوانی کے ساتھ فراہم کی گئی۔ چونکہ ملا صاحب ابھی تک نئے مقام میں تھے۔ اس لئے جنرل ایجرٹن نے تجویز کی۔ کہ حکومت حبش حسب دستور سابق مغرب کی راہ روک رکھے شمال مشرق میں اطالوی سمالی لینڈ کے سلطان کو ساتھ ملاکر تنبیہ کردی گئی۔ کہ وہ ملا کے عساکر کو اپنے ملک میں داخل نہ ہونے دے۔ جنوب اور جنوب مشرق کی طرف سے تیسری مہم کی طرح بندرگاہ اوبیہ پر فوجیں تو نہ اتاری گئیں۔ لیکن داموط اور غلادی کے مقامات پر کچھ فوج پہنچا دی گئی۔ تاکہ ملا صاحب کے جاسوسوں کو یہ دھوکا ہو کہ اس طرف کے راستے بھی بند ہیں۔ نیز بندرگاہ اوبیہ پر بھی فوجی سرگرمیوں کی نمائش شروع کردی گئی۔

درویشوں کی شکست

اس طرح کے انتظامات کرنے کے بعد جنرل ایجرٹن نے ملا صاحب پر چڑھائی کی۔ معمولی چپقلشوں کے بعد درویشوں کے لشکر اور جنرل ایجرٹن کا مقابلہ ہوا۔ یہ لڑائی سابقہ جنگوں کی نسبت بہت بڑی تھی۔ یہاں بھی درویشوں نے فن جنگ آوری کے بہت جوہر دکھائے لیکن برطانی توپخانوں کی بے پناہ گولہ باری کے سامنے ان کی کچھ پیش نہ گئی۔ اس لڑائی میں دونوں طرف سے جانوں کا بہت نقصان ہوا آخر کار اس میں انگریزی فوج کو فتح حاصل ہوئی اور درویشوں کا لشکر پسپا ہوگیا۔ اب برطانی لشکر نے ایک مقام سے دوسرے مقام تک ملا صاحب کا تعاقب شروع کردیا۔ جو پہلے مشرق کی طرف پسپا ہوئے۔ پھر شمال کی طرف جلیدی کے مقام تک چلے گئے وہاں سے جنوب مشرق کا رخ کرتے ہوئے اطالوی سمالی لینڈ کی بندرگاہ ایلغ تک پہنچ گئے۔ برطانی فوجیں جو ملا صاحب کا تعاقب کررہی تھیں آگے نہ بڑھیں۔ اور انہیں متعدد مقامات پر درویشوں کی بکھری ہوئی ٹولیوں سے لڑنا پڑا۔

درویشوں کا تعاقب

برطانی افواج کے لئے خشکی کی راہ سے ایلغ تک پہنچنا غیر ممکن تھا۔ اس لئے انہوں نے ایلغ سے آدھ میل شمال کی جانب جنگی جہاز لے جاکر ساحل پر فوجیں اتار دیں۔ جنہوں نے ایلغ کے استحکامات پر حملہ کرکے ملا صاحب اور ان کے درویشوں کو وہاں سے بھی نکال دیا۔ ملا صاحب ساحل سے ذرا اور ہٹ کر اندرون ملک میں چلے گئے۔ اس طرح برطانیہ کی چوتھی عسکری یلغار کا خاتمہ ہوگیا۔ برطانیہ کے سرکاری کاغذات میں اس امر کا اعتراف کیا گیا ہے۔ کہ تیسری اور چوتھی مہم میں حکومت برطانیہ کو بڑے گرانبار مصارف برداشت کرنے پڑے۔ کئی برطانی افسر مقتول و مجروح ہوئے۔ اور بیشمار سپاہی مارے گئے۔

سمالی لینڈ کا تخلیہ اور صلح

۱۹۰۴ء کے آخری مہینوں میں ایک اطالوی مندوب اور اطالوی علاقہ کے ایک سربرآوردہ شیخ کی وساطت سے سید محمد بن عبداللہ ملائے سمالی لینڈ سے گفتگوئے مصالحت کی طرح ڈالی گئی۔ سید محمد نے صلح کے لئے حسب ذیل اصول پیش کئے۔

(۱) وہ اطالوی سمالی لینڈ میں کسی مقام پر سکونت اختیار کرلیں گے۔

(۲) اندرون ملک کی حکومت اور نظم و نسق خود قبائل کے ہاتھ میں رہیگا۔

(۳) باشندگان سمالی لینڈ کو اسلحہ اور غلاموں کی تجارت کے سوا عام تجارت کی پوری آزادی ہوگی۔

(۴) قیام امن کے لئے تمام قبائل ایک دوسرے کو یرغمال یا زر نقد کے طور پر کفالتیں مہیا کریں۔

(۵) صلح کی گفت و شنید کے لئے پچاس دن کا التوائے جنگ۔

اطالوی نمائندہ نے چھ ماہ کی گفت و شنید کے بعد سید محمد بن عبداللہ کے ساتھ اطالوی برطانی اور حبش کی حکومتوں کی طرف سے متذکرہ صدر اصول کے مطابق ایک صلح نامہ طے کرلیا۔ اور اندرون ملک کے قبائل میں جو ملا صاحب کو اپنا دینی پیشوا اور دنیوی لیڈر تسلیم کرتے تھے۔ ملا صاحب کا کلی اقتدار تسلیم کرلیا گیا۔ آتشین اسلحہ کی تجارت اور درآمد ممنوع قرار دی گئی۔ تین سال تک اس عہدنامہ پر خوش اسلوبی سے عمل ہوتا رہا۔ برطانی افواج اندرون ملک سے واپس بلالی گئیں۔ اور ساحلی مقامات کے قبائل حسب معمول برطانیہ کے سیاسی اثر کے ماتحت رہے۔ اس دوران میں سید محمد کا اثر ورسوخ بھی ترقی کرتا گیا۔ اور بعض وہ قبائل جو قبل ازیں حکومت برطانیہ کی دوستی کا دم بھرتے تھے۔ ملا صاحب کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے لگے۔ ملا صاحب کے قبائل کو برطانی اور اطالوی بندرگاہوں پر تجارت کرنے کی اجازت تھی۔ لیکن آپ کے روز افزوں اثر کو دیکھ کر برطانی حکمت علمی میں پھر تبدیلی رونما ہوئی۔

عہد شکنی

حکومت برطانیہ نے راس خورائے کی بندرگاہ کی ناکہ بندی کرلی۔ اور ملا صاحب کے معتقدین کی ایک تجارتی کشتی کو گرفتار کرلیا یہ واقعہ اوائل ۱۹۰۸ء کا ہے۔ سید محمد بن عبداللہ نے معاہدہ کی اس صریح خلاف ورزی کو دیکھ کر متعدد خطوط برطانی کمشنر کے نام لکھے۔ جن میں انگریزوں سے معاہدات کی پابندی کے لئے کہا گیا تھا۔ اور لکھا تھا۔ کہ وہ دو رخی چالیں چلنے سے اجتناب کریں اور صلح و امن کا عزت و احترام کرتے ہوئے فتنہ و فساد کی آگ مشتعل کرنے کا باعث نہ بنیں۔ سید محمد بن عبداللہ نے اپنے ہر خط میں متعدد شکایات بیان کیں۔ اور برطانی حکام سے ان شکایات کے ارتفاع کے لئے کہا۔ انہوں نے چھینی ہوئی کشتی کی واپسی، تجارت کی آزادی اور دیگر کئی امور کے تصفیہ کے لئے لکھا۔ لیکن برطانی کمشنر نے کسی خط کا جواب نہ دیا۔ سیدھے سادھے مسلمان ملا کو کیا معلوم تھا۔ کہ استعماری چالیں کیسی ہوتی ہیں اور ان کا مدوجزر کیا معنی رکھتا ہے۔

جنگ کا آغاز

سید محمد بن عبداللہ نے معاہدہ کے مطابق برطانی کمشنر سے بعض امور کے تصفیہ کے لئے متعدد مطالبات کئے۔ لیکن داد رسی نہ ہوئی جس کا لازمی نتیجہ جنگ تھا۔ چنانچہ درویشوں کی ٹولیاں ادھر ادھر متحرک نظر آنے لگیں۔ اور برطانی چوکیوں اور برطانیہ کے وفادار قبائل پر حملے کئے گئے۔ تاکہ ان نقصانات کی تلافی زور بازو سے کرلی جائے۔ جو برطانی حکام نے اپنی چالوں سے ملا صاحب کے پیروؤں کو پہنچائے تھے۔

تحقیقاتی کمیشن

۱۹۰۹ء میں درویشوں کی سرگرمی اور آئندہ طرح جنگ ڈالنے کی تجویز کے پیش نظر گورنر جنرل سوڈان ایک تحقیقاتی کمیشن لے کر سمالی لینڈ گیا۔ اس کمیشن نے بربرہ پہنچتے ہی ملا صاحب کو ایک طویل خط لکھا۔ جس میں حکومت برطانیہ کی طرف سے صلح و امن کی خواہش کے اظہار کے بعد لکھا گیا تھا۔ کہ ملا صاحب اپنے سفیر بھیجیں۔ تاکہ امور متنازعہ کا تصفیہ کرلیا جائے۔ ملا صاحب کے نمائندے گفت و شنید کے لئے آئے۔ لیکن معاملات طے نہ ہوئے۔ اب کھلم کھلا جنگ، کا احتمال قوی ہوگیا۔ اور حکومت برطانیہ کو یہ اندیشہ پیدا ہوگیا۔ کہ کہیں درویشوں کی جمعیتیں غالب آکر برطانی سپاہ کا قلع قمع نہ کردیں۔ لہذا اندرون ملک کی تمام فوجی چوکیاں خالی کردی گئیں۔ اور ساری سپاہ بربرہ کے مقام پر واپس بلالی گئی۔ ۱۹۱۰ء میں اندرون سمالی لینڈ برطانی افواج سے بالکل صاف ہوگیا۔

برطانیہ کی تبدیل شدہ حکمت عملی

ملا محمد بن عبداللہ اور ان کے درویشوں کے مقابلہ میں متعدد تعزیری مہمیں لے جانے کے بعد حکومت برطانیہ کے ارباب حل و عقد نے سمالی لینڈ کے متعلق اپنی حکمت عملی تبدیل کرلی۔ کیونکہ اس وقت تک جتنی تعزیری مہمیں بھیجی گئی تھیں۔ سب کی سب اتلاف جان و مال کے علاوہ خزانۂ شاہی پر بڑے گرانقدر مصارف کا بوجھ ڈالنے کی موجب بنتی رہی تھیں۔ حکومت برطانیہ نے ساحلی بندرگاہوں پر قبضہ قائم رکھا۔ اور اندرون ملک کو دخل دینا چھوڑ دیا۔ صرف گرد و نواح کے قبائل پر رعب قائم رکھنے اور اپنی بندرگاہوں کی حفاظت کرنے کے لئے تھوڑی سی فوج ساحلی مقامات پر رکھ لی گئی۔ جہاں تک برطانیہ کے جرنیلانہ عسکری کا تعلق تھا۔ وہ جرأت اقدام کی حکمت عملی سے آزمائش ہوگئی۔ اندرون ملک میں پولیٹیکل ریشہ دوانیاں برابر جاری رہیں۔ ایک قبیلہ کو دوسرے قبیلہ کے خلاف ابھار کر آپس میں جنگ کرا دینا۔ اور ملک کی اندرونی بدامنی کی حوصلہ افزائی کرنا برطانی حکام اور ان کے سمالی جاسوسوں کا عام شیوہ بن گیا۔

خانہ جنگی کی تدبیریں

چنانچہ کئی سال اسی پر عمل ہوتا رہا۔ اگرچہ بعض قبائل ابھی تک سید محمد بن عبداللہ کے حلقۂ ارادت سے باہر ہی تھے اور ان کے درویشوں سے برسر پیکار رہتے تھے۔ تاہم ملک کے اندر ملا صاحب کا اقتدار اچھی طرح قائم ہوچکا تھا۔ برطانیہ کے حلیف قبائل اور درویشوں کے درمیان عام طور پر چھیڑ چھاڑ رہتی تھی۔ اور یہ لوگ ایک دوسرے کے گلے مویشی اور اونٹ چھین کر یا لوٹ کر لے جاتے تھے۔

برطانیہ کی شکست

سنہ ۱۹۱۳ء میں برطانیہ کے حلیف قبائل کے حملوں سے تنگ آ کر درویشوں نے بربرہ کی طرف پیش قدمی کی۔ اور بُراؤ کے قریب ان قبائل کو شکست دیکر ان کے بہت سے اونٹ اور مویشی چھین لئے۔ ان حلیف قبائل نے برطانوی حکام سے امداد کی درخواست کی۔ چنانچہ سمالیوں کی شتر سوار پلٹن کو درویشوں کا تعاقب کر کے ان سے مویشی چھین لینے کا حکم دیدیا گیا۔ یہ پلٹن کوچ کرتی ہوئی درویشوں سے برسر پیکار ہوئی۔ ۵ گھنٹہ کی شدید جنگ کے بعد سمالیوں کی شتر سوار پلٹن کو زبردست ہزیمت کا سامنا ہوا۔ اور اسے رات کی تاریکی میں بہت زیادہ نقصانات اُٹھانے کے بعد پسپا ہونا پڑا۔ برطانوی جرائد نے اس واقعہ کو بڑے بڑے عنوانات دیکر شائع کیا۔ اور لکھا کہ "سمالی لینڈ میں عساکر برطانیہ کی خوفناک تباہی" وغیرہ۔ برطانوی افسروں کو اعتراف ہے۔ کہ اگر شام کے وقت درویش رات ہو جانے کی وجہ سے لڑائی ترک نہ کر دیتے۔ تو برطانوی شتر سوار لشکر کا ایک متنفس بھی زندہ نہ بچتا۔

ہزیمت کے اثرات

اس ہزیمت کا اثر یہ ہوا کہ برطانوی افواج کو بُراؤ کا مقام بھی فوراً خالی کر دینا پڑا۔ اور وہاں کے تاجر اور دکاندار بھی شہر چھوڑ کر بھاگ آئے۔ اگلے ہی دن درویشوں کی ایک جمعیت نے اس مقام پر قبضہ کر لیا۔ اور غیر محفوظ دکانوں اور مکانوں کو لوٹ لیا۔ چند ماہ کے بعد درویشوں کی ایک حملہ آور جماعت نے بربرہ پر چھاپا مارا۔ درویشوں کی ان سرگرمیوں کے پیش نظر سنہ ۱۹۱۴ء میں ایک زبردست مہم لیجانے کی طیاریاں ہو رہی تھیں۔ کہ جنگ عظیم شروع ہو گئی۔ اور جس قدر لشکر واپس بلایا جا سکتا تھا۔ سمالی لینڈ سے واپس بلا لیا گیا۔

برطانیہ سے چپقلشیں

دوران جنگ میں حکومت برطانیہ کا مقصد محض بربرہ اور اس قسم کی اور ایک ادھ بندرگاہوں کو جو عسکری اہمیت رکھتی تھیں محفوظ رکھنا تھا۔ چنانچہ ملا محمد بن عبداللہ کے درویش شمالی ساحل تک پہنچ گئے۔ جہاں برطانیہ کی دیسی شتر سوار فوج سے انہیں کئی بار لڑنا بھڑنا پڑا۔ ایک دفعہ درویشوں کا ایک لشکر سمالی ساحل کے ساتھ ساتھ نقل و حرکت کر رہا تھا۔ کہ ایک برطانوی جنگی جہاز نے اس پر بے دردانہ گولہ باری کر کے اُسے تباہ و برباد کر دیا۔ اس لشکر میں عورتیں بچے اور مویشی بھی تھے۔

درویشوں کے استیصال کا ارادہ

سنہ ۱۹۱۰ء سے سنہ ۱۹۱۹ء تک حکومت برطانیہ نے اندرون سمالی لینڈ پر قبضہ جمانے کی کوشش نہیں کی۔ لیکن جنگ عظیم کے خاتمہ کے بعد فیصلہ کر لیا گیا۔ کہ جنگ کے ہولناک اور تازہ تازہ تجربوں کو سمالی لینڈ پر قبضہ جمانے اور ملا محمد بن عبداللہ کے پر جوش درویشوں کے استیصال کے لئے استعمال کیا جائے۔

برطانیہ کی آخری اور کامیاب مہم

سنہ ۱۹۱۹ء کے آخر میں برطانوی حکام نے یورپ میں صلح کا فیصلہ کرتے ہی بربرہ اور دوسری چھوٹی چھوٹی بندرگاہوں پر چپکے چپکے یلغار کی طیاریاں شروع کر دیں۔ اب کے زمانہ جنگ کی نئی خوفناک ایجادات سے حملہ کا بندوبست ہو رہا تھا۔ چنانچہ نہایت رازداری کے ساتھ ہوائی جہازوں کا سازوسامان بربرہ میں فراہم کر لیا گیا۔ اور اس بہانہ سے کہ بربرہ میں مٹی کے تیل کے کنوئیں نکالے جائیں گے۔ اور کارخانے جاری کئے جائینگے۔ ہوائی مستقر قائم کر لئے گئے۔ تاکہ ملا محمد کے جاسوسوں اور دیگر سمالیوں کو شبہ تک نہ ہو۔ کہ درویشوں پر حملہ کی طیاریاں ہو رہی ہیں۔ تجویز یہ تھی۔ کہ چند روز ہوائی جہاز ملا صاحب کے لشکر دل پر بے پناہ بمباری کریں۔ ہوائی جہاز ان میں خوف اور رعب پیدا کر دیں گے۔ ان کے حوصلے پست ہو جائیں گے۔ اور ان کی جمعیتیں تتر بتر ہونے لگیں گی اس کے بعد طیاروں کی آزادانہ تاخت بند کر کے اندرون ملک پر چڑھائی کی جائے۔ اس یلغار میں بھی ہوائی جہازوں کی مدد لی جائے

ہوائی تاخت

اوائل سنہ ۱۹۲۰ء میں ملا محمد بن عبداللہ طلیل کے مقام سے نقل مکانی کر کے جدالی اور جدایشیہ کے مقامات پر فروکش ہو رہے تھے۔ چونکہ انہیں حکومت برطانیہ کی طرف سے حملہ کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔ اس لئے انہوں نے کسی قسم کی جنگی طیاریاں نہیں کر رکھی تھیں۔ ۱۹ر جنوری کو ۸ ہوائی جہاز تاخت و تاراج کے لئے روانہ ہوئے۔ ان میں سے دو ہوائی جہازوں نے ملا صاحب کے کیمپ پر بم گرائے۔ اور دوسرے طیاروں نے درویشوں کی دوسری بستیوں پر گولے پھینکے۔ شمالی لینڈ والوں نے کبھی ہوائی جہاز کے متعلق کچھ نہ کچھ سنا تھا۔ اسی لئے ان حملوں سے انہیں بہت نقصان اُٹھانا پڑا۔ پہلے پہل تو ایک عام خوف پیدا ہو گیا۔ لیکن جب وہ ہوائی جہازوں کی تاخت سے اچھی طرح آشنا ہو گئے۔ تو یہ خوف بھی دور ہو گیا۔

فوجی پیش قدمی

ایک ہفتہ تک طیاروں نے ہوائی تاخت کا یہ سلسلہ جاری رکھا اس کے بعد فوج کو پیش قدمی کرنے کا حکم دیدیا گیا۔ اندرون ملک پر عام چڑھائی کر دی گئی۔ اب کے وہ فوجیں استعمال کی گئیں۔ جو جنگ یورپ میں متعدد مقامات پر جنگ کا تجربہ حاصل کر چکی تھیں۔ درویش ہر قلعہ پر بڑی بے جگری کے ساتھ لڑے۔ انہوں نے ہر مقام پر مردانہ وار مقابلہ کیا چونکہ برطانیہ کی یہ مہم اچانک شروع ہو گئی تھی۔ اور سازوسامان کی مقدار اور برطانوی قواعد داں فوج کی تعداد بہت زیادہ تھی اس لئے درویشوں کو متعدد مقامات پر ہزیمت ہوئی۔ اور وہ پسپا ہو کر طلیل کی طرف چلے گئے۔ جہاں ان کا ایک بہت بڑا قلعہ تھا۔ پہلے برطانوی طیاروں نے آتشیں بم گرا کر اس قلعہ کو آگ لگا دی۔ ازاں بعد طلیل کا محاصرہ کر لیا گیا اس مقصد کے لئے پہلے سے فوج روانہ کی جا چکی تھی۔ درویشوں کے پاؤں یہاں سے بھی اکھڑ گئے۔ اور اب ملا صاحب کو حبش کے سمالی لینڈ کی سرزمین میں پناہ لینی پڑی۔

اس یلغار میں برطانوی فوج نے درویشوں کے تمام قلعوں کو منہدم کر دیا۔ طلیل کی عالی شان قدیمی عمارت بھی زمین کے برابر کر دی گئی۔ ملا صاحب کے بہت سے قریبی رشتہ دار گرفتار کر لئے گئے۔ اور درویشوں کی جمعیت کا زور توڑ دیا گیا۔

آخری دور

ملا محمد بن عبداللہ کو بیس سال کے متواتر جہاد کے بعد یہ ہزیمت اُٹھانی پڑی۔ اور وہ حبش کے سمالی لینڈ میں پناہ گزین ہونے پر مجبور ہو گئے۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے درویشوں کا ایک تازہ دم لشکر جمع کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ انگریز بھی اس بات سے بے خبر نہ تھے۔ انہوں نے پہلے تو سمالی لینڈ کے شیوخ و اکابر کا ایک وفد ملا صاحب کی خدمت میں بھیجا۔ حکومت برطانیہ کی طرف سے انہیں امان کا پیغام دیا گیا۔ اور کہا گیا کہ اگر ملا صاحب گوشۂ عزلت میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنا چاہیں۔ تو مغربی شمالی لینڈ کے کسی مقام پر ان کی سکونت کا خاطر خواہ انتظام کر دیا جائیگا۔ لیکن ملا محمد بن عبداللہ جس نے اپنی ساری عمر میں کسی فرنگی کے چہرے کی طرف نگاہ تک نہ کی تھی۔ کیسے اس امان کو تسلیم نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ برطانوی وفد کو گول مول جواب دے کر ٹال دیا گیا۔

وفات

ملا صاحب اس علاقہ میں بیٹھے لشکر فراہم کر رہے تھے۔ کہ انفلوئنزا کے عارضہ میں چھ دن علیل رہ کر ۲۳ نومبر سنہ ۱۹۲۰ء کو انتقال فرما گئے۔ اور ان کے ساتھ ہی سمالی لینڈ کو استعماری قوتوں کے پنجہ سے خلاصی دلانے کے جہاد بالسیف کا خاتمہ ہو گیا۔

سمالی لوگ ملا صاحب کے کارناموں کو یاد کرتے ہیں اور اس باخدا بزرگ، پر جوش مجاہد اور بہت در غازی مرد کا ذکر خیر بڑی عقیدت و احترام کے جذبہ سے متاثر ہو کر کرتے ہیں۔ جس کی اولوالعزم شخصیت نے کامل بیس سال برطانیہ کی استعماری قوتوں کا مقابلہ کیا۔ اور جس کی روحانیت نے سمالیوں کے اکثر قبائل کو مذہبی اور دینی حیثیت سے سرگرم اور پر جوش بنائے رکھا۔ اللہ تعالیٰ اُس کی قبر کو ہمیشہ نور سے بھری رکھے +



نقشہ سمالی لینڈ
مجاہد ملّا کی داستان جہاد کے لئے
خلیج عدن
عدن
فرانسیسی سمالی لینڈ
زیلع
لاس خوری
بربرہ
برطانی سمالی لینڈ
جدالی
حرار
طیل
حبش کا سمالی لینڈ
بحر ہند

ماہِ نو و شاعر

(پروفیسر محمد اکبر صاحب منیر ایم اے)

شاعر

اے ماہ تا بدر شفق لالہ گوں شوی غلطاں چرا مثالِ شہیداں بخوں شوی؟

تنہا ستی چو لکۂ ابرے بر آسماں در انتظار کیستی و چوں زبوں شوی؟

بودی و ہفتہ پیش سرافراز چوں شہاں اکنوں چہ شد کہ بندہ صفت سرنگوں شوی؟

از بہرِ چیست ایں ہمہ سرگشتگی بگو گہ غوطہ میزنی بہ افق گہ بروں شوی؟

اے پیک چرخ! دوختہ چشم بر زمیں خواہی بہ اہلِ خاک مگر رہنموں شوی؟

اے ماہِ نو! بگوی چہ باشد پیامِ تو؟

تا برخورم شرابِ حقیقت ز جامِ تو

ماہ

ہموارہ سر ز دامنِ گردوں بر آورم گہ تیغ ہست و گاہ سپر گشتہ پیکرم

تیغ و سپر بگیرم و با لشکرِ نجوم گردم بر آسماں کہ شہنشاہ کشورم

تا از حیاتِ نو بدہندم سُراغکے در گردشم ز خیمۂ نُہ پردہ بگذرم

چوں غازیاں کہ پیکرِ سیمیں زنم بخوں خواہم حیاتِ عشق و جوانی بسر برم

از عشقِ دوست پُر شدہ جانم گماں مبر بر آستانِ غیر نگوں میشود سرم!

از حُسنِ دوست نورِ محبت بجاں کنم

زاں نورِ پاک پیری خود را جواں کنم

چشمِ دلت کشا و ریاضِ جہاں ببیں ایں بزم پیر را چو بہاراں جواں ببیں

بنگر بروئے خاک چمنہائے رنگ رنگ بالائے چرخ گلکدۂ کہکشاں ببیں

چوں باغِ دہر پرتوِ انوارِ ایزد یست ایں باغِ دہر را ہمہ مینو نشاں ببیں

ہر جا شگفتہ لالۂ گلزارِ حُسنِ دوست ہر سو بہار جلوۂ آں جانِ جاں ببیں

حُسنِ حیات را بجہاں و عیاں نگر عشقِ حیات را بدل اندر نہاں ببیں

از حُسن زندگی چو بساطِ سمن شود

از عشق ایں بساط چمن در چمن شود

روئے زمیں روانیِ آب است زندگی روئے فلک خرامِ سحاب است زندگی

بیباک و تابناک شرر ریز و برق خیز چوں مستیِ زمانِ شباب است زندگی

پُر جلوہ ہمچو دامنِ گلزارِ نو بہار پُر نغمہ ہمچو تارِ رباب است زندگی

دُوں ہمتاں بہ بارگہِ او نمی رسند چوں عرش بس بلند جناب است زندگی

عشق غیورِ حُسن رخش بیند آشکار پنہاں اگرچہ زیرِ نقاب است زندگی

اے طفلِ کم نظر! بہ عیانش فدا شوی

با عشق ساز تا بہ نہاں آشنا شوی

اورنگ زیب کے خلاف باپ اور بھائیوں کی سازشیں

شاہزادہ شجاع اور اورنگ زیب کے تعلقات

(از سیّد نجیب اشرف صاحب ندوی رفیق دار المصنفین)

اورنگ زیب کے خلاف جو فرد جرم قائم کی گئی ہے۔ ایسی ضعیف، مریض، معمر باپ کی اسیری اور بھائیوں کی تباہی کو نمایاں طور پر دکھا کر کہا جاتا ہے۔ کہ اس نے ایک طرف تو باپ کو ظالمانہ طریقہ سے قید کر دیا۔ اور دوسری طرف حکومت کے اصلی حق دار اور تسلیم شدہ ولی عہد داراشکوہ کو قتل، اپنے دوسرے بھائی شجاع کو پہلے ترک وطن اور پھر بے نام و نشان اور چھوٹے بھائی مراد کو جس کی ہمت و جوانمردی سے بام حکومت تک پہنچا تھا اسیر اور پھر قتل کر کے ان مظالم کا بوجھ لیتا ہوا تخت پر بیٹھا۔ جن اصحاب کو تاریخ سے ذوق ہے اور جو فرقہ دار جذبات سے دولت انصاف کو کھو نہیں بیٹھے ہیں انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ ان الزامات کی کیا حقیقت ہے۔ اور میں نے خود ان میں سے بعض الزامات کے چہرہ پر سے نقاب دور ہٹا کر حقیقت کے اصلی خط و خال کو سامنے کر دیا ہے "رقعات عالمگیری" کے حصہ اول میں جو اس وقت زیر طبع ہے۔ اور جو اورنگ زیب کے عہد شہزادگی سے تخت نشینی تک کے حالات پر مشتمل ہے۔ ان الزامات پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ آج کی صحبت میں میں صرف یہ دکھانا چاہتا ہوں۔ کہ ابتدا ہی سے اورنگ زیب نے شجاع کے ساتھ کس قدر برادرانہ و مخلصانہ برتاؤ قائم رکھا تھا۔ اور کس طرح اُس نے ہر وقت اس کو منانے، راضی اور خوش کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے مقابلہ میں کس طرح شجاع نے ہمیشہ اورنگ زیب کی نرمی سے فائدہ اٹھا کر اس کو تنگ کر رکھا تھا اور جو مصائب بھی اس کو برداشت کرنے پڑے وہ سب کس طرح مخود کردہ تھے۔

شہزادہ محمد شجاع

شہزادہ محمد شجاع بہادر شاہجہان کا دوسرا لڑکا تھا۔ وہ عہد جہانگیر میں ۱۴ جمادی الاول ۱۰۲۵ھ ہجری کو اجمیر میں پیدا ہوا۔ اور ہمیشہ اپنے باپ کے سایہ عاطفت میں پرورش پاتا رہا۔ شاہجہان نے تخت نشین ہونے کے بعد ہی اسے حکومت کے کاموں میں لگانا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ پہلے اسے دکن کی مہم پر روانہ کیا گیا۔ پھر قندھار کیطرف بھیجا گیا۔ اور اس کے بعد ۳۰ شوال ۱۰۴۸ھ ہجری کو بنگال کا گورنر بنا دیا گیا۔ اُس کے تین سال بعد ہی ۵ ذی الحجہ کو اسے اوڑیسہ بھی دے دیا گیا۔ اور وہ ۲۰ سال تک بنگال جیسے شاداب ملک پر نہائت اطمینان سے حکومت کرتا رہا۔ پایہ تخت سے دوری نے اسے مطمئن ہی نہیں بلکہ کاہل، آرام طلب اور بڑی حد تک اپنے فرائض سے غافل بھی کر دیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی بادشاہ ہمیشہ اسے محبت کی نظر سے دیکھتا اور وقتاً فوقتاً تحائف بھیجتا تھا۔ اس بست سالہ گورنری کے زمانہ میں وہ دو مرتبہ بنگال سے آیا۔ ایک مرتبہ اس وقت جبکہ جہاں آرا بیگم کو حادثہ آتش زدگی پیش آیا تھا۔ اور دوسری مرتبہ جب شاہجہان دوسری مہم قندھار کے سلسلہ میں کابل میں قیام پذیر تھا۔ اس کی بڑی بہن جہان آرا بیگم بھی اس کو بہت مانتی تھی۔ چنانچہ اس کی (شجاع کی) شادی کے تمام اخراجات اسی (جہاں آرا بیگم) نے برداشت کئے تھے۔ طالب نے شادی کی تاریخ میں ایک قطعہ بھی لکھا تھا اور اس مصرعہ سے تاریخ نکالی تھی۔ ع

"مہد بلقیس بسر منزل جمشید آمد" ۱۰۴۲ھ ہجری

دارا کی چالیں

اورنگ زیب کے ساتھ بھی اس کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ اور اسی خوشگواری کا نتیجہ تھا۔ کہ داراشکوہ نے ان دونوں بھائیوں کو ایک دوسرے سے لڑا دینے کی سعی غیر مشکور کی تھی۔ چنانچہ دوسری مہم قندھار کے وقت جب اورنگ زیب ہمہ تن اپنے ذمہ دارانہ کام میں مشغول و منہمک تھا۔ اور شجاع بھی اس کی شرکت کی لئے بنگال سے روانہ ہو چکا تھا۔ دارا کو اس بات کا علم تھا۔ کہ وہ شجاع سے براہ راست اس قسم کی کوئی بات اگر کہے بھی تو وہ موثر نہ ہوگی۔ اس لئے اس نے شاہجہان کے کان بھرے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شاہجہان نے اورنگ زیب کو ایک خط میں لکھا کہ:-

"آں مرید با محمد شجاع بہادر سلوک پسندیدہ نمودہ
از خود راضی دارد و دقیقہ از دقائق اخلاق نامرعی
نگزارد"

اورنگ زیب اس بلا سبب شکائت کی وجہ سمجھ گیا اور اس نے بھی اسی انداز میں اس کا جواب دیا:-

قبلۂ جہان و جہانیاں سلامت!
بر عالمیاں ظاہر است کہ کار بندگان اعلیٰ حضرت خدا ساز است، و بحسن تائید الٰہی بے سعی مخلوقے از پیش میرود، ہر کس ہر چہ میکند برائے خود میکند۔ اما بحمد اللہ تعالیٰ کہ ایں مرید بمین ارشاد پیر و مرشد حقیقی نفع خویش را از حضر باز دانستہ پیش رفت کار صاحب قبلہ و مہر ولی نعمت خود را اہم مطالب میداند و بجز ایں مقصودے ندارد امیدوار است کہ ایشاں را نوعے از طرز سلوک راضی و خورسند ساخد۔ کہ بعد مراجعت از فتح قندھار صورت حسن اتفاق در پیشگاہ باطن فیض مواطن اقدس ظاہر و ہویدا گشتہ، موجب مزید مجرائی ایں مرید شود"

باپ بیٹے میں بلیغ طنز

لیکن دارا کی ریشہ دوانی جاری رہی۔ اور شاہجہان کو اورنگ زیب کا بیان مطمئن نہ کر سکا۔ شجاع بھی کابل کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اس لئے شاہجہان نے جس خوبصورت طنز آمیز لہجہ میں اورنگ زیب کو اس کی اطلاع دی ہے۔ وہ نہ صرف دربار کی حالت ہی کے لئے بہت دلچسپ ہے۔ بلکہ ادبی حیثیت سے بھی بہت بلیغ ہے وہ لکھتا ہے:-

"برادر کلان آں مرید را ہر چند فرمان نوشتہ بودیم کہ چون بسبب بیماری کہ در راہ کشیدہ خود را بوقت متوانست رسانید، برگشتہ بہ بنگالہ برود، غیرت فرزندی بہ ما، آں فرزند را نگزاشت کہ برگردد، با یلغار روانہ ملازمت ما شدہ، شاید کہ در ساعت نزول موکب معلے بکابل خود را بملازمت برساند و فردائے آں رخصت شدہ در غزنی بلشکر ظفر قرین ملحق گردد"

اورنگ زیب کی سیاست دانی اور ادبی ذوق کی داد دینا پڑتا ہے۔ کہ اس نے اس طنز کا اتنا بہتر جواب دیا کہ شائد اس سے بہتر نہیں ہو سکتا تھا:-

قبلہ و کعبہ ایں مرید سلامت!

آنچہ از غیرت و قوت نفس بادشاہزادۂ جہانیاں بخاطر ملکوت ناظر پر تو انداختہ بیان واقع است ہر آئینہ مریدان جان سپار را در راہ عقیدت و بندگی چنیں ثابت قدم باید بود۔ للہ الحمد کہ بتوجہ باطن قدس مواطن اعلیٰ حضرت صحت کامل نصیب ایشاں شدہ با یلغار عازم دریافت پائے بوس اقدس کہ معراج ہمت سعادتمنداں است گردیدہ اند۔ امید کہ عنقریب فیض ملازمت با سعادت حاصل نمودہ بلشکر نصرت اثر ملحق شوند، تا با تفاق دیگر پیش رفت خدمت مرشد ولی نعمت خود لوازم سعی و کوشش بظہور آید"

فتح قندھار میں تاخیر کا مسئلہ

مگر اس کا بھی کچھ اثر نہ ہوا۔ چنانچہ شاہجہان نے شجاع کو کابل پہنچنے کے بعد غزنی میں جا کر فوج سے مل کر مہم قندھار میں شریک ہونے سے روک دیا۔ اور وہ مہینوں تک بادشاہ کے ساتھ کابل ہی میں رہا۔ یہاں سے داراشکوہ کی ریشہ دوانیوں کے مطالعہ کو اچھا موقع ملا۔ دارا نے مہم قندھار کو اس خیال سے اگر کہیں قندھار فتح ہو گیا تو اورنگ زیب کی عزت میں چار چاند لگ جائیں گے، جلد از جلد ختم کرنے پر شاہجہان کو آمادہ کر کے

فوج کی واپسی کا حکم سعد اللہ خان کے نام روانہ کر دیا۔ اور اورنگزیب کو اس ناکامیابی کا الزام لگا کہ ۔۔۔ اس قدر معتوب اور ذلیل کیا کہ شائد تاریخ اس کی کوئی دوسری مثال پیش نہیں کر سکتی۔ حالانکہ جیسا میں اپنے ایک مضمون میں "انقلاب" ہی کے صفحات میں دکھا چکا ہوں۔ کہ غریب اورنگ زیب کی اس مہم میں ایک معمولی ماتحت جنرل سے زیادہ حیثیت نہ تھی لیکن پھر بھی شاہجہان لکھتا ہے:۔

(۱) "بسیار عجب نمود کہ با چنیں سرانجام قلعہ بدست نیامد"

(۲) "تا از سر قندہار گذشتنی نیستیم بہر طریق کہ دانیم سرانجام گرفتن آن خواہیم فرمود"

(۳) "اگر مے دانستیم کہ قلعۂ قندہار را سے نتوانند گرفت لشکر را طلب نمے فرمودیم"

(۴) "از ہر کس کار سے می آید و عقلاء گفتہ اند کہ آزمودہ را نباید آزمودہ"

(۵) "اگر آن مرید ولائت دکن را ہم آبادان تواں کرد بسیار خوب است"

اورنگ زیب کے ساتھ بے سبب سرد مہری

شاہجہان کے پدرانہ ترکش کے یہ چند تیر تھے۔ اورنگ زیب نے جس صفائی، جس ہمت اور جس فرزندانہ اطاعت و سادگی کے ساتھ اپنی بے قصوری اور اپنی صفائی پیش و ثابت کی ہے، وہ طوالت کے خیال سے نہیں دی جاتی، اورنگ زیب کو کہا جاتا ہے۔ کہ:۔

"آں مرید ہمیں کہ بملازمت برسد، رخصت دکن مے فرمائیم"

اور اس دھمکی کو اس طرح عملی جامہ پہنایا جاتا ہے۔ کہ اورنگزیب ۱۲ رمضان ۱۰۶۲ھ (۷ اگست ۱۶۵۲ء) کو بادشاہ کی خدمت میں ایک پیر جنگ۔ اور افغانستان کی دشوار گذار گھاٹیوں سے بعجلت تمام حاضر ہوتا ہے۔ اور ایک عشرہ کے اندر ۲۲ رمضان (۱۷ اگست) کو دکن روانہ کر دیا جاتا ہے۔ رمضان تک کا خیال نہیں کیا جاتا۔ اس کے ساتھ ہی اسے دکن میں جو جاگیر دی جاتی ہے وہ اس قدر کم حاصل ہے۔ کہ اورنگ زیب حیران ہے۔ کہ وہ اپنی بد قسمتی کے سوا اسے کیا سمجھے۔ یہیں پر تمام آفتیں ختم نہیں ہو جاتیں۔ اسے اس کی بھی اجازت نہیں ہوتی کہ اپنے سابقہ صوبہ ملتان سے جا کر اپنے بال بچوں کو لا سکے بلکہ شاہجہان جہان آرا بیگم کے ذریعہ سے اورنگ زیب کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو لکھ دے کہ:۔

"از ملتان بلاہور بیائند"

دارا کی نئی کارستانی

اب دارا اور اس کے ایجنٹوں کی کارگذاریاں بھی ملاحظہ فرمائیے، اورنگ زیب کے ملازموں کے ملتان سے روانہ ہونے کے بعد دارا کا نائب (کیونکہ یہ صوبہ اب دارا کو مل گیا ہے) شاہجہان کو یہ اطلاع دیتا ہے۔ کہ اورنگ زیب کے آدمیوں نے ملتان کا محل لوٹ لیا۔ اسے برباد کر دیا۔ اور اس کے دروازے اور پتھر تک بیچ ڈالے۔ اسکی تحقیقات ہوتی ہے۔ حقیقت حال سامنے آتی ہے۔ لیکن رپورٹ شاہجہان کے سامنے پیش نہیں کی جاتی۔ اور وہ اسی غلط خبر کے ماتحت جہان آرا بیگم سے کہتا ہے۔ کہ وہ اورنگ زیب کو لکھے کہ:۔

"چوں از عرضہ داشتِ دارا بھائی جیو کہ از ملتان بدرگاہ والا فرستادہ بودند کیفیت عمارات آنجا کہ مردم این خیر اندیش خراب نمودہ چوب دروازہ آں را سوختہ و فروختہ اند بعرض مقدس رسید برزبان ارشاد بیان مرشد جہانیان گذشت کہ این قسم کارے از مردم آن مرید خوب نبود ہمہ ملک و ہمہ جا از ماست ہر کہ مصدر این تقصیر شدہ باشد او را تنبیہ نمائند"

حقیقت حال

اب اورنگ زیب کا جواب سنیئے:۔

مہربان من! برائے اعلیٰحضرت ہویدا خواہد بود کہ این مرید بدین طریق کمتر آشنا است، و مردمے کہ دارد نیز در ہیچ صوبہ مرتکب چنیں حرکتے کہ قبح آن بر ہمہ کس آشکار است نشدہ اند، در ملتان خود چہ گنجائش دارد؟

باوجود آنکہ قبل ازیں وقتے کہ این معنی را از واقعۂ ملتان فرستادۂ شیخ موسے معروض بارگاہ خلافت شدہ، حسب الحکم سید علی فرد واقعہ را پیش این مرید آوردہ موجب خرابی عمارات آنجا بعد از تحقیق و رسیدن عرائض متصدیان ملتان کہ با آنہا از روئے توبیخ و سرزنش نوشتہ شدہ بود، نوعے کہ ہست محمد صفی داخل واقعہ نمودہ، عجب است کہ صورت حال بعرض اقدس نرسیدہ، حقیقت راست نوشتہائے وقائع نویس ملتان آشکارا شدہ باشد ہر گاہ در حضور گماشتہائے دارا بھائی جیو و شیخ موسے مردم شہر از غفلت و بے خبری آنہا لیس از برآمدن مردم این مخلص عمارت قلعہ را درہم شکستہ مصالح را

تاراج کردہ باشند وثانی الحال شیخ مسطور دروازہائے دو حجرہ را کہ بجائے عمارت از خانہائے سکنۂ آنجا برآوردہ، آنہا را صاحب تقصیر ساختہ جرمانہا گرفتہ باشد، مردم این ہر دو را چہ گناہ - اگر تقصیرے بر آنہا لازم مے گشت ہماں وقت بسزائے کردار خویش می رسیدند"

عداوت کی حد ہوگئی

دارا کی آتش عداوت اب بھی سرد نہیں ہوتی۔ اور اورنگ زیب جب لاہور پہنچتا ہے۔ تو اسے ایک عجیب سین نظر آتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی بہن کو ان الفاظ میں اس کے متعلق لکھتا ہے:-

" صاحب من! از گماشتہ دارا کھوائی کہ در لاہور مے باشد طرفہ ادائے مشاہدہ رفت - ظاہراً بقصد استقبال ایشان از شہر برآمدہ بود، و روزے کہ این نیازمند درگاہ بے نیاز در حوالئی لاہور نزول کرد، او از جائے خود سوار شدہ و نزدیک یا زود گذشتہ باز رو بشہر نہاد، و معلوم نشد کہ باعث این حرکت خشک چہ بود، غالباً باشارت صاحب خود مرتکب چنین اداہائے بے موقع گردیدہ باشد۔

مطلب از اظہار آن است کہ صاحب مہربان بمراتب التفات نشان بے بردہ باشند۔ اللہ بس، ماسواہ ہوس"

آخر کے چند الفاظ اورنگ زیب کی اس انتہائی مایوسی اور روحانی تکلیف کو ظاہر کرتے ہیں جو اسے دارا سے پیہم پہنچ رہی تھی

یہ سلسلہ آخر وقت تک جاری رہا۔ لیکن چونکہ یہاں پر ہم کو اس سے مطلب نہیں ہے۔ اور دارا کے رویہ کو سمجھنے کے لئے اتنی ہی باتیں بہت ہیں۔ اس لئے اب ہم اصل موضوع کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

اورنگ زیب شجاع اور مراد کا معاہدہ

ہم اوپر بتا آئے ہیں۔ کہ دارا نے کس طرح شجاع کو اورنگزیب سے بدظن کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن چونکہ وہ خود زخم خوردہ تھا اس لئے بجائے اس کے کہ اُس پر اس کا کوئی اثر ہو بالکل اس کے خلاف اثر پیدا ہوا۔ اور اس کا بین ثبوت وہ ابتدائی معاہدہ ہے جو پہلے شجاع اور اورنگ زیب میں ہوا۔ اور پھر درحد میں مراد کو بھی اس میں شریک کر لیا گیا۔

شجاع کو اورنگ زیب کی روانگی کابل سے پہلے ہی رخصت کر دیا گیا تھا۔ اور کوشش یہ ہو رہی تھی کہ دونوں بھائیوں کو ملنے نہ دیا جائے۔ چنانچہ اورنگ زیب کو دریائے اٹک کے اُسی طرف روک دیا گیا۔ اور جب شجاع آگے نکل چکا۔ پھر اورنگ زیب روانہ ہوا۔ لیکن شجاع ابھی آگرہ ہی میں تھا۔ کہ اورنگ زیب وہاں پہنچ گیا۔ اس کی جو کیفیت اورنگ زیب نے جہاں آرا بیگم یا شاہجہان کو لکھی ہے اُس میں حقیقت کی تلاش فضول ہے۔ کیونکہ ہر شخص جانتا ہے۔ کہ یہ دونوں دارا کے حامی تھے۔ اس لئے اب ہم اس عہد کی تاریخوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ عاقل خان اورنگ زیب کا ملازم خاص تھا۔ اور اس لئے اس ملاقات کا مفصل حال ان الفاظ میں لکھا ہے:-

"چون ظلال اقبال بر مستقر الخلافت اکبرآباد مبسوط گردانیدند، تا شش روز دران شہر دل فروز توقف فرمودہ فیما بین طرح محبت و صفا انداختند، و سہ روز حضرت جہاں پناہی در منزل شاہ شجاع و سہ روز در دولت خانہ والا بسر بردہ بہ تمہید بساط عیش و نشاط و ترتیب مسرت و انبساط پرداختند و مرایائے تودودلا را بمصقلہ یک جہتی و یکدلی روشنی و صفا بخشیدہ بجہت مزید استحکام بنائے محبت و اتحاد و تشئید مبانی خلت و وداد باوجود یگانگی معنوی پیوند صوری را درمیان آوردہ صبیہ شاہ شجاع بہ سہی سرو جوئبار سلطنت و جہانداری سلطان محمد و مخدرہ سرادقات خسروی را بہ سلطان زین العابدین خلف الصدق شاہ شجاع نامزد ساختند"

آنگاہ خلوت کدہ صدق و صفا بسان طلعت آئینہ مصفا داشتہ و از کدورت ظاہر و باطن پرداختہ راز درون بیرون انداختند و بعنوان مشاورت سررشتۂ سخن فرو کردند و بجہت تمشیت مہم خویش و مآل کار رائے بردہ باہم گفتند کہ برادر بزرگ بسان گرگ تشنۂ خون اخوان ہست، و با آنکہ ظل ظلیل حضرت صاحبقران بر فرق جہانیان مبسوط است از کید و گزندش ایمن نیستیم۔ معاذ اللہ از ان روز کہ روزگار عنان سلطنت و زمام دولت بقبضۂ اقتدارش و کف اختیارش دہد، دیگر توقع امن و آسائش و عافیت و آرام از ما رو مے تابد و حلاوت شادمانی مفقود و لذت زندگانی نابود مے گردد، و با او در مقام مقاومت پافشردن

وگوئے مقصود از میان بردن محفل محال ؛

درین صورت شائستۂ عالم مصلحت وپسندیدۂ جهان عقل ودیانت آن است که با هرسه برادر طریقۂ انیقۂ اتحاد واتفاق را پذیرا گشته بمیامن موافقت وبرکات معاضدت همه گی آتش شر او را منطفی سازیم وصورت کلفت وفتنه نقش بشکنیم ؛

دریں باب عهد وپیمان را با میان مؤکد گردانیده بنائے موافقت ومصادقت را بقسم وسوگند استحکام بخشیده آنحضرت لوائے توجه بمستقر دولت خود مرتفع ساختند وشاه شجاع روئے توجه بجانب بنگاله نهاد ؛

مراد کا خط جہاں آراء کے نام

چونکہ مذکورہ بالا معاہدہ تینوں بھائیوں میں تھا۔ اس لئے اورنگ زیب نے راستہ ہی میں بمقام دوراہہ مراد سے ملاقات کی۔ اور اسے بھی شرائط معاہدہ سے آگاہ کردیا۔ چنانچہ مراد بخش اپنے ایک خط میں جو اس نے جہاں آرا بیگم کو لکھا۔ رقعات میں اس کا ذکر کیا ہے :۔

"درمنزل دوراہہ کہ انتظار آمدن برادر والا گہر بھائی اورنگ زیب مے کشید، بورود ولنشان مرحمت عنوان ...... بہجت تمام وانبساط کلی اندوخت ......

دوئم شہر صفر ختم بالخیر والظفر بھائی جیو بآن منزل تشریف آوردند ودو سہ گروہ باستقبال رفتہ ایشان را دریافت، سیوم وچہارم ماہ مذکور مقام کردہ از روئے اتحاد ویگانگی صحبت داشتہ شد چوں خلوص اخلاص ووفور عقیدتے کہ ہر دو طرف را خدمت آن صاحب مہربان والا قدر متحقق است فیمابین جہت جامع بود ہنگامہ محبت از صداقت گرمی تمام پذیرفت ......"

امید کہ بنائے این دوستی ویگانگی ہا روز بروز استحکام تازہ پذیرد"

جنگ کے ابتدائی دور کے خطوط

اورنگ زیب نے بھی جہاں آرا اور شاہجہان کو شجاع ومراد سے ملاقات کے حالات نہائت احتیاط کے ساتھ لکھے ہیں لیکن ہم طوالت کے خیال سے ان کو نظر انداز کردیتے ہیں۔ البتہ اس بات کو واضح کرنے کے لئے کہ مراد یقیناً اس معاہدہ میں شریک تھا اُسکے اُن خطوط کے (اقتباسات) درج کرتے ہیں جو اس نے جنگ برادران کے ابتدائی زمانہ میں اورنگ زیب اور شجاع کو لکھے تھے۔ چنانچہ وہ متعدد خطوط میں اورنگ زیب کو لکھتا ہے :۔

(۱) چون اخبار واستخبار ناگزیر عہد وپیمان است کہ فیمابین مستحکم ومؤکد گردیدہ امید کہ ازیں عالم واز عالم دیگر ہر چہ بآن صاحب رسیدہ باشد نیز اعلام فرمائند"

(۲) ہرچند آن صاحب والا قدر از اورنگ آباد بطرف برہان پور بصوب مالوہ زودتر متوجہ شوند ہم مصلحت وقت وہم بوفائے عہد اقرب است"

(۳) الحمد للہ والمنۃ کہ درستی عزم وثبات قدمی ایشان (شجاع) بر معہود بمرتبہ کمال است"۔

(۴) ہمیں معنے را کہ حضرت اعلیٰ آزار صعبے کشیدہ رو بہی آوردہ اند۔ بدیدن ایشان میروم شہرت دادہ باتفاق با ہرسہ برادر بجمعیت آراستہ روانہ مقصد شویم"

(۵) اگر این طرز پسند خاطر افتد آن صاحب وقبلہ بھائی جیو (شجاع) را ہم درین باب متفق ساختہ در یک ساعت ویک وقت از جاہائے خود روانہ مطالب بائد شد"

(۶) بہترین صورت ہائے دفع وتنبیہ غنیم آن است کہ بموجب معہود آن صاحب مہربان خود از آنجانب در آمدہ فوجے را کہ بمالوہ بیاید باراده کہ آمدہ باشد بردارند"

(۷) از معہودات فیمابین آنست کہ ہرگاہ ملعون بیکے از برادران بہ پیچد دیگران امداد بکنند۔ درین وقت بو(دارا) افواج را بطرف گرامی برادر عالی مقدار (شجاع) فرستادہ، چون امداد دیگر صورت ندارد مے باید از جاہائے خود حرکت نمودہ مخالف را دودلہ ساختہ ایفائے موعود نمائیم"

شجاع کے نام خط

شجاع کو بھی اس معاہدے کی یاد دلاتا ہے :۔

(۱) الحمد للہ والمنۃ کہ مخلص برانچہ درخدمت سامی قرار داد بتوفیق الٰہی ثبات واستقامت تمام داشتہ بادارا علیہ یکرو کردہ، بالکل برہم زدہ انتظار امر واشارہ گرامی مے برد"

(۲) این قدر لازم است کہ ما ہرسہ کس را از جاہائے خود آنچنان حرکت بائد کرد کہ روز بروز ومنزل بمنزل مسافت منزل مطلوب از ما ہرسہ کس مساوی وبرابر بود، بہیچ جانب درراہ رفتن سستی وجلدی وبہیچ وجہ کمی وزیادتی واقع نشود"

(۳) از جملہ قرارداد ہا یکے این بود کہ اگر مخالف بایکے از سہ کس بہ پیچد، مے بائد دو تن دیگر مدد واعانت او بکنند۔ اگر احیاناً ہمچنین واقع شود صورت امداد یک دیگر چہ خواہد بود"

یہ ثابت ہونے کے بعد کہ ان تینوں بھائیوں نے ایک معاہدہ کیا تھا۔ اب دیکھنا یہ چاہیئے۔ کہ ان لوگوں نے اس کو کہاں تک نباہا۔ یہاں پر ہم کو مراد سے بحث نہیں ہے۔ اور "انقلاب" میں اس کے متعلق شائع ہوچکا ہے ؛

رشتہ داری کو توڑنے کی کوششیں

کسی تاریخ سے تو نہیں البتہ اورنگ زیب کے بعض خطوط سے یہ پتہ چلتا ہے۔ کہ دارا وشاہجہان کو شجاع کے ساتھ معاہدہ اور جدید رشتہ داری کی خبر ہوگئی تھی چنانچہ دربار میں یہ کوشش شروع ہوئی کہ کسی طرح اورنگ زیب کے لڑکے کی شادی کہیں دور کی جائے۔ اور جب شاہجہان اجمیر کی طرف گیا اس نے اورنگ زیب کو لکھا کہ وہ محمد سلطان کو اس کے پاس ملاقات کے لئے بھیجدے۔ اورنگ زیب نے نہائت خوشی سے اس حکم کی تعمیل کی۔ جب محمد سلطان شاہجہان کے پاس پہونچا۔ تو اس کی نسبت کا مسئلہ چھڑ گیا۔ لیکن اورنگ زیب نے انکار کردیا۔ شاہجہان اس پر بہت خفا ہوا۔ اور اس کے بعد اورنگزیب سے قلعہ اسیر واپس لے لیا ؛

شاہجہان کے نام خط

اس سلسلہ میں اُس نے شاہجہان اور جہان آرا بیگم کو جو خطوط لکھے ہیں وہ یہ ہیں :۔

"درجواب التماس این مرید کہ برائے کدخدائی خانہ زاد درگاہ معلےٰ نمودہ بود حکم اقدس بنفاذ پیوستہ کہ

اختیار فرزندان آن مرید با اوست بہر طور مناسب داند بعمل آورد۔ اگر میخواستہ باشد محمد سلطان را بجز مبت باسعادت بفرستد کہ چند روزے اور انگاہداشتہ باز رخصت خواہیم فرمود کہ پیش آن مرید برود"

پیرومرشد حقیقی سلامت۔ از این کہ این فدوی بواسطہ تعلقے کہ پدراں را بابعض فرزندان میباشد اندرسئے عجز عرض احوال خود نمود، لازم نمی آمد کہ اختیار خانہ زاد حضرت با این مرید بودہ باشد، ہرگاہ عنان اختیار این مرید در جمیع امور بدست حق پرست اعلحضرت است بفرزندان چہ رسد.......... سعادت دارین دانستہ حسب الحکم الاعلیٰ وزا با ہزار سوار رخصت خواہد نمود"

(ا) "نمی داند کہ دریں وقت چہ تقصیر وخطا ازین مرید سرزدہ کہ امورے کہ لائق بحال صدق ارادت و بندگی نیست وموجب خفت وعدم اعتبارش دور ونزدیک است بظہور میرسد"

اول مقدمہ قلعہ اسیر کہ قبل ازیں باین مرید مرحمت شدہ بود وبعد ازان بہماں دستور بہ بھائی مرادبخش عنائت شدہ۔ دریں مرتبہ نیز باین فدوی لطف فرمودہ، ثانی الحال کہ آن عنائت نمایاں بر ہمہ کس آشکار گشت، حکم شدہ کہ قلعہ دار این مرید آنجا نرود وسبب آن ظاہر نشد"

اگر بواسطۂ قبول نہ کردن نسبت است، خود چہ گنجائش دارد۔ زیراکہ در حضور اعلحضرت ہرگاہ این مقدمہ بیان آمدے فرمودند کہ اگر آن مرید خواہد راضی بکنند، وچون از رہگذر بعض چیزہا خراہش

این معنی بودہ ولیست حقیقت معروض شد

اگر پیرومرشد حقیقی حکم نہ کردند......

این مرید چارہ نداشت"

اورنگ زیب نے اس خفگی اور ذلت کو برداشت کیا۔ لیکن اپنے معاہدہ پر قائم رہا۔ ہاں یہ سچ ہے کہ اس کے دو سال بعد اس نے محمد سلطان کی شادی گولکنڈہ کی شہزادی سے کر دی۔ لیکن یہ کوئی خاندانی شادی نہ تھی۔ بلکہ ایک خالص سیاسی رشتہ تھا۔ چنانچہ اس شادی کی طرف کسی نے توجہ بھی نہ کی+

برادرانہ جنگ کا آغاز

اس کے بعد برادرانہ جنگ کا وقت آتا ہے۔ اسوقت بھی سب سے پہلے اورنگ زیب نے پیش قدمی کی۔ اور پہلے دو خط براہ اکبر آباد روانہ کئے۔ لیکن جب وہ نہ ملے۔ تو اس نے مراد بخش اور اپنے آدمیوں کو اوڑیسہ کے راستے سے نہ صرف اپنا خط لکھ کر بھیجا۔ بلکہ اس کے ساتھ اس نے وہ جواب بھی ملفوف کر دیا جو مراد کے خط کے جواب میں اسنے لکھا تھا۔ اور انہی خط میں یہ بھی تجویز پیش کی کہ:۔

"این مخلص بے ریا را بزودی از پیش نہاد خاطر مقدس دانعصد وعزیمتے کہ در آئینہ ضمیر منیر پیر تو صواب انداختہ باشد آگاہ فرمائند۔ کہ نظر بآن نمودہ بسر انجام لوازم امرے کہ فرصت وتاخیر در تمشیت آن خلاف مصلحت ومنافی معہود ہست بپردازد"

....

صاحب من! اگر دریں وقت یک، یک آدم فہمیدہ از جانبین بعنوان سفارت ووکالت مقرر شود نوشتہ خواہ بدانجہ کی ازین جانب حد اوڑیسہ مردم

خیر اندیش واز آنجا تاراج جل متعہد بابن سرکار نامدار سرانجام نمائند، بایقوا صدان وسوار ان کرجلد بیایند وتردد در پیش رفت مطلب بغائت دخیل است، وبر تقدیرے کہ این معنے صورت تجویز بیابد از فرستادہا ئے این نیاز مند سیادت مآب میرشاہ را در خدمت کثیر المواہبت نگاہدارند۔ و جواب این عریضہ را مصحوب یکے از ہمراہان او با ملازمہ سرکار عالی کہ آنجا خواہد بود بفرستند"

شجاع کا اعلان بادشاہی

شجاع کو جب مراد اور اورنگ زیب کے یہ خطوط ملے۔ تو وہ ان دو بھائیوں کیطرف سے مطمئن اور ان کی امداد پر یقین کر کے سلطنت کے خواب دیکھنے لگا۔ (یہاں پر یہ حقیقت غور طلب ہے کہ مراد اور شجاع دونوں معاہدہ کی زیادہ پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے

بادشاہ ہونے کا اعلان کرتے ہیں۔ اور وہ بھی اپنے صوبوں کی حکومت کا نہیں بلکہ تمام ہندوستان کی ؛ اسکے برخلاف اورنگ زیب نہ صرف یہ کہ ایسا نہیں کرتا، بلکہ اس عجلت سے ان کو منع کرتا ہے) چنانچہ خود اسکے ملازم محمد معصوم نے جو تاریخ شاہ شجاعی لکھی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

"چون شاہزادۂ گیتی مطاع سلطان شاہ شجاع مثل برادران والا قدر دیگر از ساوک نامرضی سلطان دارا شکوہ دل سوزان داشت یکبارگی در بلدۂ راج محل بر سریر سلطنت و تخت مملکت جلوس نمودہ خود را بابو الفوز نصیر الدین محمد صاحب قران ثالث سکندر ثانی شاہ شجاع بہادر غازی، ملقب ساختند و بالشکرہائے ممالک شرقیہ با بہت و عظمت بسیار بعزم گرفتن دہلی از بنگالہ دار الخلافت عنان گسل گردید۔"

اورنگ زیب کا عمل

اس کی خبر دارا، مراد، اورنگ زیب تینوں کو ملی۔ دارا نے تو مقابلہ کے لئے اپنے بڑے لڑکے سلیمان شکوہ کے ساتھ مرزا راجہ جے سنگھ کو ایک فوج دیکر بنارس کی طرف روانہ کیا۔ اور مراد و اورنگ زیب نے معاہدہ کے مطابق "دشمن را دو دلہ" کرنے کے لئے برہان پور و احمد آباد سے کوچ کیا، اس موقع پر اورنگ زیب نے جو خط شجاع کو لکھا وہ یہ ہے:۔

"از انجا کہ تا حال صورت عزم و ارادۂ آن مشفق مہربان معلوم نگشت و جواب عرائض نرسیدہ و مجددا از نوشتجات وکیلی دربار سمت وضوح گرفت کہ چون مذکور متوجہ گیر درمیان است، ملک زادہ خود را با جے سنگھ و ستر سال و دیگر مردم بصوب الہ آباد و پٹنہ تعین نمائند ...... بمصلحت چیست، امیدکہ ہرچہ زودتر جواب این مراتب را عنائیت فرمودہ قلمی نمائند واز وجہ قصد و ما فی الضمیر منیر آگہی بخشند، تا پیش از فوت فرصت و گذشتن وقت آنچہ صلاح باشد بعمل آید۔"

شجاع کا فرار

اورنگ زیب و مراد جس وقت روانہ ہوتے ہیں۔ اسوقت شجاع صوبہ بہار پہ قابض ہو چکا ہے۔ اسکے بعد یہ دو بھائی اس طرف سے اور شجاع اس طرف سے بڑھتا آتا ہے۔ تا آنکہ شجاع بنارس کے اس پار بہادر پور میں پہنچ جاتا ہے۔ شجاع کی بست سالہ پر امن حکومت نے اسے جس طرح آرام پسند، اور اسکے ساتھ مستعدی جوش اور ولولہ سے محروم کر دیا تھا۔ اس کا حال خود اس کے دیرینہ ملازم کی زبان سے سنئے:۔

"چون از طرف لشکر سلطان عبد شاہ شجاع بہادر لوازم پاسداری و طلایہ و مراسم حزم و احتیاط بتوسعے کہ باید و مردم کار آگاہ کار دیدہ را شاید بوقوع نمی رسید، واکثر اوقات بغفلت و عدم آگاہی بسر می شد، و این حقیقت ہا معلوم سلطان سلیمان شکوہ مے گشت۔"

اس کا جو لازمی نتیجہ تھا وہ ہوا اور شجاع کو ہزیمت کھا کر بھاگنا پڑا:۔

"روزے بامداد بنگاہ کہ سپاہ سلطان شاہ شجاع بہادر کہ مدت بست و پنج سال (بست ؟) در ملک بنگالہ بنجواب تا دو پہر روز و فراغت دائمی معتاد شدہ بودند۔ دران صبح میان "پتہ خانہ" یعنے چارپائی بخواب نوشین بامداد رحیل مشغول بودند، یکبارگی سپاہ رزم خواہ حریف در رسیدہ بر سر ارد و ریختند۔"

شجاع اس بدحواسی سے بھاگا ، اور اس کے دل میں اتنا خوف بیٹھ گیا تھا۔ کہ وہ اگر غلطی سے یہ سن بھی لیتا۔ کہ سلیمان شکوہ کے لوگ آ رہے ہیں۔ تو وہ بھاگ کھڑا ہوتا۔ چنانچہ وہ سہسرام و پٹنہ وغیرہ سے اسی طرح بھاگا ہے۔ اس کی وجہ تو اس سے بدتر حالت میں تھی۔ چنانچہ شجاع کا مؤرخ لکھتا ہے:۔

"بحسب اقتضائے تقدیر یزدانی و مشیت سبحانی آن چنان قرار و تمکین و اضطبار ازین مردم منفک شدہ بود با وجودیکہ مجموع لشکر نہ پانزدہ ہزار جبہ پوش، برگستوان دار بر اسپان عراقی وغیرہ سوار مے رفتند۔ و در راہ ناگہان دہ گوارگوں برہنہ چوبدستے بدست از عقب رسیدہ ہمہ را باہستگی و ہمواری از اسپان پیادہ ساختہ آنچہ از نقد و جنس می دیدند، وا کردہ می گرفتند و آن مرزایان ...... را برہنہ کردہ مے گذاشتند۔"

"زنان خوب رخت گواران، مردم لشکر را طلب مے کردند، کہ آب مید ہیم و این متعطشان تفسیدہ جگر بعشق آب پیش می رفتند، گریبان آنہا را گرفتہ پیش می کشیدند و آنچہ میداشتند وا کردہ بگرفتند و کسے را قدرت دم زدن نبود۔"

شائد بنگالی فوج کی یہی بہادری تھی۔ جو آج تک اس صوبہ کے لوگوں کی پیشانی پر کلنک کا داغ بنی ہوئی ہے +

دارا کا خط سلیمان شکوہ کے نام

سلیمان شکوہ کو شجاع کے تعاقب میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ شجاع تو مونگیر پہونچکر مدافعت کی تدبیر ہی سوچ رہا تھا۔ کہ اس کے بھائیوں کی پیش قدمی نے اوسے خود ہی ہلاکت سے بچا دیا۔ اور اسی زمانہ میں دارا شکوہ کا خط سلیمان شکوہ کے پاس آیا کہ:۔

"دہ ملک گجرات محمد مراد بخش کمر مخالفت بربستہ و لشکر عظیم فراہم آوردہ، و بخیال باطل سر بر آرائے خلافت گردیدہ، عزم دارد کہ خود را بمبارزت ہر چہ تمامتر در پنجاب رسانیدہ سر بشورش و فتنہ بر دارد، بنا بران آن قرۃ العین سلطنت با سرع اوقات کار محمد شجاع بہر گونہ با تمام رسانیدہ خود را بزودی بنجاب رساند، کہ ہنگام آمدن آن مخالف را تنبیہ و تادیب رسانیدہ آید۔"

اس خط کے مطابق سلیمان شکوہ نے شجاع سے منہ مانگی شرائط طے کر لیں۔ اور اس طویل سفر کی زحمت کے علاوہ اسے کوئی دوسری کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی۔ اب شجاع کو اپنے سابقہ صوبوں میں چھوڑ کر اورنگ زیب کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے +

اورنگ زیب کی امداد

اورنگ زیب نے جب سنا کہ بہادر پور میں شجاع کو شکست ہوتی ہے تو اس نے فوراً اپنی تمام کوششوں کو مضاعف کر دیا۔ تا آنکہ جس صورت میں ہو دارا کو اپنی طرف متوجہ کرے۔ چنانچہ اورنگ زیب نے اپنے آخری خط میں جو شجاع کو کھجوا کی جنگ سے چند ہی دن پہلے لکھا تھا۔ اس واقعہ کو صاف طور سے بیان کیا ہے +

"چون خبر وحشت اثر ہزیمت وپس شدن امرائے شما بمن رسیدہ از جہت مکافات آن از برہان پور کہ از آگرہ مفاصلہ ہفت صد گروہ دارد، علم ہمت برپا کردہ .... بایلغار قطع منازل و طے مراحل ساختہ تا نواحیئے آگرہ رسیدیم ..... فتح نصیب اولیائے دولت شد"

جسونت کو شکست دے کر جب اورنگ زیب آگرہ کی طرف بڑھا۔ تو دارا سے سمر گڑھ میں مقابلہ ہوا۔ دارا کو ہرا کر وہ آگرہ پہنچا اور شاہجہان نے اپنی سازشوں کو ناکامیاب دیکھ قلعہ کو اورنگزیب کے حوالہ کر دیا۔ اسوقت اورنگ زیب کے سامنے تین آدمیوں کا سوال تھا۔ دارا، شجاع اور مراد، اور چونکہ اس وقت ہم کو شجاع سے بحث ہے۔ اس لئے ہم اُسی کے متعلق اورنگ زیب کی کارروائیوں کو بیان کریں گے +

شجاع کا نیا ساز باز

اس وقت اورنگ زیب نے شجاع کے خلاف کوئی مہم روانہ نہیں کی۔ اُس کے صوبوں کو ضبط نہیں کیا۔ بلکہ اپنے وعدہ پر قائم رہ کر شجاع کو اپنی طرف سے کامل اطمینان دلانے کے لئے اُسے صوبہ بہار بھی دے دیا۔ کہ شجاع عرصہ دراز سے شاہجہان سے اس کی درخواست کر رہا تھا۔ اور اس کی درخواست پر شاہجہان نے اس کی امید بھی دلائی تھی۔ چنانچہ وہ ایک خط میں جو شاہجہان کے نام ہے لکھتا ہے:۔ کہ

"نگارش یافتہ بود کہ چون بہ سبب ناسازی ہوائے راج محل فدوی التماس نمودہ بود کہ یک پرگنہ کہ متصل گڑھی باشد در صوبہ پٹنہ عنایت شود کہ در برسات آنجا بودہ باشد، اگر آن فدوی میخواستہ باشد عوض صوبہ بنگالہ و اوڑیسہ، صوبہ پٹنہ و رہتاس وغیرہ باد عنایت فرمائیم، تا بیک پرگنہ چہ رسد"

صاحب و قبلۂ حقیقی سلامت! چون خانہ زادان درین مملکت با وجود آمدہ اند واز ناسازیئے آب و ہوا اینجا در ایام سفر و ہنگام ضاع ہر روز بکوت و ابلے گرفتار باشند، بنابرآن معروض داشتہ بود کہ اگر پٹنہ باین مرید ازلی اعتقاد مرحمت مے شد خانہ زادان در ایام برسات کہ موسم ہجوم بیماری ہائے غیر متناہی است در آنجا اقامت نمائند"

لیکن چونکہ پٹنہ کے ملحق صوبے دارا کے تھے۔ اور وہ اپنے کسی بھائی کے صوبہ سے ہم سرحد ہونا پسند نہ کرتا تھا۔ اسی لئے شائد یہ تجویز منظور نہیں ہوئی۔ اسی کے ساتھ شاہجہان نے جو مہم قندھار کے بعد سے اورنگ زیب سے ایک دن کے لئے بھی خوش نہ تھا۔ اورنگ زیب کی شکائت لکھتے ہوئے شجاع کو دکن دینے کی تجویز بھی پیش کی ہی خط میں شجاع لکھتا ہے کہ:۔

"دیگر امر جلیل القدر رشدہ۔ کہ" اورنگ زیب بہادر انتظام صوبہ دکن را موافق مرضیٔ خاطر مقدس نکردہ بآن غلام بندگی سرشت امر مے کنم کہ اگر ہر چہار صوبہ دکن را میخواستہ باشد و تواند آباداں ساخت باو مرحمت فرمائیم"

لیکن شجاع کو پٹنہ پر ہی اصرار رہا اور وہ اس کو نہ ملا +

اورنگ زیب کی صاف دلی

اب اورنگ زیب نے شجاع کی اس دیرینہ آرزو کو پورا کرنے کے لئے یہ صوبہ اسے دے دیا۔ اور مزید اطمینان کے لئے شاہجہان سے بھی ایک خط لکھوایا۔ ہم دونوں خط یہاں درج کرتے ہیں۔ تاکہ اس سے اورنگ زیب کی وسعت اخلاق اور صفائی باطن کا حال واضح ہو جائے۔ پہلا خط اورنگ زیب کی طرف سے ہے۔ اور دوسرا شاہجہان کی طرف سے:۔

(۱) "چون ہموارہ خواہش این صوبہ (صوبہ پٹنہ) داشتید، بالفعل آن را با ولائت بنگالہ متصرف شدہ بجمعیت خاطر و فراغ بال روزے چند بنظم و پرداخت آن صوبہ وجبر اختلال احوال خود پردازید۔ تا آنکہ جنود قاہرہ از تعاقب دارا بے شکوہ و کفائت مہم او فارغ شدہ بمستقر اورنگ حشمت مراجعت کنند، و در آن وقت مطالب و مدعیات دیگر کہ داشتہ باشید، در حصول آن نیز خواہیم کوشید، و چنانچہ آئین اخوت، و مقتضائے فتوت است، در تقدیم آن از مراتب کمی و مالی مضائقہ نخواہیم نمود"

(۲) "چون آن فرزند ہمیشہ از کثرت خرچ و قلت دخل عرضداشت می نمود، و قبول این امر بمقتضائے کل امر مرہون باوقاتہا در حیز تعویق می بود، الحال از روئے کمال مرحمت صوبۂ بہار را بر صوبہ عمدہ بنگالہ و اوڑیسہ افزودہ حسب الالتماس فرزند عالی قدر از باطل تہی واز حق پُر سلطان اورنگ زیب بہادر باقطاع آن فرزند اقبال مند بختیار مقرر و مسلم داشتیم کہ از ابتدائے فصل ربیع یونت ئیل وکلائے خود را فرستادہ بجاگیر خود مستسلم دانند۔ و وکلائے آنفرزند در تکثیر زراعت و عمارات ملک باید کہ نہائت سعی مے کردہ باشند، و خود باید کہ مطلقاً از راج محل ارادہ طرفے ننمائند، و اگر داعیہ دریافت ملازمت اعلیحضرت ہجوم آوردہ باشد، خود بعد از روزے چند طلب خواہیم نمود"

اورنگ زیب خطوط روانہ کر کے اور اپنے چہل سالہ بھائی کے ایفائے عہد پر بھروسہ کر کے دارا کے تعاقب میں دہلی اور پھر پنجاب کی طرف روانہ ہو گیا +

شجاع کی بد عہدی

شجاع کے لئے دارا کی شکست ایک نعمت غیر مترقبہ تھی۔ پھر اورنگ زیب کی آگرہ سے دُوری نے اس کے حوصلے اور بڑھائے۔ مراد بھی جو لڑائی کی جان تھا۔ قید ہو چکا تھا۔ ادھر آگرہ کا قلعہ ناتجربہ کار محمد سلطان کے ہاتھ میں تھا۔ ان حالات نے اس کے مردہ جذبات کو ایک مرتبہ پھر بیدار کر دیا۔ اور وہ اپنے مشیروں کے خلاف اورنگزیب سے بھی دو چار ہونے کے لئے تیار ہو کر روانہ ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی شاہجہان بھی اپنی اسیری میں خاموش بیٹھا نہ رہا۔ بلکہ اس نے بھی شجاع کو خطوط لکھے کہ وہ اورنگ زیب کے مقابلہ کے لئے بڑھے۔ چنانچہ اورنگ زیب نے شاہجہان کو جو خطوط لکھے ہیں اور جن کو بعض تاریخوں نے نقل بھی کیا ہے، اس کا کافی ثبوت ہیں، ایک خط میں وہ لکھتا ہے:۔ کہ

"مقدمۂ شورش بادشاہزادہ شاہ شجاع امرے نیست کہ بر کسے مستور بودہ باشد، یا آن را وسیلۂ تشریف نیاوردن اعلے حضرت بدار الخلافت قرار توان داد"

اس خط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شجاع نے یہ بات مشہور کی تھی۔ کہ دارا کی طرح اورنگ زیب بھی شاہجہان کو آگرہ سے جہاں کی آب و ہوا اسکے موافق نہیں ہے۔ دہلی نہیں جانے دیتا۔ اس لئے میں شاہجہان کو آزاد کرا کے دہلی لے جانے کے لئے جا رہا ہوں اورنگ زیب دوسرے خط میں لکھتا ہے:۔ کہ

"ازانجا کہ بادشاہزادہ شاہ شجاع قدر عافیت ندانستہ بقصد ستیز و جدال از پٹنہ با کہ آباد رسیدہ گرد شورش برانگیختہ این مرید نیز کہ بصد تعب و مشقت خاطر نقد از جانب بادشاہزادہ کلان وا پرداختہ ہنوز نفس راست نکردہ بود، توکل بر تائیدات نصرت بخش نمودہ . . . . متوجہ آن حدود گردیدہ"

شاہجہان کی سازشیں

اورنگ زیب جب واپسی میں آگرہ کے قریب پہونچا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ یہ سب آگ شاہجہان کی لگائی ہوئی ہے۔ چنانچہ وہ ایک خط میں لکھتا ہے:۔ کہ

"بر خاطر دریا مقاطر پوشیدہ نماند کہ این مرید در ابتدائے حال و آغاز وقوع مراتبے کہ بتقدیر ایزد متعال روئے دادہ باعتقاد آن کہ چون اعلحضرت عقیل کل اند و اکثر گرامی اوقات عمر آئد پیوند در تماشائے پست و بلند روزگار گذشتہ، شائد ظہور این مینے را از قضا و قدر دانستہ، در شکست کار این مرید . . . . رونق دیگران کہ ارادت اللہ بدان تعلق نگرفتہ کوشش نفرمائند سلوک را بنجہے مستحسن قرار دادہ بود، . . . .

و ہر چند شنید کہ موجب ارتفاع غبار فساد و برہمخوردگی مہمات عباد بتحریک آنحضرت است و برادران بفرمودہ اقدس بدست و پائے زنند و جانے مے کنند، اصلاً گوش بسخنان مردم ننہادہ اندیشۂ انحراف از شاہراہ عقیدت نمی نمود"

"لیکن ازانجا کہ اخبار بے توجہی اعلحضرت تبواتر رسید، چنانچہ از نوشتہ کہ بعبارت ہندی بشاہ شجاع قلمی گردیدہ بود و خان وہان او بر سر آن خراب شدہ، ہویدا است، و یقین حاصل شد کہ آنحضرت این مرید را نمے خواہند، و با وجود آن کہ کار از دست رفتہ ہنوز تلاش آن دارند کہ دیگرے استقلال یافتہ سعی این فدوی کہ مصروف ترویج دین متین و انتظام مہمات مملکت است ضائع شود، و بہیچ طریق ازین فکر باز نیامدہ درین کار مصر اند"

دارا کی کوششیں

یہ تو باپ کا حال تھا۔ دارا بھی اس سازش میں پیچھے نہ تھا اس نے الہ آباد، بنارس اور رہتاس کے قلعہ داروں کو جو اسکے ملازم تھے خفیہ احکام جاری کر دیئے۔ کہ وہ قلعوں کو شجاع کے حوالہ کر دیں، اور اس طرح اورنگ زیب کے مقابلہ میں جس قدر بھی ممکن ہو قوی بنا دیا جائے۔ اور قلعداروں نے دارا کے حکم کی لفظ بلفظ تعمیل کرتے ہوئے جہاں کہیں شجاع پہنچا، اس کے سامنے قلعہ کے دروازے کھول دیئے+

کھجوہ کی جنگ

اورنگ زیب کو جب شجاع کی خبر پہونچی۔ تو پہلے اس نے محمد سلطان کو حکم دیا کہ آگرہ کی موجودہ فوج کو لیکر بڑھے، پھر خود بھی روانہ ہوا۔ اسی اثناء میں جسونت سنگھ جو دھرمات میں شکست کھا کر اپنے گھر بھاگ گیا تھا، راجہ جے سنگھ کی وساطت سے معافی پاکر شریک فوج ہو گیا تھا۔ یہ تمام فوجیں ۲۔ جنوری کو مل گئیں اورنگ زیب نے محمد سلطان کو لکھدیا تھا، کہ وہ لڑائی میں پیشقدمی نہ کرے بلکہ اس کے آنے کا انتظار کرے کیونکہ اس کا خیال تھا، کہ جب شجاع کو معلوم ہو جائے گا، کہ اس کا راستہ بند ہو چکا ہے۔ اور اورنگ زیب خود آ رہا ہے تو وہ واپس ہو جائے گا۔ لیکن اس نے اپنی فوج اور آسانی سے بنارس تک بڑھ آنے کو اپنی فتح سمجھ کر واپسی کے بجائے پیشقدمی شروع کر دی عالمگیریات کے ماہر جدوناتھ سرکار اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:۔

"اب صورت حال بالکل بدل چکی تھی، اور اورنگ زیب کا خیال تھا، کہ ایک عقلمند آدمی کیطرح شجاع اپنی اس ہی غیر مشکور سے باز آکر فوراً واپس ہو جائے گا۔ چنانچہ اسی خیال سے اس نے اپنی رفتار سست کر دی، بارہ دن دہلی میں ٹھہر گیا، پھر سرون کی شکارگاہ میں جا کر خبروں کا انتظار کرنے لگا کہ اگر شجاع لوٹ گیا تو شہزادہ کو واپس بلا لیا جائے گا، بادشاہ شکارگاہ سے واپس آ جائیگا لیکن شجاع کورانہ بڑھتا گیا۔ تا آنکہ کھجوا پہنچ گیا"

جسونت کی غداری

دوسری ہی جنوری کی شام کو میر جملہ بھی اپنی فوج کے ساتھ دکن سے آ کر اورنگ زیب سے مل گیا۔ اب دونوں طرف سے جنگ کی تیاریاں شروع ہوئیں۔ جسونت سنگھ کو بھی میمنہ کی کمان دی گئی۔ لیکن اس نے لڑائی سے ایک رات پہلے شجاع سے سازش کر لی۔ اور کہا کہ رات کو میں عقب سے اورنگ زیب کی فوج پر حملہ آور ہونگا اور تم سامنے سے حملہ کر دینا۔ اور ہم دونوں مل کر اورنگ زیب کو پیس ڈالیں گے۔ اورنگ زیب نے ایک راجپوت راجہ کے ساتھ جو احسان کیا تھا اسکا "یہ بدلا تھا۔ راجپوتوں کے عاشق اور راجستان کے مصنف کپتان ٹاڈ صاحب نے اس غیر راجپوتی حرکت کی یہ توجیہ کی ہے:۔

"راٹھور سرداروں نے اپنے انتقام کے لئے بہترین موقعہ سمجھ کر ایک طرف تو اورنگ زیب کے احکام کی اطاعت کی، اور دوسری طرف شجاع کو اپنے اصلی ارادہ کی اطلاع دے دی۔ . . . . . . اپنے پہلے ہی حملہ میں اس نے راٹھور سواروں کے ساتھ سلطان محمد کی فوج پر عقب سے حملہ کر کے اسے کاٹ کر رکھ دیا اور شاہی خیمہ کو لوٹ کر بہترین اسباب اونٹوں پر لاد کر آگرہ روانہ ہو گیا اور دونوں بھائیوں کو چھوڑتا گیا، کہ آپس میں کٹ مریں . . . . اس کے یہ تمام کام دارا کی خیر خواہی میں تھے"+

اورنگ زیب کا استقلال

اورنگ زیب نے اس غداری کے وقت جس کمال کا ثبوت دیا ہے اسے ایک معتبر شخص کے الفاظ میں بیان کرتے ہیں:۔

"در شبے کہ فردائے آن با شجاع جنگ مقرر بود، قریب دو نیم پہر شب گذشتہ بود کہ بعرض رسید کہ راجہ جسونت سنگھ با فوج خود کہ چاردہ ہزار سوار و پیادہ بود و در معظم فوج ہراول تعلق با و داشت قرار دادہ کہ بشجاع ملحق شود، در اثنائے راہ بر مردم و دواب اردوئے معلے دست اندازی سخت نمود، چنانچہ سر رشتہ لشکر بہم خوردہ و آشوب تمام در مردم بہم رسیدہ، اکثر با فوج آن مخذول موافقت نمودہ، راہ ادبار پیش گرفتند"

"حضرت در آن وقت در خانہ تہجد بودند بعد از شنیدن اشارہ بدست کردند کہ اگر رفت رفتہ باشد

وجولسبے دیگر نفر مودند، بعد از فراغ از اوراد جمیع جملہ را طلب نمودہ فرمودند کہ "این صورت ہم از فضل الٰہی شد کہ اگر این نفاق اندیش درعین جنگ این کار را مے کرد، تدارک مشکل بود"

"بعدہٗ حکم نقارہ و سواری شد و خود بدولت سوار شدہ باقی شب را ہماں طور بسواری فیل گذرانید بعد از طلوع صبح .... بفیلبان فیل سواری خاص فرمودند کہ بہر صورت فیل ما را بفیل شجاع برسان دریں وقت مرشد قلی خان ...... بعرض رسانید کہ این طور جرأت خلاف طور بادشاہان است"

فرمودند "ما ہیچکدام بادشاہ نشدہ ایم مردم بعد ازین طور جرأتہا بادشاہ میشوند، بعد از بادشاہی ہم اگر در جرأت تفاوت شود آن سلطنت نمی ماند"

عروس ملک کسے در کنار گیرد تنگ
کہ بوسہ بر لب شمشیر آب دار دہد

شجاع کی شکست

۵-جنوری کو یہ نتیجہ خیز جنگ ہوئی، اور شجاع شکست کھا کر پٹنہ کی طرف بھاگا، اس جنگ کے بعد بھی اورنگ زیب شجاع کو زیادہ پریشان کرنا نہیں چاہتا تھا- اور اسی لئے وہ اس کے تعاقب میں نہیں گیا- بلکہ میر جملہ اور شہزادہ محمد سلطان کو بھیجدیا- اگر اس موقع پر شجاع صلح کی درخواست کرتا تو یقیناً وہ مسموع ہوتی- لیکن اس نے اس کے بجائے پہلے پٹنہ میں فوجی ا.اد کے خیال سے اپنے لڑکے کی شادی کی، اور پھر مونگیر پہونچکر لڑائی کی دوبارہ تیاری شروع کر دی- لیکن وہ وہاں بھی زیادہ دنوں تک نہ رہ سکا اور ایک مقام سے دوسرے مقام کو بھاگتا ہوا اپنے دارالسلطنت کی طرف روانہ ہوگیا- اسی اثنا میں جنگ اجمیر کے متعلق اورنگ زیب کے سپاہیوں نے یہ افواہ مشہور کرادی کہ اورنگ زیب دارا سے شکست کھا کر دکن کی طرف بھاگ گیا ہے- اور میر جملہ بیر بھوم ہوکر براہِ آوڑیسہ دکن جا رہا ہے- اس خبر کا اثر عام فوج پر تو کچھ نہ پڑا- لیکن ایک سردار کی فوج کے سوا تمام راجپوت فوج اورنگ زیب کی عام فوج سے الگ ہوگئی، اور میر جملہ یا محمد سلطان سے اجازت لئے بغیر آگرہ کی طرف چل کھڑی ہوئی- چند مہینوں کے اندر راجپوتوں کے متعلق اورنگ زیب کا یہ دوسرا تجربہ تھا، میر جملہ نے اپنی خداداد قابلیت و صلاحیت سے کام لے کر اس نازک موقع کو سنبھال لیا- لیکن اسے اس سے زیادہ اور اہم صدمہ پہنچنے والا تھا۔

محمد سلطان کی نادانی

ایک دن صبح کو معلوم ہوا- کہ شہزادہ محمد سلطان فوج سے غائب ہے- اور رات کو تنہا بھاگ کر شجاع کے ساتھ مل گیا ہے- یہ شجاع کی ترکش کا آخری تیر تھا- محمد سلطان کو اُسکے خوشامدیوں نے یہ باور کرادیا تھا- کہ کھجوا کی فتح در اصل اسی کی ہمت مردانہ کی رہون منت ہے، اور اورنگ زیب سے زیادہ وہ حکومت کی صلاحیت رکھتا ہے- دوسرے جب سے اورنگ زیب نے شجاع سے معاہدہ کیا تھا، وہ شجاع کی لڑکی سے شادی کرنے کو بے چین تھا، چنانچہ فتح آگرہ کے بعد ہی اُس نے اپنی شادی کے متعلق اورنگ زیب سے خط و کتابت شروع کر دی تھی، اب جو شجاع کی طرف سے پیام آیا تو سمند شوق کو ایک تازیانہ ہوا۔

محمد سلطان کا اس طرح بھاگ جانا میر جملہ کے لئے مختلف مشکلات کی ابتدا تھی لیکن وہ ہمت نہ ہارا- اور اس نے اس طرح بے اعتنائی برتی کہ گویا صرف ایک معمولی آدمی کم ہوگیا ہے-

محمد سلطان کی فوج کو بھی مطمئن کر دیا اور شجاع سے جنگ میں مشغول ہوگیا، فتح و شکست کے مختلف منظر دیکھ کر اور یہ معلوم کرکے کہ وہ ایک ہارنے والی جماعت کے ساتھ ہے- شہزادہ کو سخت پشیمانی ہوئی- لیکن اب کیا ہو سکتا تھا- اورنگ زیب کی پدرانہ شفقت پر بھروسہ کرکے وہ اپنی نئی دلہن کو بھی خبر کئے بغیر میر جملہ کے یہاں واپس چلا آیا وہاں سے فوراً اسے اورنگ زیب کے پاس بھیجدیا گیا اورنگ زیب نے اسے کیوں قید رکھا؟ اس کے متعدد اہم اسباب تھے، جن کو طوالت کے خیال سے ہم یہاں پر نظر انداز کرتے ہیں۔

شجاع کی تباہی

شجاع کو اپنے نوارہ (کشتیوں کے بیڑے) پر بہت بھروسا تھا- لیکن میر جملہ کی ہمت، صلاحیت اور کاردانی کے سامنے یہ قلعہ موہوم بھی غائب ہوگیا- اور وہ بالآخر بنگال کو چھوڑ کر اپنے بال بچوں اور چند ساتھیوں کے ساتھ مگھ قوم کے ملک "ارچنگ" (ارکان) کو چلا گیا، یہاں کے راجہ نے اسے نہایت عزت و احترام سے رکھا- لیکن اس نے وہاں کے مسلمان باشندوں کے ساتھ سازش کرکے راجہ کے تخت پر قبضہ کرنا چاہا- عین وقت پر اس کا پتہ چل گیا راجہ نے شجاع کی گرفتاری کے لئے فوج بھیجی- اور جیسا کہ وہاں کے پرتگالی تاجروں کا بیان ہے- وہ اسی وقت اپنے ارکان خاندان کے ساتھ شہید کر دیا گیا- اس طرح بدنصیب شجاع نے اپنی خام کاریوں کی بدولت غریب الوطنی میں اس بیکسی میں جان دی۔

اورنگ زیب کو جب معلوم ہوا- تو اس نے اپنے افسروں کو لکھا- کہ وہ شجاع کے خاندان کا اس ملک میں پتہ لگائیں- لیکن اس وقت کیا آج تک کسی کو اس بدبخت خاندان کے متعلق کوئی بھی صحیح بات معلوم نہ ہو سکی۔

ان حالات سے ناظرین خود اندازہ کر لیں- کہ اورنگ زیب پر شجاع کی تباہی و بربادی کا الزام کہاں تک درست ہے- اس مضمون میں میں نے عمداً اورنگ زیب کے عہد کی کسی ایسی تاریخ سے جس کے متعلق ادنےٰ شائبہ بھی یہ خیال ہو کہ وہ اورنگ زیب کے حامی کی لکھی ہوئی ہے، کوئی بھی مدد نہیں لی ہے- بلکہ تمام تر یہ مضمون خطوط پر مبنی ہے- کہ ان سے صحیح تر کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ممکن۔

یورپ میں اسلام کی زندہ جاوید یادگار

قرطبہ کا قصر الزہرا

جناب مولانا محمد عبداللہ صاحب قریشی لاہور

عظمت ماضیہ کی ان غیر فانی اسلامی یادگاروں میں جو بقائے دوام کا تاج حاصل کر چکی ہیں قرطبہ کا قصر الزہرا ایک نمایاں اہمیت رکھتا ہے اس کی شان و شوکت کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ مبصرین فن نے متفقہ طور پر اسے دنیائے اسلام کی بے نظیر و بے عدیل عمارت تسلیم کیا ہے

اس عجیب و غریب عمارت کا بانی اندلس عظمیٰ کا اموی خلیفہ امیر المؤمنین ابو المعترف عبدالرحمن الناصر الدین اللہ تھا جو سلسلۂ خلافت میں اندلس کا آٹھواں تاجدار اور اپنے نام کے خاندان سے تیسرا عبدالرحمن تھا وہ شاہزادہ محمد بن عبداللہ کا بیٹا تھا جو ایام ولیعہدی میں اپنے باپ سے باغی ہونے کا عیسائیوں سے ساز باز کرنے اور ابن حفصون کیسا تھ ملکر مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کے جرم میں ماخوذ ہو کر قید کی حالت میں فوت ہو گیا تھا کہتے ہیں کہ بیٹے کی وفات کے بعد امیر عبداللہ کی نگاہ جوہر شناس نے سلطنت کے لئے اپنے پوتے عبدالرحمن کو منتخب کیا اور اس کی تعلیم و تربیت کے لئے ملک کے قابل ترین علماء اور اہل کمال کی خدمات حاصل کیں عبدالرحمن نے بھی اپنے فطری رجحان اور طبعی ذہانت کی بدولت اس میں اس انہماک سے حصہ لیا کہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اس میں وہ تمام خوبیاں موجود ہو گئیں جو تربیت کے ذریعہ سے کسی کو پہنچ سکتی ہیں یا تعلیم کے ذریعے سے حاصل کی جا سکتی ہیں

الناصر کی تخت نشینی

۵ ربیع الاول سنہ ۳۰۰ھ کو امیر عبداللہ نے داعی اجل کو لبیک کہا جس کے بعد عبدالرحمن تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوا اس وقت اسکی عمر بائیس سال تھی مگر اس کی تاجپوشی سے جو خوشیاں ممالک محروسہ میں منائی گئیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نہایت ہر دلعزیز تھا اور اس کا انتخاب نہایت صحیح ہوا تھا

عبدالرحمن سے پیشتر بنو امیہ کے تمام تاجدار سلطان یا "امیر" کے خطاب سے مخاطب کئے جاتے تھے مگر اس نے تخت پر جلوہ افروز ہوتے ہی اپنی طاقت اور بنو عباس کی کمزوری کا اندازہ لگا کر ۳۱۶ھ میں اپنے لئے "خلیفہ" کا خطاب اختیار کیا اور امیر المؤمنین بنکر اپنا لقب الناصر لدین اللہ مقرر کیا۔

عبدالرحمن الناصر لدین اللہ فہم و فراست کے ساتھ زیور علوم سے بھی آراستہ تھا تمام ملک میں اس کے حسن و خوبی کا شہرہ تھا وہ معاملہ فہمی میں سارے دربار میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا اور سیاسیات کی گتھیوں میں تو اس کی یہ کیفیت تھی کہ بڑے بڑے تجربہ کار مدبر اور سردار اسکا لوہا مانتے تھے وہ نازک سے نازک امور سیاسی کو نہایت آسانی اور کامیابی کے ساتھ اس طرح سلجھا لیتا تھا کہ بڑے بڑے مدبر حیران رہ جاتے تھے اس کی ماں مریم ایک معزز عیسائی خاندان کی خاتون تھی۔

شان حکومت

اس جلیل القدر بادشاہ نے چند مہینوں کی علالت کے بعد ۲ ربیع الاول المبارک سنہ ۳۵۰ھ کو سہ شنبہ کے روز بہتر برس کی عمر میں سفر آخرت اختیار کیا اس کی حکومت پچاس برس چھ مہینے اور تین دن رہی اگرچہ اس کی زندگی کا بیشتر حصہ ملکی فتوحات اور فوج کشی میں گذرا تاہم اس کے بیشمار کارنامے ایسے ہیں کہ کوئی اور بادشاہ سو برس اطمینان کے ساتھ حکومت کرنے کی صورت میں بھی پیش نہیں کر سکتا مشہور عالم مؤرخ دوزی کا بیان ہے کہ :-

بنو امیہ کے ان حکمرانوں میں جو اندلس کے تخت پر جلوہ فگن ہوئے سب سے پہلا درجہ حقیقت میں عبدالرحمن الناصر لدین اللہ کو ملنا چاہیئے اس نے اپنی حکومت سنہ ۳۰۰ تا ۳۵۰ھ کے دوران میں جو کارنامے انجام دیئے وہ دراصل معجزے تھے جس وقت اس نے سلطنت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی اس وقت تمام ملک فتنہ و فساد اور جنگ و جدال کے شعلوں کا تختۂ مشق بن رہا تھا فرقہ بندی کی باد سموم ہر طرف زور و شدت سے چل رہی تھی طوائف الملوکی کی گرم بازاری تھی شمالی عیسائیوں کے حملوں کے لئے تمام راستے کھلے تھے اور قریب تھا کہ افریقہ اور لیون کے باشندے اسے اپنا لقمہ تر بنا لیں لیکن عبدالرحمن نے تمام مشکلات اور موانع کے باوجود نہ صرف اندلس کو بیرونی حملوں سے بچایا بلکہ اندرونی فتنوں سے بھی پاک و صاف کر کے اسے پہلے سے زیادہ مضبوط اور مستحکم کر دیا۔

"اس کے بادشاہ ہونے سے پیشتر خزانہ عامرہ تقریباً خالی پڑا تھا۔ مگر اس کے وقت میں شاہی محاصل کی سالانہ مقدار ۶۲۴۵۰۰۰ سکہ طلائی تھی جو اس میں سے ایک تہائی فوج پر خرچ کرتا تھا ایک تہائی پس انداز کرتا اور باقی ماندہ رقم اپنی تعمیرات میں لگاتا تھا۔ حساب لگایا گیا ہے کہ سنہ ۳۴۰ھ میں اس کے خزانے میں دو کروڑ طلائی سکے موجود تھے ایک سیاح جو ماہر سیاست بھی تھا۔ بتاتا ہے کہ اس زمانہ میں ناصر الدین ہمدانی والی الجزائر اور عبدالرحمن الناصر لدین اللہ دنیا کے مالدار ترین بادشاہ تھے،

بے نظیر شخصیت

عبدالرحمن کی طاقت بھی بخوب بڑھی ہوئی تھی ایک عظیم الشان جنگی بیڑے کے ذریعہ وہ بحیرہ روم میں خلفاء فاطمیہ سے لڑنے کے لئے ہر وقت تیار رہتا تھا اور سبتہ پر قبضہ کر کے اس نے مراکش کی کنجی اپنے قبضے میں کر لی تھی ایک زبردست فوج کے ذریعہ سے جو غالباً اس زمانہ کی بہترین فوج تھی وہ شمالی عیسائیوں کی پیش دستی کو رد کئے ہوئے تھا دنیا کے معزز ترین بادشاہ اس کی دوستی کا دم بھرتے تھے - قسطنطنیہ کے قیصر جرمنی - فرانس - اور اٹلی کے بادشاہوں کے سفیر اس کے دربار میں حاضر رہا کرتے تھے۔"

یہ کارنامے یقیناً نہایت شاندار ہیں لیکن جو چیز سب سے زیادہ محیر العقول ہے وہ ان کارناموں کو انجام دینے والے کا اپنا وجود ہے اس کی وسعت نظر سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہ تھی وہ ہر امر کی جزئیات تک سے واقف تھا۔ اسی وجہ سے وہ سلطنت کے معقدہ ہائے لاینحل کو چٹکیوں میں حل کر لیتا تھا۔ یہ ہوشیار اور قابل ترین شخص جس نے مرکزیت قائم کی جس نے ملک و قوم میں اتحاد و یگانگت جہتی کا بیج بویا جس نے دوسری حکومتوں سے تعلقات پیدا کر کے سیاسی توازن برقرار رکھا اور جس نے اپنی رواداری اور آزاد خیالی سے دیگر مذاہب کے پیروؤں کو بھی اپنا مشیر بنانے میں دریغ نہ کیا اگر انصاف کی نظروں سے دیکھیں اسے تو زمانۂ وسطیٰ کا ایک مطلق العنان خلیفہ نہ تھا بلکہ دور حاضرہ کا ایک دستوری فرمانروا تھا۔

الزہرا کی تجویز

امیر المؤمنین کو تعمیرات سے خاص شغف تھا چنانچہ قرطبہ میں اس نے صدہا عمارتیں تعمیر کرائیں جب قرطبہ کے سب سے بڑے بازار میں آگ لگ گئی اور تمام عمارتیں جل کر راکھ ہو گئیں تو انہیں بھی خلیفہ نے از سر نو اپنے خرچ پر بنوا دیا۔ لیکن اس کے شوق اور اولوالعزمی نے اپنا پورا زور اس وقت دکھایا جب قرطبہ کے شمالی و مغربی گوشہ میں سیرا مورینا کے دامن پر دار الخلافہ سے تین میل دور اس نے قصر الزہرا کی بنیاد رکھی مؤرخین کا بیان ہے کہ اس خلیفہ کے حرم میں ایک نہایت دولتمند چہیتی کنیز رہتی تھی اس کی تمنا تھی کہ اس کی دولت کسی دینی کام میں صرف ہو چنانچہ اس نے مرتے وقت امیر المؤمنین سے خواہش کی کہ اس کا تمام ترکہ مسلمان قیدیوں کے فدیہ میں خرچ کیا جائے خلیفہ نے اس کی وصیت کے مطابق تمام عیسائی سلاطین کے پاس اپنے قاصد بھیجے مگر کسی کے پاس کوئی مسلمان قیدی نہ نکلا اس پر ایک اور کنیز نے جو زہرا کہلاتی تھی اور بادشاہ سے نہایت مانوس تھی۔ امیر المؤمنین کو یہ مشورہ دیا کہ اس روپیہ سے ایک ایسا محل تعمیر کرایا جائے جو شان و شوکت میں اپنا جواب نہ رکھتا ہو بادشاہ کو یہ تجویز بہت پسند آئی حکم دیا کہ اس رقم کے علاوہ اس کا ایک تہائی روپیہ خزانۂ شاہی سے بھی لے لیا جائے جو چوبیس لاکھ بنتا تھا چنانچہ دس ہزار مزدور اور اٹھائیس ہزار جانور بار برداری کی خاطر اس کام پر فوراً لگا دیئے گئے۔

عمارت کی حیثیت

قصر الزہرا کی بنیاد سنہ ۳۲۵ھ میں رکھی تھی اس روز سے آخر دن تک روزانہ چھ ہزار سلیں آتی تھیں جو نہایت خوبصورتی

سے تراشی ہوئی ہوتی تھیں فرشی سلیں اور دیگر مصالحہ ان کے علاوہ تھا۔ عرب مؤرخین نے اس مصالحہ اس کی قدر و قیمت کاریگروں کی قومیت اور ان کی مزدوری وغیرہ پر جی کھول کر بحث کی ہے اور اس میں کلام نہیں کہ یہ تمام باتیں نہایت کارآمد اور دلچسپ ہیں۔ کیونکہ آج اگر ان کی تفصیل نہ ہوتی۔ تو یہ سب کچھ مبالغہ پر محمول کیا جاتا مگر ہم اس خیال سے کہ عام طبائع پر یہ باتیں گراں نہ گذریں نہایت مختصر الفاظ میں اسے درج ذیل کرتے ہیں:-

اس کی دیواریں ۱۷۰۰ × ۲۷۰۰ ہاتھ تھیں اور ان کی صورت بالکل قلعہ کی فصیل جیسی تھی۔

سامان تعمیر

عمارت کا بہت سا مصالحہ غیر ممالک سے مہیا کیا گیا تھا چنانچہ سنگ مرمر اور سنگ سماق ٹومیڈیا۔ یونان اور اندلس کی کانوں سے آیا تھا عبد اللہ بن یونس حسن بن محمد اور علی بن جعفر اسکندروی اس کی فراہمی پر متعین تھے۔

رومیوں کے بنائے ہوئے ستون ناربون۔ فرکو نہ یوٹیکا اور قرطاجنہ کے قدیم بت خانوں سے حاصل ہوئے اور چند مرصع ستون قسطنطنیہ کے بادشاہ نے بطور تحفہ ارسال کئے تھے ان کے سبز اور گلابی رنگوں کو جو دیکھتا تھا حیران رہ جاتا تھا۔

ستون اور دروازے

قصر کے تمام چھوٹے بڑے ستونوں کی تعداد چار ہزار تین سو بارہ تھی۔ پندرہ ہزار سے کچھ زیادہ دروازے تھے تمام دروازوں کی لوہے اور تانبے کی چادریں لگا کر ان پر سونے کا پانی چڑھایا گیا تھا دوپہر یا سہ پہر کو جب سورج کی سُرخ اور ڈھلتی ہوئی کرنیں ان پر پڑتی تھیں تو یہ ایک عجیب بہار دکھلاتے تھے قصر کے گنبد اور بڑے کمرے نے جو مجلس المذہب کہلاتا تھا اپنی آب و تاب سے دنیا بھر کے سیاحوں کو اپنا والہ و شیدا بنا لیا تھا۔

محیر العقول نہر

قصر اور اس کے گرد کے باغ کی زیب و زینت اور سیرابی کے لئے ایک نہر بنوائی گئی تھی اس کا پانی نہایت شیریں اور سرد تھا یہ جبل قرطبہ سے لائی گئی تھی اس میں یہ کمال دکھایا گیا تھا کہ قصر کے تمام ... برجوں پر چڑھتی تھی اور کل عالیشان عمارتوں پر سے ہو کے گذرتی تھی۔ انتہائی بلندی پر ایک حوض اور حوض میں ایک مطلا و مرصع شیر بنایا گیا تھا۔ پانی شیر کے پیٹ سے ہو کر منہ کے رستے ... میں گرتا تھا اور حوض کے چاروں کونوں سے چھلک کر باغ کی آبیاری کرتا تھا۔

حوض اور فوارے

باغ میں چند حوض اور فوارے اور بھی تھے جن سے فن تعمیر کا کمال ظاہر ہوتا تھا۔ ان میں سے ایک حوض "ریچپر" کا تھا۔ جو ملک شام کی صنعت کا نمونہ تھا۔ اس کے کناروں پر بارہ جانوروں کے طلائی بت جواہرات سے لدے ہوئے کھڑے تھے اور ان کے مُنہ سے ہر وقت حوض میں پانی گرتا رہتا تھا۔

دوسرا چمکدار تانبے کا انسان نما فوارہ تھا جس پر نہایت خوبصورت بیل بوٹے بنے ہوئے تھے۔ یہ شاہ قسطنطنیہ نے تحفہ کے طور پر بھیجا تھا۔

ایک لطیفہ

قصر الزہرا سنگ مرمر کے ایک اونچے چبوترے پر بنایا گیا تھا۔ اور اس کے صدر دروازہ پر اس کنیز کا بت نصب تھا جس کے مشورہ سے یہ محل تعمیر ہوا تھا۔ اور جس کے نام پر اس کا نام "قصر الزہرا" رکھا گیا تھا۔ ... ایک کروڑ پچاس لاکھ دینار سرخ خرچ آئے۔ ایک دینار تقریباً ساڑھے تیرہ شلنگ کا ہوتا تھا۔ ایک معتبر مؤرخ لکھتا ہے کہ جب عمارت تیار ہو گئی تو امیر المومنین الناصر نے ایک صاحب کو دکھا کر

اس سے داد طلب کی اس نے تعریف کے ساتھ ہی ساتھ یہ فقرہ بھی چُست کر دیا کہ اس عمارت کے پیچھے دیو سا پہاڑ ہے اس کے سامنے زہرا کا بت بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دیو نے اسے اپنی بغل میں لے رکھا ہے یہ پھبتی چونکہ صحیح تھی اس لئے امیر المومنین نے حکم دیا کہ پہاڑ کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے۔ چنانچہ کام شروع ہو گیا مگر لوگوں نے بمشکل تمام امیر المومنین کو اس ارادہ سے باز رکھا آخر غور و مشورہ کے بعد پہاڑ پر سبزہ اور باغ لگوا دیا گیا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ زہرا جنت کی آغوش میں بیٹھی ہے"

(اخبار الاندلس جلد اول)

قصر زہرا کے تین حصے تھے اور ان میں امیر المومنین اُنکی حرمیں اور کنیزیں جن کی تعداد چھ ہزار تین سو تھی نیز غلام اور خدم و حشم رہتے تھے آخر الذکر کی تعداد ستره ہزار تھی پہاڑ کے پایاں۔ کر آخر میں شہر کی طرف محافظین شاہی خواجہ سراؤں اور دربار شاہی کے غلاموں وغیرہ کی سکونت کے لئے چار سو کے قریب مکانات بنے ہوئے تھے ان کے علاوہ ایک ٹکسال اور چند مکانات اور بھی تعمیر کرلئے گئے یہاں تک کہ یہ ایک اچھا خاصہ شہر بن گیا اور مدینۃ الزہرا کے نام سے مشہور ہو گیا۔

جامع زہراء

قصر الزہرا کی تعمیر سے فارغ ہو کر امیر المومنین نے اپنی توجہ مدینۃ الزہرا کی عالیشان مسجد جامع زہرا کی طرف مبذول کی اس مسجد کی تعمیر میں روپیہ پانی کی طرح بہایا گیا کوئی اور بادشاہ ہوتا تو شاید اتنے مصارف کا متحمل بھی نہ ہو سکتا ابن فرضی اور دیگر مؤرخین لکھتے ہیں کہ:-

جامع زہرا جس روز بننا شروع ہوئی اس روز سے اختتام اور تیاری تک روزانہ ایک ہزار کاریگر کام کرتے رہے ان کاریگروں میں تین سو معمار دو سو بڑھئی اور پانسو مزدور اور مختلف قسم کے کاریگر تھے۔

(مضامین شرر حصہ اول)

جامع کی شان

یہ مسجد ۴۸ دن میں بنکر تیار ہوئی چنانچہ ۲۳ شعبان ۳۲۹ ھ کی شام اس میں پہلی نماز باجماعت ادا کی گئی۔ اس مسجد کا نقشہ ہو بہو وہی تھا جو شہر کی جامع مسجد کا تھا۔ مگر بعض خصوصیات کے لحاظ سے یہ اس سے بڑھ چڑھی ہوئی تھی اس میں پانچ دالان تھے اس کا سنہری اور روپہلی کام حسن صنعت کا بہترین نمونہ اور اس کے محراب و منبر الشیائی مذاق کے شاہکار تھے اس کے مینار چمکدار پتھروں سے بنے ہوئے تھے اور چالیس ہاتھ بلند تھے اس کے صحن میں

رخام کا فرش اور درمیان میں ایک حوض اور فوارہ لگا تھا۔ جس پر سونا چڑھا ہوا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ اس کی تعریف مندرجہ ذیل فقرات سے بھی بالاتر ہے۔

لا عین رأت ولا — اس کی مثال نہ آنکھ
اذن سمعت ولا — نے دیکھی نہ کسی کان نے
خطر علے قلب بشر — سُنی اور نہ ہی کسی کے دل
پر (ایسی پرشان مسجد کا) تصور آیا

مسجد کا خرچ

محراب کے قریب ایک بلند منبر رکھا گیا جو خالص ہاتھی دانت کا تھا۔ اور اس میں مختلف رنگوں کی لکڑی کے چھتیس ہزار ٹکڑے لگے ہوئے تھے اس میں جواہرات بھی لگائے گئے تھے صرف اس منبر کی قیمت ساڑھے بتیس ہزار دینار کے قریب بیان کی جاتی ہے مسجد میں ایک مینار بنایا گیا جو ایک سو آٹھ فٹ اونچا تھا۔ اس میں پڑھنے اور اترنے کے زینے الگ الگ تھے ہر زینہ میں ایک سو سات پایہ تھے مسجد میں روشنی کے لئے چھوٹے بڑے دس ہزار جھاڑ جلا کرتے تھے بعض جھاڑ خالص چاندی کے تھے مسجد پر دو لاکھ اکسٹھ ہزار پانچسو تیس دینار خرچ ہوئے

قاضی منذر کا خطبہ

کہتے ہیں کہ جب قصر الزہرا تعمیر ہو رہا تھا تو امیر المومنین بہ نفس نفیس اس کی نگرانی کرتے تھے اور اس کام میں اتنے منہمک رہتے کہ تین جمعوں کی نماز بھی قضا ہو گئی قاضی منذر کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے علی روس الاشہاد انہیں دھمکانے کا ارادہ کیا چنانچہ جب امیر المومنین چوتھے جمعہ میں آئے تو قاضی نے خطبہ کو خدا تعالیٰ کے اس قول سے شروع کیا :۔

اتبنون بکل ریع آیتہ تعبثون ۰ وتتخذون
مصانع لعلکم تخلدون واذا بطشتم
بطشتم جبارین۔ فاتقوا اللہ واطیعون
واتقوا الذی امدکم بما تعلمون مدکم
بانعام وبنین وجنٰت وعیون انی اخاف
علیکم عذاب یوم عظیم

اس کے بعد مندرجہ ذیل آیت شروع :۔

متاع الدنیا قلیل والاخرۃ خیر لمن اتقٰے

پھر مکانات بنوانے ان کی زیب و زینت میں مستغرق ہو جانے اور عمارت میں بیدریغ روپیہ صرف کرنے کی مذمت کی اسی سلسلہ میں اس نے یہ آیت بھی پڑھی :۔

افمن اسس بنیانہ علی تقوٰے من اللہ
ورضوان خیر ام من اسس بنیانہ علٰے
شفا جرف ھار فانہار بہ فی نار جہنم
واللہ لا یہدی القوم الظالمین

اس کے بعد اس نے نص قرآن وحدیث کے رو سے اس شوق کے چھوڑنے اس سے توبہ کرنے اور لذات دنیا کے انہماک سے بچنے کی ہدایت کی اس بیان پر سب لوگ رو رہے تھے امیر المومنین بھی خفیف ہو کر آنسوؤں کا مینہ برسا رہے تھے۔ لیکن دل ہی قاضی منذر پر بہت ناراض تھے۔

الناصر کی ناراضی

جب وہاں سے واپس آئے تو اپنے بیٹے الحکم سے قاضی کی شکایت کی اور کہا کہ اس کے خطبہ کا صحیح مخاطب میرے سوا اور کوئی نہ تھا۔ اس نے میری ذلت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی

مجھے پند و نصیحت کرنے میں اس نے سیاست ملک کا بھی خیال نہ کیا میں قسم کھاتا ہوں کہ آج سے اس کے پیچھے نماز نہ پڑھونگا چنانچہ اس دن سے امیر نے جامع الزہرا میں نماز ادا کرنی شروع کر دی۔

احترام علم و فضل

ایک روز ولیعہد نے عرض کیا کہ جب آپ قاضی صاحب پر اس قدر ناراض ہیں تو انہیں معزول کیوں نہیں کر دیتے امیر المومنین سے نہ رہا گیا فرمانے لگے کہ تم ولیعہدی سے برطرف کئے جا سکتے ہو لیکن قاضی منذر جیسے عالم کو معزول کرنا سخت حماقت ہے مجھے اس وقت رنج تھا میں نے قسم کھالی اب میرا غصہ اتر گیا ہے۔ اس لئے اپنی قسم کا کفارہ دیتا ہوں جب تک میں اور وہ زندہ ہیں انہیں کے پیچھے نماز پڑھوں گا۔ تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ میں ان سے ناراض نہیں ہوں

اس کے بعد امیر نے ایک دعوت دی جس میں تمام علماء اور بالخصوص قاضی منذر کو مدعو کیا۔ ان سے معافی مانگی قاضی صاحب چونکہ اپنی خو سے لاچار تھے اس لئے جاتے جاتے بھی کچھ وعظ فرما ہی گئے۔

آخری زندگی

تقاضائے عمر اور عیش و عشرت کے نتائج نے خلیفہ ممدوح کی آخری زندگی کو تلخ کر دیا۔ آخرکار انہوں نے کاروبار سلطنت کا جوا اپنے کندھوں سے اتار کر اپنے بیٹے الحکم کے سپرد کیا اور خود گوشہ نشینی اختیار کر لی ایک صاحبدل درویش سے آپ کو بیحد عقیدت تھی وقت کا بیشتر حصہ انہیں کی صحبت میں گذارتے تھے

اندوختہ حیات

انتقال کے بعد کاغذات سے ایک بیاض برآمد ہوئی

جس میں آپ نے اپنے پوشیدہ خیالات کو اس طرح قلمبند کیا تھا۔

"میں نے نہایت امن اور کامیابی کیساتھ بچاس برس حکومت کی میری رعایا مجھ پر فدا تھی میرے دشمن مجھ سے لرزاں تھے دنیا بھر کے بادشاہ میری دوستی اور خوشنودی مزاج کے خواہاں تھے کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کی انسان کے دل میں خواہش ہو اور مجھے میسر ہو قوت اور عیش سبھی کچھ حاصل تھا میں نے اندازہ لگایا ہے کہ اس طویل زندگی میں صرف چودہ دن ایسے تھے جن میں میں بے فکر رہا اور مجھے حقیقی خوشی نصیب ہوئی تمام تعریفیں اسی کو سزاوار ہیں جس کی شان کو زوال نہیں اور جو ہر جگہ حاضر

عطا فرما دی گئی ہے۔ آپ اگر چاہیں تو میں ہر ایک کے متعلق نام بنام اطلاع دے سکتا ہوں۔

ابن تومرت نے لوگوں کو بلانا شروع کیا، الونشریسی ابن تومرت کے موافقین و مخالفین سے خوب واقف تھا اُس نے ہر ایک موافق کو جنتی بتلایا اور اُسے مبارکباد دی۔ اور ہر ایک مخالف کو دوزخی بتلایا اور اس کا سر قلم کر دیا گیا۔

مراکش پر حملہ

بعد ازاں ابن تومرت نے اہل کوہستان کو فتوحات عظیمہ کی بشارات کا امیدوار بنایا۔ اور دس ہزار کا لشکر جمع کر کے مراکش پر حملہ کرنیکے لئے بھیجدیا۔ عبدالمومن اور الونشریسی بھی اس فوج کے ساتھ تھے روانگی فوج کے بعد ابن تومرۃ بیمار پڑ گیا جو فوج مراکش بھیجی گئی تھی اُسے سخت شکست ملی الونشریسی مارا گیا۔

ابن تومرت کی وفات

ابن تومرت جان کنی کی حالت میں تھا کہ اُسے اس شکست کی خبر ملی اس نے اس وقت بھی اپنے آپ کو سنبھالا اور حاضرین سے کہا کہ اس شکست کی پرواہ نہ کرو میں تو مر رہا ہوں تم سب عبدالمومن کی اطاعت کرنا اللہ تعالیٰ تم کو فتوحات عظیمہ عطا فرمائے گا۔

یہی باتیں کرتا ہؤا ابن تومرت مر گیا یہ واقعہ ۵۲۴ھ کا ہے ابن تومرت کی ولادت ۴۸۵ھ میں ہوئی اپنے دعویٰ سے دس سال بعد تک زندہ رہا۔

حلیہ اور وضع قطع

اس کا حلیہ صاحب کتاب المغرب فی اخبار اہل المغرب نے ان الفاظ میں لکھا ہے "درمیانہ قد۔ گندم گون۔ بزرگ سر تیز نظر ثری پر قدم ثریا پر نگاہ۔ ابو مسلم اسکی تدابیر کے سامنے ہیچ تھا۔ شعر ذیل اکثر پڑھا کرتا تھا ؎

تجود عن الدنیا فانک انما خرجت من الدنیا وانت مجرد

اشعار ذیل خود اسکی اپنی تصنیف ہیں:۔

اخذت باعضادھم اذ ناوا وخلفک القوم اذ ودعوا
فکم انت تنتھی ولا تنتھی وتسمع وعظا ولا تسمع
فیا حجر السن حتی متی تسن الحدید ولا تقطع

متنبی کے ان اشعار کو اکثر پڑھا کرتا تھا۔

اذا غامرت فی شرف مروم فلا تقنع بما دون النجوم
فطعم الموت فی امر حقیر کطعم الموت فی امر عظیم

افسوس کہ ابن تومرت اپنی کامیابی کو مکمل نہ دیکھ سکا البتہ عبدالمومن کے لئے وہ سڑک بنا گیا اور اس نے کامرانی کے ساتھ حکومت اعلیٰ پر دسترس حاصل کی۔

ظہور مہدی کی روایات

ناظرین ان حالات کو پڑھیں اور دیکھیں کہ مہدی کے نام سے دنیا میں بالخصوص دنیائے اسلام میں کیا کچھ ہو چکا ہے مجھے اس مقام پر اسقدر لکھ دینا چاہیئے کہ ظہور مہدی کے متعلق اگرچہ روایات بکثرت ہیں جن کا شمار درجنوں پر ہے مگر ایسی حدیث ایک بھی نہیں جو محدثین کے مسلمہ اصول تنقید کے مطابق صحیح مسند مرفوع کا درجہ رکھتی ہو۔ والعلم عند اللہ الحکیم

عبدالمومن

عبدالمومن بن علی کا باپ کوزہ گر تھا ابن تومرت کے بعد عبدالمومن کی فتوحات کا سلسلہ شروع ہؤا حتیٰ کہ وہ تخت مراکش کا زینت آرا ہؤا اور ۳۳ سال کے بعد ۱۰ جمادی الآخر ۵۵۸ھ کو فوت ہؤا۔ اس نے مندرجہ شعر پر ایک شاعر کو ایک ہزار دینار انعام دیا تھا ؎

نذرِ عید

(از جناب محمد امیر الدین خانصاحب منشی فاضل، جے پور راجپوتانہ)

اضطرابِ شوقِ عید اور آخریں روزِ صیام
کچھ شفق سے اور کچھ بادل سے پُر دامانِ شام

انتظارِ جلوۂ مہ میں پریشاں خاص و عام
آرزوئیں آگئیں کھنچ کھنچ کے آنکھوں میں تمام

گوہرِ دُرجِ فلک نیکو بباز ار آمدہ
سرنوشتِ عشرتِ مسلم پدیدار آمدہ

کچھ تو صُوموا صیف کی تعمیل سے فرحاں چلے
کچھ انا اجزی بہ کے وعدے پر شاداں چلے

کچھ تراویح و صلوٰۃ و صوم پر نازاں چلے
کچھ دُرِ اشکِ قیامُ اللیل در داماں چلے

من چہ نذرِ صوم پیشت با دلِ شاد آورم
فاقہ و سنگ شکم روزِ احُد یاد آورم

فاقہ کر کے خوش ہوں پورا کر لیا ماہِ صیام
خاک پر سر جھوڑ نے کا رکھ لیا ہے سجدہ نام

کیا یہی وہ ڈالیں ہیں نذر کالوں جن سے کام
کیا یہی آداب ہیں شائستہ نیل مرام

در چمن زارت گلِ بیرنگ و بو آوردہ ام
یاس ہا در حضرتِ لا تقنطو آوردہ ام

صوموا بالصیف وقوموا بالسیف — الصوم لی وانا اجزی بہ

کپتان پاشا خیر الدین باربروس

ملت اسلامیہ کا ایک مایۂ ناز امیر البحر

آج مسلمانوں پر ذلت و نکبت یا دورِ حاضرہ کے قوائے حرب و دفاع میں پستی و فرومائیگی کی جو تاریک گھٹائیں مسلط ہیں۔ اُن میں اسلامی تاریخ کے کسی پرانے شاندار کارنامے کو بیان کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ لیکن تاریخ ماضی کے صفحات بہ بانگِ دہل اعلان کر رہے ہیں کہ مسلمان ہمیشہ ایسے پست، اور پس ماندہ نہ تھے۔ ایک وقت تھا جب کہ بغداد کا امیر المومنین قیصرِ روم کو نفرت و حقارت سے "رومی کتّا" کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔ اور اس کی بدعہدی کی سزا کے لئے اپنے قاصد کا خط پہنچنے سے پیشتر مجاہدین کے بے پناہ لشکر سے کر اُس کے سر پر صاعقہ کی طرح جا گرتا تھا۔ ایک وقت تھا جب کہ ایک مسلمان بڑھیا کی صدائے العیاث پر قافلہ سالارِ اسلام کے حکم کے ماتحت ساٹھ ہزار مجاہدین کا خون آشام لشکر بجلی کی رفتار سے خلیج فارس کے دہانے سے اُٹھ کر ایشیائے کوچک کے میدانوں میں پہنچ جاتا تھا۔ ایک وقت تھا جب کہ عرب تاجر کی ایک مظلوم بیوہ کی پکار سندھ سے لیکر سربندیپ تک تہلکہ برپا کر دیتی تھی۔ اور توحید پرستوں کے جوش تا ہر اس پکار کو سن کر ظالموں کی سلطنتوں کے تختے الٹ دیتے تھے یہ مسلمانوں کی عزت و حرمت اور طاقت و شوکت کے بری کارنامے تھے۔ بحری کارنامے اس سے کم نہ تھے۔ ایک خیر الدین یا ایک عروج ایک غیر معروف مقام سے اُٹھتا تھا اور یورپ کی وہ بڑی بڑی طاقتیں جنکے جنگی جہاز آج دنیا بھر کے سمندروں کا سینہ فاتحانہ چیر رہے ہیں۔ ان مسلم ملاحوں کے نام سن کر اس طرح لرزنے لگ جاتے تھے جس طرح کہ ایک ہوا کے تند و تیز جھونکے کے سامنے گھاس کے تنکے لرزنے لگ جاتے ہیں۔ لیکن آہ! یہ افسانۂ ماضی ہے۔ اور ہم ناخلفوں کو قطعاً یہ حق نہیں پہنچتا کہ شب و روز ذلت کی ٹھوکریں کھائیں اور اُن بزرگوں کے کارنامے بیان کریں۔ جو دنیا میں صرف عزت و حرمت اور صرف فتح و کامرانی کے لئے جیئے۔ لیکن یہ داستان اس غرض سے بیان کی جارہی ہے۔ کہ شاید کسی سعید قلب میں پھر کوئی صحیح احساس پیدا ہو جائے۔ اور وہ اپنے آبا کی وراثت کا اہل بن سکے یعنی شاید پھر گزرا ہوا زمانہ عود کر آئے۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

خیر الدین کا خاندان

مجمع الجزائر یونان میں ساحل ایشیائے کوچک کے قریب سمرنا کے شمال میں ایک جزیرہ ہے۔ جسے پہلے لزبس کہتے تھے۔ بعد میں اس کا نام متی لین ہو گیا۔ عربی و ترکی میں اسے مدلی کہا جاتا ہے۔ سلطان محمد ثانی فاتح قسطنطنیہ نے اس جزیرے کو ۱۴۶۲ء میں فتح کیا اور ایک فوجی افسر یعقوب کو اس کا گورنر بنا دیا۔ مورخین یعقوب کی قومیت و مذہب کے باب میں مختلف الخیال ہیں۔ تمام ترک مورخین اسے مسلمان بتاتے ہیں اہل فرنگ کا خیال ہے۔ کہ وہ عیسائی تھا۔ لیکن ہمیں اس خیال کی صحت میں تامل ہے۔ اہل فرنگ کی اس سعی نامشکور کا مدعا یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ خیر الدین اور اس کے بھائی عروج کی انتقامانہ تر کتازیوں کو کسی نہ کسی وجہ سے اپنے توہین مذہب سے منسوب کریں۔ بہرحال یعقوب مدلی ہی میں مقیم ہو گیا اور وہیں اس نے وفات پائی یہ معلوم نہیں کہ کس سال میں وفات پائی۔

یعقوب نے چار بیٹے چھوڑے۔ اُن میں سے سب سے بڑے کا نام اسحاق تھا۔ جو اپنے باپ کے بعد جزیرہ مدلی کا ایک مشہور دولتمند تاجر بن گیا۔ دوسرے کا نام الیاس تھا۔ تیسرے کا عروج اور سب سے چھوٹے بیٹے کا نام خضر تھا۔ یہی خضر آئندہ چل کر کپتان خیر الدین باربروس بنا۔ جس کے تذکرے سے یہ صفحات مزیّن ہو رہے ہیں۔

پیدائش اور ابتدائی زمانہ

خیر الدین کی پیدائش کی صحیح تاریخ معلوم نہیں۔ وفات کے متعلق یقینی طور پر معلوم ہے۔ کہ ۱۵۴۶ء میں ہوئی۔ ایک مورخ کا بیان ہے۔ کہ خیر الدین کی عمر وفات کے وقت نو برس کی تھی یہی مورخ اس کے بڑے بھائی عروج کی عمر بوقت شہادت پینتالیس برس بتاتا ہے۔ لیکن یہ دونوں باتیں صحیح نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے کہ عروج ۱۵۲۰ء میں شہید ہوا۔ اور خیر الدین اپنے بھائی کے بعد چھبیس برس زندہ رہا۔ اگر اسے عروج سے دو برس چھوٹا مان لیا جائے۔ اور عروج کی عمر بوقت شہادت ۴۵ برس ہی تسلیم کر لی جائے۔ تو عام حساب کے مطابق انتقال کے وقت خیر الدین کی عمر ۶۹ برس کی نکلتی ہے۔ اس لحاظ سے ولادت کی تاریخ ۱۴۷۷ء ہوگی۔ ہمارے خیال میں یہی تاریخ صحیح ہے۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کا بیان ہے۔ کہ ولادت تخمیناً ۱۴۸۳ء میں ہوئی۔ اور عمر ۶۳ سال کی تھی بچپن کے کچھ حالات معلوم نہیں ہیں۔ اور نہ اس زمانے میں کسی کو خیال تھا۔ کہ ایک غیر معروف جزیرے کا یہ غیر معروف لڑکا آئندہ چل کر دنیا کا نہایت معزز اور بے نظیر امیر البحر بن جائے گا اور سارا زمانہ اُس کی مدح و ستائش کے گیت گائے گا۔

بحری قزاقی کا دور

اس زمانے میں بحری قزاقی زوروں پر تھی۔ بحیرۂ روم یا بحیرۂ متوسط خاص طور پر قزاقوں کی جولانگاہ تھا۔ یہ سلسلہ اہل فرنگ نے شروع کیا اور بحیرہ متوسط کے چھوٹے بڑے جزیروں کے مختلف من چلے آدمی اس کام میں مصروف ہو گئے۔ ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں کہ خیر الدین کے خاندان کو کس وجہ سے اس پیشے کی طرف توجہ ہوئی۔ لیکن اغلب یہ ہے کہ خیر الدین کا سب سے بڑا بھائی اسحاق ایک کامیاب تاجر تھا اس کا مال کہیں لوٹا گیا۔ اس کے دو بھائی الیاس و عروج اس زمانے میں ہوش سنبھال چکے تھے۔ اُنہیں اس واقعہ پر بے حد قلق ہوا اور انتقام کی خاطر انہوں نے خود قزاقی شروع کر دی خیر الدین نے ہوش سنبھالا تو وہ بھی اپنے ان بھائیوں کے ساتھ ہو گیا۔ چونکہ یہ تینوں بے حد بہادر اور دلیر تھے۔ اس لئے پے در پے کامیاب ہوئے اور کامیابی نے اُنہیں مستقل طور پر اس کام میں لگا دیا۔ الیاس ایک جنگ میں مارا گیا۔ اور عروج و خیر الدین باقی رہ گئے

تونس کی جانب حرکت

لیکن اولوالعزم بھائیوں کے لئے مدلی موزوں مقام نہ تھا وہ چاہتے تھے کہ کسی وسیع تر میدان میں قوت آزمائی کریں۔ اس وقت تک ہسپانیہ کی مسیحی حکومت مسلمانوں کو اندلس سے بے دخل کر چکی تھی۔ جو مسلمان حکومت کی تباہی کے بعد بھی اندلس میں مقیم رہے۔ ان پر ہولناک ظلم برپا کئے جارہے تھے۔ بلکہ مسیحیوں کے جنون انتقام کا یہ عالم تھا۔ کہ جو لوگ اندلس کو چھوڑ کر افریقہ چلے آئے تھے۔ ان پر افریقہ میں تاخت و تاراج کا سلسلہ جاری تھا۔ جو ورد مند مسلمان یہ حالات سنتا تھا۔ غیظ و غضب میں آپے سے باہر ہو جاتا تھا۔ عروج و خیر الدین کو بھی اہل ہسپانیہ کی اس ستم کاری پر بے حد غصّہ آیا۔ وہ پہلے ہی سے کسی وسیع تر میدان کی تلاش میں تھے۔ اپنے مظلوم دینی بھائیوں کی حمایت و حفاظت کے جذبے نے اُنہیں بالکل بے چین کر دیا۔ چنانچہ وہ سولہویں صدی کے آغاز میں اپنے وطن سے نکل کر تونس کی جانب چلے آئے تا کہ کسی اچھی بندرگاہ پر قبضہ جما کر ہسپانیہ پر تاخت و تاراج کر سکیں۔ بڑے بھائی اسحاق نے ان کے لئے ایک مختصر سے بیڑے کا انتظام کر دیا۔

حکمران تونس سے معاہدہ

شہر تونس کے قریب گولٹا نامی ایک اچھی محفوظ خلیج تھی۔ جسے بربر لوگ حلق الواد کہتے ہیں۔ عروج و خیر الدین اس خلیج میں پہنچے تو یہ جگہ انہیں بہت پسند آئی۔ تونس پر اس وقت بنو حفص کا خاندان حکمران تھا۔ عروج نے حاکم کے روبرو یہ شرط پیش کی کہ اگر آپ ہمیں حلق الواد میں اقامت کی اجازت دے دیں گے تو ہم جہاز لوٹ کر لایا کریں گے۔ اس میں سے ⅕ حصّہ آپ کے حوالے کرتے رہیں گے۔ حاکم نے یہ شرط قبول کر لی۔ اور دونوں بھائی حلق الواد کو اپنا مستقر قرار دے کر دشمنوں کے جہازوں پر تاخت و تاراج کرنے لگے۔ یہ ۱۵۰۴ء کا واقعہ ہے۔

پوپ کے جہازوں پر حملہ

اس معاہدے کے بعد عروج نے سب سے پہلے پاپائے روما کے دو جہاز لوٹے جو جنوا سے سیوطہ جا رہے تھے عروج جزیرہ البا کے قریب ایک کمین گاہ میں ٹھہرا ہوا تھا۔ کہ اسے پوپ کے جہازوں کی اطلاع ملی۔ اس کے پاس صرف ایک چھوٹا سا جہاز تھا۔ اور ملاح بھی کچھ زیادہ مستعد اور کارواں نہ تھے مگر عروج کے تہور غیرت اسلام اور ہسپانی مسیحیوں کے ہولناک مظالم کا جوش انتقام ایسا نہ تھا۔ کہ وہ اس قسم کی باتوں کو خاطر میں لاتا اس کے تمام رفقا کی رائے یہ تھی کہ جہازوں کو نہ چھیڑا جائے۔ مگر عروج نے اس رائے کو مسترد کر دیا۔ جہاز آگے پیچھے جا رہے تھے۔ پہلا جہاز قریب پہنچا تو عروج نے اس پھرتی اور تیزی سے اُس پر حملہ کیا کہ جہاز والے سراسیمہ ہو کر چند لمحوں میں اُس کے قبضہ میں آگئے۔ جب دوسرا جہاز قریب پہنچا تو اُسے بھی اسی طرح قابو کر لیا۔ عروج نے تونس پہنچ کر نیک نیتی کے ساتھ مال غنیمت کا خُمس حاکم تونس کے حوالے کر دیا۔ آہستہ آہستہ عروج کی قوت بڑھتی گئی۔ خیر الدین اس کا دست و بازو تھا۔ اگرچہ بڑا ہونے کی وجہ سے عنانِ اقتدار عروج ہی کے ہاتھ میں تھی۔ کچھ مدت کے بعد عروج نے دیکھا کہ حلق الواد کی بندرگاہ اس کے جہازوں کے لئے کافی نہیں۔ لہذا اس نے جزیرہ جربہ کو جو تونس کے مشرق میں طرابلس و تونس کی مشترک سرحد کے قریب واقع ہے۔ اپنے قبضے میں لے کر اسے اپنا مستقر خاص بنا لیا۔

بجایہ پر حملہ

عروج اور خیر الدین یورپ کی بڑی بڑی طاقتوں کے جہاز مسلسل لوٹ رہے تھے۔ اور ان کے ساحلی شہروں کو نقصان پہنچا رہے تھے۔ لیکن اتنا کرنا اُن کے نزدیک مسیحی مظالم کے انتقام کی اس آگ کو فرو کرنے کے لئے کافی نہ تھا۔ جو مدت سے اُن کے سینوں میں بھڑک رہی تھی۔ اور وہ کسی اچھے موقع کی تلاش میں تھے اسی اثنا میں بجایہ کے حاکم نے عروج سے التجا کی کہ ہسپانیہ کے مقابلہ میں مدد کی جائے۔ اور بصورت فتح بجایہ کی بندرگاہ آپکے جہازوں کی آمد و رفت کے لئے کھول دی جائے گی۔ عروج کے لئے ہسپانیہ سے براہِ راست انتقام لینے کا یہ خدا داد موقع تھا۔ وہ بلا تامل بارہ جنگی جہاز لے کر اپنے شیر دل بھائی

سمیت بجایہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس حرکت نے مسلمانوں میں عام جنبش پیدا کر دی۔ دونوں بھائی پہلے ہی بے حد ہر دلعزیز تھے۔ لیکن مظلوم مسلمانوں کے انتقام کے لیئے اپنی جان مصیبت میں ڈالنے کے واقعے نے ان کی عزت اور بھی بڑھا دی عروج و خیر الدین کی آمد کی خبر سن کر ہسپانی فوج قلعہ نشین ہو گئی۔ محاصرین نے آٹھ روز تک شدت سے گولہ باری کی۔ اور جب قلعہ کی فتح و تسخیر کا وقت قریب آ پہنچا تو سوء اتفاق سے عروج کے ایک گولی لگی اور ایسا زخم آیا کہ وہ بیہوش ہو کر گر پڑا۔ اسے فی الفور علاج کے لیئے تونس بھیجدیا گیا۔ اور افسر فوج محاصرہ ترک کر کے جربہ کی طرف لوٹ آئے۔ راستے میں جنوا کا ایک جہاز مل گیا۔ اُسے لوٹ لیا۔

جنوا کی انتقامی مہم

جنوا کی پارلیمنٹ نے اپنے جہاز کے لٹ جانے کا واقعہ سُنا تو وہ غیظ و غضب سے بے تاب ہو گئی چنانچہ انتقام کی تیاری کی گئی اور امیر البحر انیڈریا ڈوریا کو جو اس زمانے میں یورپ کا مشہور ترین امیر البحر تھا ایک جنگی بیڑا دے کر تونس بھیجدیا گیا۔ خیر الدین نے اسوقت سوچا کہ اس کے پاس ڈوریا کے کامیاب مقابلے کے لیئے کافی سامان نہیں ہے۔ لہذا اس نے جنگ نہ کی تاہم ڈوریا کی اس تاخت کا بدلہ لینے کی تیاری شروع کر دی۔ چنانچہ جربہ پہنچ کر اس نے اپنی نگرانی میں نئے جہاز بنوائے اور اس طرح ایک اچھے بیڑے کا بندوبست کیا۔ اس وقت تک عروج بھی تندرست ہو کر خیر الدین سے آملا ۱۵۱۴ء میں دوبارہ بجایہ کا محاصرہ کر لیا گیا۔ پھر کامیابی کی منزل قریب آئی تو ہسپانیہ سے کمک آ پہنچی۔ اور عروج کو دوبارہ پسپا ہونا پڑا۔ بجایہ جاتے آتے اس نے جیجلی نامی ایک اچھا مقام دیکھا جو بہترین بندرگاہ بن سکتا تھا۔ عروج نے اس پر قبضہ کر لیا اور اُسے بھی بطور ایک مستقر کے استعمال کرنے لگا۔

الجزائر پر حملہ

وہ مسلمان جو اندلس کی اسلامی حکومت کی تباہی کے بعد الجزائر میں آبسے تھے۔ یہاں بھی ہسپانی حکومت کے آزار کا ہدف بنے ہوئے تھے اور اُن سے ٹیکس لیا جاتا تھا۔ فرڈی نینڈ شاہ ہسپانیہ مر گیا۔ تو مسلمانوں نے ٹیکس دینے سے انکار کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی ہسپانیہ کے مقابلے کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ سالم تومی حاکم الجزائر نے عروج سے بھی امداد کی استدعا کی تھی۔ عروج نے فوراً یہ استدعا قبول کر لی اور وہ سولہ جہاز اور فوج لے کر خشکی اور تری دونوں جانب سے الجزائر کی طرف بڑھا۔ پہلے اُس نے شرشال کی بندرگاہ پر قبضہ کر لیا۔ جو الجزائر سے بجانب غرب واقع ہے۔ پھر الجزائر پہنچ کر اس نے قلعہ میں ہسپانی افواج کا محاصرہ کر لیا۔ دوران محاصرہ میں الجزائر کے اندلسی مسلمانوں اور عروج کے سپاہیوں کے مابین کچھ اختلافات پیدا ہو گئے اور وہ اندلسی جن کی امداد و اعانت کے لیئے عروج نے یہ جنگ مول لی تھی عروج کے خلاف دشمن سے سازباز کرنے لگے۔ اسی دوران میں عروج کے کسی سپاہی نے سالم تومی کو مار ڈالا۔ اس سے باہمی مخالفت اور بھی بڑھ گئی۔ عروج نہیں چاہتا تھا کہ محاصرہ کو کامیابی تک پہنچانے سے پہلے کوئی اور فتنہ کھڑا ہونے دے اور کام بگاڑ دے لہذا اُس نے ایک جمعہ کے خطبے میں اندلسیوں کے سازباز کا پردہ فاش کر دیا۔ تمام مسلمان اس پر بہت جوش میں آگئے۔ اور عروج نے موقع پا کر سازش کے سرغنوں کو قتل کی سزا دے دی۔

الجزائر کی فتح

محصور فوج اب تک سمجھ رہی تھی کہ سازش سے کام چل نکلے گا لیکن جب عروج کی تدبیر نے اس تمنا کو ہمیشہ کے لیئے موت کی نیند سلا دیا تو وہ پریشان ہوئے ہسپانیہ سے اُن کے لیئے کمک آئی۔ اور اس کمک کے الجزائر پہنچنے پر عروج دو دشمنوں کے درمیان میں گھر گیا۔ تاہم اس نے دلیری سے مقابلہ کیا۔ ہسپانیہ کو فاش شکست دی۔ اور الجزائر عروج کے قبضے میں آگیا۔ اس کے بعد عروج نے تنس اور تلمسان کو بھی مسخر کر لیا۔ مختلف قبائل نے بھی اس کی اطاعت کر لی۔ اور سلطان سلیم کو جو اس وقت مصر میں تھا۔ اس فتح کی خبر ملی تو اس نے الجزائر کی گورنری کا فرمان بھیجدیا۔ اس طرح عروج دولت علیہ عثمانیہ سے وابستہ ہو گیا۔ اب صرف وہران اور بعض دیگر چھوٹے چھوٹے مقامات ہسپانیہ کے قبضے میں رہ گئے۔ باقی سارا الجزائر عروج کے ہاتھ میں آگیا۔ اس زمانے میں اُس نے اپنے بھائی خیر الدین کو ہسپانیہ بھیجدیا اور وہ ہسپانیہ کے مظلوم مسلمان خاندانوں کو اپنے جہازوں پر بٹھا بٹھا کر افریقہ پہنچاتا رہا۔

عروج کی شہادت

شاہ ہسپانیہ نے اپنی شکستوں کا داغ دھونے کے لیئے ایک فوج خاندان باربروس کی سرکوبی کے لیئے الجزائر بھیجی جس نے تلمسان پر حملہ کیا ۲۴ روز تک عروج قلعہ میں محصور رہا اس لیئے کہ اس کے پاس جمعیت بے حد قلیل تھی پھر موقع پا کر باہر نکلا۔ تاکہ بچ کر الجزائر چلا جائے اور زیادہ سپاہ لے کر ہسپانیوں سے لڑے۔ راستے میں ندی پڑتی تھی۔ عروج اسے عبور کر گیا۔ لیکن اس کی عقبی فوج ابھی دوسرے ہی کنارے پر تھی۔ کہ ہسپانیہ والوں نے حملہ کر دیا۔ عروج اپنی سپاہ کے ایک حصے کو گھرا ہوا دیکھ کر فی الفور پلٹا اور اس سے آملا۔ سخت گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں عروج کی فوج کا ایک ایک آدمی مارا گیا۔ لڑائی کے بعد عروج بھی کشتوں میں تھا۔ کہتے ہیں کہ ہاتھ میں تلوار مضبوطی سے پکڑی ہوئی تھی۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دم واپسین تک مقابلہ نہیں چھوڑا ہوگا۔ وفات کے وقت عروج کی عمر تقریباً ۴۵ برس کی تھی۔

خیر الدین باربروس اعظم

خیر الدین اس لڑائی میں شریک نہ تھا۔ جب اسے اپنے دلاور بھائی کی شہادت کی خبر ملی۔ تو دنیا اس کی آنکھوں میں تاریک ہو گئی۔ امیر محمد بن امیر عبد القادر الجزائری اپنے والد محترم کے سوانح حیات تحفۃ الزائر میں لکھتے ہیں۔ کہ خیر الدین الجزائر کو چھوڑ کر پہلے کی طرح بحری قزاقی کا سلسلہ شروع کرنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ کہ اسی اثنا میں وہ فوج آ پہنچی جو سلطان سلیم نے عروج کی امداد کے لیئے بھیجی تھی اس پر خیر الدین نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ اور وہ اپنے بھائی کے خون کا انتقام لینے کے درپے ہو گیا۔ چنانچہ اپنے قلعوں اور بندرگاہوں کو مضبوط اور مستحکم کر کے اس نے ہسپانیہ پر حملے کے لیئے اپنا بیڑا تیار کیا۔ ہسپانی جرنیل نے یہ دیکھ اپنی فوجیں خشکی پر اُتار دیں۔ وادی شلف میں لڑائی ہوئی۔ خیر الدین نے ہسپانی افواج کو شکست دی۔ بحری لڑائی میں بھی ہسپانیہ کے اکثر جہاز غرق ہوئے۔ اور خیر الدین مظفر و منصور ہوا۔ اس فتح عظیم اور انتقام گیری کی اطلاع سلطان کو ملی تو اس نے خیر الدین کو مغرب اوسط یعنی الجزائر کا گورنر بنا دیا۔

خیر الدین کا اقتدار

اس فتح نے پھر خاندان باربروس کی دھاک بٹھا دی اور دنیا کو معلوم ہو گیا۔ کہ عروج اگر چہ چلا گیا ہے تو کیا اس سے زیادہ باتدبیر، زیادہ دور اندیش اور زیادہ دلیر و جری شخص اس کی وراثت کا محافظ ہے۔ سارا الجزائر خیر الدین کے قبضے میں آگیا۔ تمام شہروں پر اس کی فرمانروائی کے پرچم لہرانے لگے۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ وہ ہر سال دو مرتبہ اپنی کمانداری میں ہسپانیہ پر تاخت کرتا۔ اندلسیوں کو چھڑاتا اور افریقہ میں آباد کرا دیتا۔ اس کے گرد بڑے بڑے بحری کماندار اور بحری کپتان جمع ہو گئے۔ مثلاً طرغود، صالح وغیرہ۔ جن میں سے



ایک ایک شخص بحری لڑائیوں اور تاراجگی میں نام پیدا کر چکا تھا۔ اس طرح خیر الدین کی طاقت اقتدار اور شہرت میں بے حد ترقی ہو گئی۔ سارا بحیرہ روم عملاً اس کے اور اس کے افسروں کے قبضے میں تھا۔ جنوبی یورپ کی تمام سلطنتیں اور علی الخصوص ہسپانیہ پر اس کے نام نے لرزہ طاری کر رکھا تھا۔ بعض مسیحی مورخ خیر الدین پاشا کے زمانہ اقتدار کو مسیحی دنیا کے لئے "عذاب الیم" قرار دیتے ہیں۔

ہسپانیہ سے معرکہ آرائیاں

خیر الدین کو سب سے بڑھ کر اس امر کا خیال تھا۔ کہ اندلس کا کوئی مسلمان ہسپانیہ میں مصیبت نہ رہے۔ عیسائی شروع شروع میں ان مسلمانوں کو نکل کر افریقہ آنے کی اجازت دیتے رہے۔ لیکن انہیں محسوس ہوا کہ یہ لوگ ہسپانیہ کے سارے راز خیر الدین پر ظاہر کر دیتے ہیں۔ اور یہ قافلہ شیر دل باربروس کی آتش انتقام کو اور بھڑکا رہا ہے۔ اس پر حکومت ہسپانیہ نے مسلمانوں کے باہر نکلنے کا سلسلہ بند کر دیا۔ ۱۵۲۹ء میں خیر الدین کو اطلاع ملی کہ اندلس کے کئی سو مسلم خاندانوں کو ہسپانیہ کے ساحلی شہروں القنطرہ اور ویلینشیا میں روکا ہوا ہے۔ اور وہ بیچارے سخت مصیبت میں مبتلا ہیں۔ خیر الدین نے فی الفور اپنے دو سرداروں کو جہاز دے کر ان کی امداد کے لئے روانہ کر دیا۔ ان سرداروں نے سب سے پہلے جزیرہ میورقہ (میورقہ) کا کو تاراج کیا۔ پھر وہ ساحل ہسپانیہ کے قریب قریب سمندر میں چکر لگاتے رہے۔ اور کسی ذریعہ سے ان خاندانوں کے ساتھ گفت و شنید کر کے انہیں ایک بندرگاہ سے اپنے جہازوں پر سوار کرا لائے۔ یہ بیڑا الجزائر کی طرف واپس ہو رہا تھا کہ اسی زمانے میں ہسپانیہ کا امیر البحر جنوا سے اپنے وطن واپس جا رہا تھا۔ اسے اطلاع ملی۔ تو وہ بلا تامل اسلامی جہازوں کے تعاقب میں نکل پڑا۔ جزائر بلیرک کے قریب سخت لڑائی ہوئی۔ ہسپانی امیر البحر مارا گیا۔ اس کے سات جہاز مسلمانوں کے قبضے میں آئے اور باقی منتشر و تباہ حال جزیرے کے کنارے جا لگے۔ اس فتح عظیم نے خیر الدین کی شہرت میں اور بھی اضافہ کر دیا۔

ڈوریا کے ناکام حملے

ہسپانیہ نے اپنی ذلت کا داغ دور کرنے کے لئے ۱۵۳۱ء میں ڈوریا کو جو یورپ کا مشہور امیر البحر تھا۔ ایک بیڑا دے کر شرشال پر حملے کے لئے بھیج دیا۔ اور وہ ایک حد تک کامیاب بھی ہو گیا۔ خیر الدین کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو وہ جھلائے ہوئے شیر کی طرح خود شرشال پر چڑھ دوڑا۔ ڈوریا اس کی آمد کی خبر سن کر اپنے دو ہزار ساتھیوں کو چھوڑ کر بھاگ گیا۔ جن میں سے ایک ہزار مارے گئے۔ باقی جنگی اسیر ہو گئے اور کچھ وجہ سے غلام بن کر رہے۔ الجزائر کے پاس پنیون کا قلعہ اس وقت تک ہسپانیہ کے قبضے میں تھا۔ اب خیر الدین نے اس پر توجہ کی۔ قلعہ والوں نے ہسپانیہ سے کمک طلب کی لیکن خیر الدین نے ایسی شدید گولہ باری کی کہ قلعہ کا نشان تک مٹ گیا۔ اور ہسپانیہ کی بھیجی ہوئی کمک الجزائر پہنچی تو وہ حیران رہ گئی۔ اسی حالت میں خیر الدین کی ہلکی کشتیوں نے ہسپانی جہازوں کو آ گھیرا۔ اور ساری کمکی فوج نے اپنے آپ کو فاتح کے حوالے کر دیا۔

مرکز سے وابستگی

خیر الدین کی سیرت میں جرأت، دلیری اور حسن انتظام بہت نمایاں ہے۔ لیکن اس زمانے میں یہ چیزیں۔ اسلامی آبادیوں میں عام تھیں۔ آج کی طرح کمیاب و نادر نہ تھیں۔ مگر اس شیر دل اور پاک نفس انسان کی جو خصوصیتیں دل پر سب سے زیادہ اثر ڈالتی ہیں۔ وہ اسلامی حمیت مسلمانوں کے ساتھ گہری ہمدردی اور مرکز اسلام یعنی خلافت عثمانیہ کے ساتھ بھی وابستگی ہے۔ خیر الدین دنیا کے کسی حصے میں کسی مسلمان کی تکلیف و اذیت کا حال سنتا تھا تو بیتاب ہو جاتا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے چند

سال کی کوششوں سے ستر ہزار اندلسی مسلمانوں کو مسیحی ظالموں کے پنجے سے چھڑایا اور اپنے پاس لا کر آباد کیا۔ دوسرے وہ ہر موقع پر خلافت عثمانیہ سے گہری اطاعت کے اظہار کے لئے بے تاب رہتا۔ اگرچہ مرکز سے دور تھا اور اس کی فتح و کامرانی سلطنت عثمانیہ کی ہر امداد سے بے نیاز تھی۔ لہذا وہ خود مختار بن جاتا تو کوئی طاقت اسے شکست نہیں دے سکتی تھی۔ مگر وہ ایک ایک بات کی رپورٹ اس طرح سلطان کے پاس بھیجتا کہ گویا اس کا ایک ادنے ملازم ہے۔ خیر الدین نے چند سال میں الجزائر کے بنجر اور بے رونق علاقے کو اپنے حسن انتظام سے گلزار بنا دیا۔ باشندوں کی اصلاح کی۔ بندرگاہوں کو سدھارا اور تجارت کو فروغ دیا۔ اس زمانے میں سلطان سلیمان اعظم نے اسے قسطنطنیہ بلا لیا۔ جس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے۔ کہ امیر البحر ڈوریا حوالی آستانہ میں تاخت و تاراج کرتا رہتا تھا۔ اور اس کی گوشمالی ضروری تھی۔

دولت عثمانیہ کا امیر البحر

خیر الدین نے سلطانی فرمان کے پہنچتے ہی حسن آغا کو جو اس کا نہایت وفادار افسر اور بے حد جری، دلیر اور باتدبیر شخص تھا۔ اپنا نائب مقرر کیا خود اپنے اہل و عیال سمیت چالیس جہاز لے کر قسطنطنیہ روانہ ہو گیا۔ لیکن روانگی سے پیشتر اطلاع مل چکی تھی۔ کہ ڈوریا راستے میں تاخت و تاراج کر رہا ہے۔ اس لئے خیر الدین نے جاتے جاتے اس کی سرکوبی کا بھی ارادہ کیا۔ اس کے جہاز البا پہنچے تو معلوم ہوا۔ کہ ڈوریا سسلی کی جانب چلا گیا ہے۔ خیر الدین جنوا وغیرہ کے تجارتی جہازوں کو لوٹتا ہوا اٹلی کے ساحل کے ساتھ ساتھ ڈوریا کے تعاقب میں روانہ ہو پڑا۔ خلیج نیپلز اور خلیج سلونو میں بھی پھرا۔ مگر ڈوریا نہ ملا۔ پھر وہ سانتا موارد اور نوارنیو ہوتا ہوا ساحل موریا کے پاس سے گزر کر سالونیکا میں لنگر انداز ہو گیا۔ باب عالی کی طرف سے اس کا شاندار استقبال کیا گیا۔ یہ ۱۵۳۳ء کا واقعہ ہے۔ سلطان نے اسے وزیر البحر بنا دیا اور بحری محکمے کا قلمدان اہتمام اس کی تحویل میں دے دیا

تونس پر حملہ

نئی خدمت پر فائز ہوتے ہی خیر الدین نے ترکی بیڑے کو اعلیٰ پیمانے پر منظم کرنے

کی کوشش شروع کر دیں۔ تجربات کے دیرینہ تجارب سے فائدہ اٹھا کر اس نے جہازوں کی تعمیر و ساخت میں نہایت اہم اصلاحیں کیں۔ اور انہیں تیز رفتار بنایا۔ اس نے اپنے اہتمام میں جہاز سازی کا ایک اچھا کارخانہ کھول دیا۔ سرگرمی کی یہ حالت تھی کہ دوسروں کو محنت کا شوق دلانے کے لئے باوجود جلالت منصب، خود کاریگروں کے ساتھ کام کرنے بیٹھ جاتا۔ غرض ایک سال کے اندر اندر اس نے ۸۴ جہازوں کا بیڑا تیار کیا۔ اسے لے کر ڈوریا کے تعاقب میں نکل پڑا۔ اور اٹلی کے ساحل پر تاخت و تاراج کرتا ہوا ڈوریا کی طرف بڑھ گیا۔ مگر ڈوریا نہ ملا۔ اس کے بعد وہ تونس کی جانب متوجہ ہوا۔ حاکم تونس کو اس نے باب عالی کی اطاعت کی طرف توجہ دلائی تھی۔ مگر وہ اس ضروری مشورے کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔ آخر وہاں دو دعویداران تخت میں کشمکش شروع ہو گئی۔ ایک نے خیر الدین سے امداد طلب کی جس پر وہ تونس پہنچا۔ اس کی ایک اہم وجہ یہ تھی۔ کہ تونس الجزائر اور دوسرے اسلامی ممالک کے مقابلے میں اہل فرنگ کی پناہ گاہ بن رہا تھا خیر الدین کے تونس پہنچتے ہی وہاں کا حاکم سلطان حسن بھاگ کر شاہ ہسپانیہ کے پاس پناہ گزیں ہو گیا۔ تونس پر خیر الدین نے قبضہ کر لیا اور اس نے دوسرے دعویدار کو تخت پر بٹھا دیا۔

ہسپانیہ کا حملہ

شاہ ہسپانیہ چھ سو جہازوں کا بیڑا لے کر خیر الدین پر حملہ آور ہوا۔ کہتے ہیں کہ یہ حملہ سلطان حسن کی تائید کے لئے تھا۔ لیکن حقیقتہً شاہ ہسپانیہ کی آرزو یہ تھی کہ خیر الدین کو نیست و نابود کر کے افریقہ کی فتح و تسخیر کا راستہ صاف کرے۔ اس بیڑے نے حلق الوادی میں پہنچ کر تونس کا محاصرہ کر لیا۔ بڑی سخت لڑائی ہوئی۔ خیر الدین نے انتہائی پامردی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ اور دشمن کو کامیابی کی کوئی امید نہ رہی۔ عین اسی اثنا میں تونس کے باشندے اہل ہسپانیہ سے مل گئے وہ خیر الدین کے تصرف کے پہلے ہی سے مخالف تھے۔ مگر بادل ناخواستہ اطاعت کا دم بھر رہے تھے۔ اس اندرونی فتنے نے خیر الدین کے لئے سخت دشواری پیدا کر دی اور وہ مجبور ہو کر بندرگاہ بونہ کی طرف نکل گیا۔ افرنگی مورخین نے اس فتح پر اتنے

جوش وخروش اور مسرت وشادی کا اظہار کیا کہ گویا کسی مفلس کمینے اور فرومایہ شخص کو دفعۃً گنج قارون مل گیا تھا۔ اور حقیقت یہی ہے۔ کہ جو شیر دل سلیے یورپ کے جہازوں کو بھیڑوں اور بکریوں کے ریوڑوں کی طرح ادھر سے اُدھر ہانکے پھرتا تھا۔ اس کے مقابلے میں فتح حاصل کرنا واقعی ایک حیرت انگیز واقعہ تھا۔

ہسپانیہ کی درندگی

اہل ہسپانیہ نے فتح کے بعد سلطان حسن کو تخت پر بٹھا دیا۔ مگر شہر میں پہنچ کر اُن لوگوں کی بہیمیت ہر قید سے آزاد ہوگئی۔ قتل عام کا حکم دیدیا گیا۔ پاکدامن خواتین کی عصمتیں برباد کی گئیں۔ شہر کے بازار کی گلیاں خون سے لالہ زار بن گئیں۔ ہزاروں بے گناہ مسلمان مارے گئے۔ امیر محمد لکھتے ہیں کہ ساٹھ ہزار فرزندان توحید شہید کر ڈالے گئے۔ حسن نے پانچ سال حکومت کی لیکن آخر کار غیظ و غضب سے لبریز باشندوں نے اسے معزول کر کے اندھا کر ڈالا۔ اور اس طرح اس بدبخت کو اپنی ملت و قوم سے غداری کی سزا مل گئی۔

خیرالدین کی مراجعت

تونس میں یہ مظالم برپا تھے۔ خیرالدین جوش انتقام میں بھرا ہوا سیدھا جزیرہ کارسیکا پہنچا اور خشکی پر اُتر کر اس نے سارے جزیرے کو تاخت و تاراج کر ڈالا۔ وہاں سے کچھ جہاز لوٹ کر پھر اس خیال سے الجزائر کی طرف پلٹا کہ کہیں شاہ ہسپانیہ الجزائر پر حملہ نہ کر دے۔ مگر شاہ مذکور کے لیے یہی غنیمت تھا کہ اسے خیرالدین پر فتح حاصل ہوگئی۔ وہ اسی فتح کو متاع عزت و فخر سمجھ کر سیدھا ہسپانیہ چلا گیا اور بجائے اس کے کہ دوبارہ پنجہ آزما ہو کر اپنے پہلے فخر کو (جو محض تونسیوں کی غداری کے باعث اُسے حاصل ہو گیا تھا) آغشتہ بہ خاک و خون کرتا کسی اس نے جرأت نہ کی۔ یہ دیکھ کر کہ خیرالدین پھر قسطنطنیہ چلا گیا۔ واپسی پر سلطان نے اسے کپتان پاشا کا خطاب دیا۔ اور وزارت عظمیٰ کا منصب بھی عملاً اسی سے متعلق کر دیا گیا۔

ڈوریا کی تادیب

اس دوران میں ڈوریا نے پھر چند جہاز لے کر مجمع الجزائر یونان پر تاخت و تاراج شروع کر دی۔ ان میں سے اکثر جزیرے دولت علیہ عثمانیہ کے ماتحت تھے۔ خیرالدین ۱۵۳۷ء میں خود ایک سو ستائیس جہازوں کا بیڑا لے کر پھر ڈوریا کی سرکوبی کے لئے نکلا۔ وہ چاہتا تھا کہ اٹلی کو فتح کر کے دولت علیہ میں شامل کر دے۔ اس غرض سے اُس نے حملہ بھی کیا مگر اس دوران میں جمہوریہ وینس کی شرارت کے باعث دولت علیہ اور وینس میں جنگ شروع ہو گئی۔ لہٰذا خیرالدین نے پیچھے ہٹ کر بحیرۂ ایڈریاٹک کے دہانے پر جزیرہ کارفو کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن یہ محاصرہ بعض ماتحت افسروں کی غلطی کے باعث کامیاب نہ ہو سکا۔ اور موسم سرما کی آمد پر خیرالدین کو محاصرہ چھوڑ کر قسطنطنیہ آنا پڑا۔ دوسرے سال پھر خیرالدین باہر نکلا اور اُس نے کئی چھوٹے بڑے جزیرے فتح کر لئے۔

یورپی بیڑوں سے جنگ

اگلے سال پھر خیرالدین سوا سو جہاز لے کر وینس کی طرف بڑھا۔ ادھر اٹلی، وینس، پوپ اور شاہ ہسپانیہ کے متحدہ بیڑے مقابلہ کے لیے آگئے جن کی قیادت اس وقت کے بڑے بڑے مسیحی ماہر البحر کر رہے تھے۔ جب خیرالدین کو معلوم ہوا کہ غنیم کارفو میں مقیم ہے۔ تو وہ کارفو سے ذرا پیچھے ہٹ کر یونان کی شہر خلیج آرٹا میں ٹھہر گیا۔ تاکہ غنیم بڑھے اور وہ حملہ کر دے۔ جب مسیحی بیڑا کارفو سے روانہ ہو کر اور خلیج آرٹا کے پاس سے گزر کر جزیرہ سانتا موارا پر پہنچ گیا۔ تو خیرالدین آرٹا سے باہر نکلا۔ اتحادی بیڑے کا افسر اعلیٰ ڈوریا تھا وہ ششش و پنج میں مبتلا رہا۔ اس دوران میں لڑائی شروع ہو گئی۔ اور خیرالدین نے مسیحی بیڑے کو فاش شکست دی۔

فرانس کی امداد

فرانسس اول شاہ فرانس کے تعلقات باب عالی سے نہایت دوستانہ تھے۔ ۱۵۴۳ء میں فرانسس اور شاہ ہسپانیہ میں جنگ چھڑ گئی۔ فرانسس کی درخواست پر باب عالی کی طرف سے خیرالدین کو امداد کے لیے بھیجا گیا۔ وہ ابنائے مسینا (مابین اٹلی و سسلی) سے گذر کر اٹلی کے ساحلی علاقے کو تاراج کرتا ہوا دریائے ٹائبر کے دہانے کے پاس سے بھائی سیوٹا وچیا پہنچ گیا۔ وہاں سے خلیج لائنز میں (جو فرانس کے جنوب میں ہے) چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد فرانس و ہسپانیہ میں صلح ہو گئی۔ لہٰذا خیرالدین واپس آگیا۔

وفات

اس کے بعد خیرالدین نے پبلک زندگی سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ شاید اس لیئے کہ وہ بہت بوڑھا ہو گیا تھا۔ اور خاموشی کے ساتھ قسطنطنیہ میں رہنے لگا۔ دو سال کے بعد یعنی ۹۵۵ھ مطابق ۱۵۴۶ء میں قسطنطنیہ میں اس کا انتقال ہو گیا۔ مات امیر البحر تاریخ وفات ہے۔ بشکطاش کے قریب اس کا مرقد ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے ہمیشہ نور سے بھر رکھے۔

اولاد

یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ خیرالدین کے بال بچے کتنے تھے۔ امیر محمد ابن امیر عبدالقادر الجزائری نے اپنی کتاب تحفۃ الزائرین میں اولاد کا ذکر کیا ہے۔ اول حسن پاشا جو حسن آغا کے بعد الجزائر کا حاکم بنا۔ لیکن معزول ہو گیا۔ پھر خیرالدین کا دوسرا بیٹا صالح پاشا امیر بن گیا۔ صالح پاشا کی وفات کے بعد پھر حسن پاشا کو امیر مان لیا گیا۔ لیکن وہ دوبارہ معزول ہو گیا۔

جناب کوی راج وید بھوشن پنڈت ٹھاکر دت شرما موجد امرت دھارا شوگری کی دلچسپ و مفید

تصنیف

کام وگیان شاستر

حصہ اول

قیمت فی جلد اردو مبلغ ایک روپیہ آٹھ آنے / ہندی ایک روپیہ بارہ آنے

جس میں ۲۲۵ دیسی تصاویر اور پچاس فوٹو بلاک کی تصاویر دی گئی ہیں

چھٹی بار چھپ کر تیار ہے جلدی منگوالیں کیونکہ بہت جلد بک جایا کرتی ہے اور پھر اگلے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑے گا۔ طالب علم درخواست نہ کریں! کام دگوک شاستروں کے نام پر لوٹ مچ رہی ہے اس ضروری مضمون کو بالکل غلط پیش کیا جاتا ہے پنڈت صاحب نے سینکڑوں کتب کے مطالعہ کے بعد صحیح طور پر اس علم سے پبلک کو واقف کرنے کے واسطے قلم اٹھائی ہے حصہ اول نکلکر چھ بار چھپ چکا ہے حصہ دوم لکھا جارہا ہے حصہ اول میں مرد و عورت کی جوانی کا اور خوبصورتی کا مکمل بیان ہے اور ان کی اقسام پر بحث ہے اور انسانی جسم کے سورج پر مکمل روشنی ڈالی گئی ہے کتاب دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے زیادہ تعریف یہاں لکھنے کی ضرورت نہیں جبکہ

ناپسند ہونے پر واپسی کی شرط ہے

یعنی کتاب پہنچنے پر اگر ناپسند ہو تو ۲ دن کے اندر رجسٹری کرکے واپس کردیں تصاویر وغیرہ دیکھ کر ہم آپ کو زرِ قیمت منی آرڈر کردیں گے اور کیا چاہیئے؟

پنڈت صاحب کی دیگر مفید و دلچسپ طبی کتب جن کے پڑھنے سے ہزاروں

فائدہ اٹھا چکے اور ہزاروں اٹھاوینگے

کیا ہم لڑکا یا لڑکی اپنی مرضی پر پیدا کرسکتے ہیں؟ چوتھا ایڈیشن اردو ۲۔ ہندی ۴۔ + رسالہ حفظ ما تقدم طاعون اردو ۷۔ ہندی ۱۰ + رسالہ گھر کا حکیم اردو ۳۔ ہندی ۴۔ + کیا میں تندرست ہوں صحت و درازی عمر کا راز اردو ہندی ۱۲ + رسالہ وضع حمل اردو ۶۔ ہندی ۱۰ + رسالہ میٹھی نیند و فلسفہ خواب اردو ۱۲ ہندی ۴ + رسالہ دلچسپ طبی مضامین نمبر اول اردو ۴۔ + رسالہ صحت کے دس اصول اردو ۶۔ ہندی ۱۲ + ہدایت انوکسم ۱۲ ہندی ۴ + رسالہ غذا و صحت اردو ۱۲ ہندی ۴ + سو سال جوان و تندرست کیوں کر جیسے؟ اردو ۴۔ دودھ و اس کی اشیاء اردو ۴ + دودھ نباتات اردو ۶ + ہپناٹزم یا ذاتی تربیت اردو ۱۰ + جیو جنتو جاپانی کشتی کے طریق اردو ۴ + تصاویر صحت اردو ۴۔ + نقشہ صحت روغنی اردو ۱۲ ہندی ۱۲ + اہل ہند کی جسمانی کمزوری کے اسباب و ان کا علاج اردو ۱۰ ہندی ۲ + پرورش اطفال اردو ۴ ہندی ۴ + میرے ڈاکٹر چچا نے مجھے معاملات دنیاداری کی تعلیم کیسے دی اردو ۱۰ ہندی ۵ + دیوتا کے متعلق علمی و طبی تحقیقات اردو ۱۰ ہندی ۱۰ نقصانات موت اردو ۵۔ + تمباکو و اس کے نقصانات اردو ۳۔ + رسالہ طبلیہ اردو ۱۰ ہندی ۴ + رسالہ برہمی اردو آدھ آنہ ہندی ایک آنہ + رسالہ مجربات حکماء ہند نمبر اول اردو ۱۰ نمبر دوم دو روپیہ ۔ گیتا پرکاش ہندی دو روپیہ آٹھ آنہ + رسالہ مجربات حکماء ہند نمبر سوم ۳ روپے آٹھ آنے ۔ نمبر چہارم تین روپے آٹھ آنے + نمبر ۵ حصہ اول ساڑھے تین روپیہ + حصہ دوم چار روپیہ اکٹھے ۷ روپے + گنج مجربات اردو + علاج بالمفردات اردو ۱۲ + تحفہ سرما اردو نمبر ۱ ۲ + نمبر ۲ ۵ + نمبر ۳ ۱ ۔ نمبر ۴ + رسالہ حکیم و مریض اردو ۲ رسالہ زہروں کا علاج نمبر اول اردو ۱۰ ہندی ۵ + نمبر دوم اردو ایک روپیہ ہندی ایک روپیہ چھ آنے + رسالہ نبض اردو ۱۰ ہندی ۱۲ + کھشی روگ دق و سل اردو ۴ + موت کے قاصد کرم اور ان کی حقیقت اردو ۱۰ + رسالہ ہجرت اردو ۵ ہندی ۶ + رسالہ آتشک یا تصویر اردو ۳ روپے ۔ رسالہ سوزاک اردو ۸ ہندی ۱۲ + رسالہ ہیضہ اردو ۵ + رسالہ درد سر اردو ۶ + رسالہ ہسٹریا اختناق الرحم اردو ۸ ہندی ۸ + درش گیان علم الاخلاط اردو ۱۲ ہندی ۱۲ + دانت و دانتوں کے امراض اور ان کا علاج اردو ایک روپیہ آٹھ آنہ + رسالہ چیچک اردو ۱۴ ہندی ایک روپیہ + رسالہ ملیریا موسمی بخار اردو ۵ ہندی ۱۰ + سیر شملہ اردو ۸ + سشرت کا ترجمہ حصہ اول اردو ۸ + دیدک کے مشہور مرکبات اردو ۱۴ + اصطلاحات ویدک ۶ + اسلاحات یونانی اردو ۱۰ + رسالہ انفلوانزا اردو ۶ ہندی ۸ + شودھن ودھی اردو ایک روپیہ چار آنے + فزیالوجی علم افعال الاعضاء اردو ۱۰ + رسالہ پردر روگ ہندی ۵ + سیر دیپ حصہ اول اردو ۵ ہندی ۴ ۔ حصہ دوم اردو ۱۰ ہندی ۵ +

خط و کتابت و تار کے لئے اتنا پتہ لکھنا کافی ہے

امرت دھارا لاہور ۱۳۱

منیجر امرت دھارا اوشدھالیہ امرت دھارا بھون لاہور ۹۲
منیجر امرت دھارا روڈ امرت دھارا ڈاکخانہ لاہور

چار چیزوں کو تھوڑا نہ مانیو!!!

جیسے آگ کی چھوٹی سی چنگاری کو۔ تھوڑے سے قرض اور معمولی حقیر دشمن کو بھی خواہ وہ چھوٹے کیوں نہ ہوں ہرگز چھوٹے نہ سمجھنا چاہیئے ویسے ہی مندرجہ ذیل چار بیماریوں کو بھی معمولی نہ سمجھ بیٹھئے۔ دراصل یہی سب تکالیف کی جڑ ہیں :-

۱۔ زکام

زکام ہٹا نہیں یا بار بار ہوتا ہے تو خبردار ہو جائیے اس سے کھانسی بخار۔ دمہ۔ تپ دق متعدد خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں یہ اس امر کی علامت ہے کہ جسم کمزور ہو رہا ہے اور قوتیں زائل ہو رہی ہیں اگر ایسا ہی ہے تو خیر ماکی منگوالیں یہ زکام کے لئے اکسیر ہے قیمت ۳۲ گولی ایک روپیہ نمونہ ۴

اگر کھانسی تک نوبت پہنچ گئی ہو تو اور بھی ہوشیار ہو جاویں معمولی کھانسی کے لئے گولی کھانسی پاس رکھیں اگر نہ جائے اکسیر بدن

منگوالیں!

قیمت

گولی کھانسی ایک روپیہ — اکسیر بدن فی شیشی

۲۔ قبض

قبض اس بات کی علامت ہے کہ جسمانی مکان کی نالی صاف نہیں ہوتی ہے۔ دائمی قبض سے جسم میں ہر قسم کی بیماری گھر کر جاتی ہے۔ صرف قبض دور ہونے سے کتنی امراض خود بخود چلی جاتی ہیں قبض کے مریض آرام جان منگوا کر استعمال کریں عجیب دوا ہے۔

نرم مزاج والے سکارا استعمال کریں

قیمت

آرام جان ۳۲ گولی ایک روپیہ — سکارا پانچ تولہ آٹھ آنے

۳۔ پیشاب کی کثرت

کئی اصحاب دن میں بار بار پیشاب جاتے ہیں انہیں اسباب کا دھیان ہی نہیں کہ یہ ذیابیطس کا پیش خیمہ ہے ذیابیطس بڑی قسم کا ہوتا ہے اس میں دھات جانے کے علاوہ جسم سے شکر چونا وغیرہ مختلف اجزاء زائل ہوتے ہیں اور اسکو کھوکھلا بنا دیتے ہیں دھات پتلی ہو کر نامردی تک ہو جاتی ہے کار بنکل پھوڑے بھی اسی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

گرم مزاج والے اکسیر ۱۶ — ۳۲ گولی چار روپے نمونہ ۸ گولی ایک روپیہ

دوسرے اکسیر ۱۵ قیمت ۳۲ گولی ۸ گولی ۴ — استعمال کریں!

اور

ذیابیطس والے اشوگری قیمت ۳۲ گولی نمونہ ۸ گولی

جریان منی والے اکسیر ۳ الف قیمت ۳۲ گولی نمونہ ۸ — ۳ب ۳۲ گولی نمونہ آٹھ آنے

استعمال کریں!

۴۔ دانت میلے رہنا

دانتوں کا میلے رہنا بدہضمی کی علامت ہے انہیں میلا رہنے دینا آہستہ آہستہ متعدد امراض کو پیدا کرتا ہے دانتوں کی امراض مثلاً پیپ خون جانا وغیرہ نہ صرف قوت ہاضمہ ہی کو تباہ کرتے ہیں بلکہ ان کا زہر تمام جسم میں پھیل کر انتڑیوں خون اور جوڑوں میں کئی امراض پیدا کر دیتا ہے۔ پائیوریا دانتوں کا خطرناک روگ ہے اس کے لئے پائیوریا سیٹ منگوائیں اور یہ ستھی کے لئے کرکول استعمال کریں!

قیمت

پائیوریا سیٹ مبلغ آٹھ روپے — کرکول ۶۰ گولی دو روپے بتیس گولی ایک روپیہ

خط و کتابت و تار کیلئے پتہ
امرت دھارا لاہور ۱۳۱
منیجر امرت دھارا اوشدھالیہ امرت دھارا بھون
منیجر امرت دھارا روڈ امرت دھارا ڈاکخانہ لاہور

شمالی افریقہ کا ایک سرفروش مجاہد اسلام

حضرت امیر عبدالقادر الجزائری مرحوم

(اس مضمون کے لئے بھی وہی نقشہ ملاحظہ فرمائیں جو صفحہ ۹۴ پر درج ہے)

کپتان پاشا خیرالدین باربروسہ کی وفات کے بعد تونس و الجزائر میں اختلال پیدا ہوگیا۔ اور ان ممالک کی طاقت و قوت کی وہ شان قائم نہ رہی۔ جو عروج اور خیرالدین نے کم و بیش چالیس سال کی محنت سے پیدا کی تھی۔ شروع شروع میں فوجی اور انتظامی صیغے الگ الگ ہو گئے۔ جب دولت عثمانیہ میں ضعف پیدا ہُوا۔ تو اختلال اور بھی بڑھ گیا۔ یہاں تک کہ الجزائر کی گورنری بکنے لگی، جو شخص زیادہ روپیہ پیش کر دیتا۔ اُسی کو باب عالی کی طرف سے فرمان گورنری مل جاتا۔ اور وہ جا کر چاروں طرف لوٹ مار شروع کر دیتا شدہ شدہ الجزائر چار صوبوں میں منقسم ہوگیا اوّل الجزائر کا صوبہ جس میں سب سے بڑا گورنر رہتا تھا۔ دوم قسطنطین کا صوبہ جس کی گورنری مستقل بن گئی تھی۔ سوم تیطری کا صوبہ چہارم وہران کا صوبہ لیکن اس اختلال کے باوجود اہل یورپ کو الجزائر پر قبضہ جمانے کی جرأت نہیں ہوتی تھی اور وہ سب کے سب تجارت کے لئے باقاعدہ خراج ادا کرتے تھے۔

امریکہ۔ انگلستان۔ فرانس۔ ہسپانیہ وغیرہ سب نے وقتاً فوقتاً لڑائیوں کا سامان کیا۔ مگر یا تو انہیں کامیابی نہ ہوئی۔ یا وہ کامیابی کے بعد معمولی تجارتی حق حاصل کر کے آرام سے بیٹھ گئے الجزائر باوجود اختلال اندرونی اس وقت بھی بڑے نامور بحری قزاقوں کا مرکز تھا۔ جن میں سے ایک ایک شخص اُٹھ کر بڑی بڑی طاقتوں کے بیڑوں پر کھلم کھلا تاخت و تاراج کرتا تھا۔ ۱۶۱۸ء سے ۱۶۲۲ء تک صرف انگلستان ہی کے تقریباً چار سو چھوٹے بڑے جہاز اہل الجزائر نے گرفتار کر لئے تھے۔

دول یورپ کے خراج

۱۸۱۸ء میں حسین پاشا حاکم الجزائر بنا۔ اس کے زمانے میں مختلف اجنبی دولتیں بحیرہ روم میں امن کے ساتھ جہاز چلانے اور تجارت کرنے کے لئے جو خراج حکومت الجزائر کو ادا کرتی تھیں۔ ان کی تفصیل صاحب "تحفۃ الزائر" کے بیان کے مطابق یہ ہے۔

دولت انگلستان	چھ سو پونڈ سالانہ
دولت فرانس	ہر قونصل کے تغیر پر نفیس اور قیمتی ہدایا
دولت ڈنمارک	چار ہزار ریال کے آلات جنگ اور ہدایا
دولت ہالینڈ	چھ سو پونڈ فرانسیسی
دولت سسلی	چوبیس ہزار ریال اور چار ہزار ریال کے ہدایا
دولت سارڈینیا	چھ ہزار پونڈ فرانسیسی
ولایات متحدہ امریکہ	دس ہزار ریال نقد اور چار ہزار ریال کے آلات
دولت پرتگال	قیمتی ہدایا
دولت ہسپانیہ	"

فرانس کے ساتھ تنازعہ

مملکت فرانس نے مدت سے اپنا خراج ادا نہیں کیا تھا۔ آخر باہمی فیصلہ کے بعد ایک رقم معین ہوگئی۔ لیکن حکومت فرانس کہتی تھی۔ کہ اس میں سے کچھ رقم ہمارے تاجروں کی حکومت الجزائر کے ذمہ ہے۔ وہ وضع کر لی جائے۔ اس بنا پر خط و کتابت شروع ہوگئی۔ موسیو دوفال اس وقت فرانس کی طرف سے الجزائر میں قونصل تھا۔ ۳۰ اپریل ۱۸۲۷ء کو وہ حسین پاشا کے پاس عیدالفطر کی تہنیت پیش کرنے کے لئے گیا۔ باتوں باتوں میں پاشا نے پوچھا۔ کہ تمہارے بادشاہ نے مدت سے ہمارے مراسلہ کا جواب نہیں دیا۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ دوفال نے ایسا جواب دیا۔ جس سے حاکم الجزائر کو اپنی شان میں سخت گستاخی کا شبہ پیدا ہُوا۔

پنکھے کی ضرب اور آزادی الجزائر

دوفال کے اس جواب کے متعلق دو مختلف بیان ہیں۔

ایک کا مفاد یہ ہے کہ دوفال نے کہا کہ ہمارے بادشاہ چھوٹے چھوٹے حاکموں کے مراسلوں کا جواب خود نہیں دیا کرتے۔

دوسرے کا مفاد یہ ہے۔ کہ دوفال نے کہا۔ کہ ہمارے بادشاہ تمام مراسلوں کا جواب نمبروار دیا کرتے ہیں۔ جب آپ کے مراسلہ کا نمبر آئے گا۔ تو آپ کو بھی جواب لکھ دیا جائیگا۔ بہرحال حسین پاشا اس جواب پر دفعۃً غصے میں آگیا۔ اس کے ہاتھ میں پنکھا تھا۔ جسے اس نے عالم غیظ میں اٹھا کر دوفال کے منہ پر مارا۔ دوفال اسی وقت باہر نکلا۔ اور اپنے جہاز میں بیٹھ کر فرانس روانہ ہوگیا۔ جب حکومت فرانس کو اس واقعہ کی اطلاع ملی۔ تو اس نے فی الفور ایک فوج حسین پاشا کی تادیب کے لئے بھیج دی۔ یہ فرانس کے قبضہ الجزائر کا آغاز ہے۔ دنیا بھر کی تاریخ میں پنکھے کی ایک ضرب کے معاوضے میں وسیع مملکت کی آزادی سلب کر لینے کا یہ واحد واقعہ ہے۔

دوسری بے عزتی

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا بیان ہے۔ کہ حکومت فرانس نے اس واقعہ کے بعد الجزائر کی ناکہ بندی کر لی۔ وزیر جنگ اور صدر مجلس شوریٰ تغلب و تصرف کے خلاف تھے اور چاہتے تھے کہ گفت و شنید سے اس معاملہ کو سلجھا لیں۔ لیکن حکومت الجزائر نے ۳ اگست ۱۸۲۹ء کو فرانس کے ایک جہاز پر گولہ باری کی۔ جو صلح کا جھنڈا لئے خلیج الجزائر میں داخل ہو رہا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ ۱۴ جون ۱۸۳۰ء کو فرانسیسی فوج الجزائر کے قریب۔ سدی فرخ نام ایک مقام پر اُتار دی گئی حسین پاشا کے داماد ابراہیم نے مقابلہ کیا۔ لیکن شکست کھائی۔ ۵ جولائی کو الجزائر فرانس کے قبضے میں آگیا۔ حسین پاشا کو فرانس بھیج دیا گیا۔ جہاں سے وہ بعد ازاں سکندریہ آگیا۔ اور محمد علی پاشا سے وظیفہ لیتا رہا۔ یہیں اس کا انتقال ہُوا۔ فرانس نے دوسرے شہروں پر قبضے کی طیاریاں شروع کر دیں۔ جن پر لوگوں کے ہاتھ میں عنانِ حکومت تھی۔ ان میں سے جو غیر شادی شدہ تھے انہیں ایشیائے کوچک بھیج دیا گیا۔ اور جو شادی شدہ تھے۔ انہیں اندرونِ ملک میں متفرق طور پر آباد کر دیا گیا۔ فرانس کو الجزائر سے جو رقم بطور مال غنیمت ملی۔ وہ تقریباً پانچ کروڑ فرینک بیان کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ بہت سا غلہ اور سات سو توپیں بھی ملیں۔

فرانس کا اندرونی اختلال

جس مہینے میں الجزائر پر قبضہ ہُوا۔ اسی مہینے میں فرانس میں انقلاب برپا ہوگیا۔ نئی حکومت کا ذی اثر طبقہ فتح و تسخیر کے خلاف تھا۔ اسے اندیشہ تھا۔ کہ اس طرح دوسری طاقتیں ناراض ہو جائیں گی۔ لیکن جرنیل کلازیل جو مارشل دی بورمون کے بعد حاکم الجزائر بنا۔ سارے الجزائر کو فرانس کی نوآبادی بنا لینا چاہتا تھا۔ کلازیل نے تیطری کے حاکم بومزارک سے بلیدہ اور مدیہ کے شہر چھین لئے۔ اور اُسے باہر نکال کر ایک ایسے شخص کو حاکم بنا دیا۔ جو فرانس کا حامی تھا۔ اس نے وہران قسطنطین اور تونس کے حاکموں کو بھی اسی طرح فرانس کے زیر اثر لانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ لیکن بہت جلد فرانسیسی فوج کا بڑا حصہ افریقہ سے یورپ بھیجنا پڑا۔ جس کے باعث مدیہ کو خالی کر دیا گیا۔ اس زمانے میں کلازیل نے فرمانروائے تونس سے جو گفت و شنید کر رہا تھا۔ وہ ظاہر ہوگئی۔ اس پر فرانسیسی پارلیمنٹ کے ارکان نے ایسے شدید اعتراضات کئے کہ حکومت کلازیل کو فروری ۱۸۳۱ء میں واپس بلانے پر مجبور ہوگئی۔

فرانس کے حاکم

کلازیل کے بعد پے در پے فرانسیسی حاکم بدلتے رہے۔ ان کا اثر و اقتدار تین چار ساحلی شہروں ہی تک محدود رہا۔ مثلاً الجزائر۔ وہران۔ بونہ۔ بانجایہ۔ عرب انہیں وقتاً فوقتاً لوٹتے رہتے تھے۔ ۱۸۳۳ء میں جرنیل ترازیل نے بجایہ پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح الجزائر کے مشرقی حصے میں پیش قدمی کے لئے انہیں بونہ کے علاوہ یہ بھی ایک اچھا مقام مل گیا۔ اس وقت تک الجزائر کے مقامی حاکموں نے بڑی مردانگی سے مقابلہ کیا۔ سخت لڑائیاں لڑیں۔ اپنی آزادی اور استقلال کو بچانے کی نہایت درجہ جوانمردانہ کوششیں کیں۔ لیکن ان میں کوئی نظم و جمعیت نہ تھی۔ اور قیادت حقیقی سے وہ بالکل محروم تھے۔ اس لئے کوئی وسیع نتیجہ پیدا نہ ہُوا ۱۸۳۲ء میں قدرت نے انہیں ایک ایسی بلند پایہ ہستی عطا کر دی۔ جس پر نہ محض الجزائر، نہ محض شمالی افریقہ بلکہ ساری دنیائے اسلام قیامت تک ناز کرتی رہیگی۔ اور جس کے ہمہ گیر محاسن و فضائل خود معاندین یورپ سے بھی بڑے سے بڑا اخراج وصول کر چکے ہیں۔ یعنی حضرت امیر عبدالقادر الجزائری نوراللہ تعالیٰ مرقدہٗ۔

پیدائش اور ابتدائی حالات

امیر عبدالقادر الجزائری ۱۸۰۷ء میں عالم وجود میں آئے۔ آپ کے والد سید محی الدین الجزائر کے مغربی حصے کے نہایت مشہور بزرگ اور بے انتہا متقی اور پرہیزگار شخص تھے باپ کی نگرانی میں مذہبی تعلیم پائی۔ اور بہت جلد دینی علوم

میں کمال پیدا کر لیا۔ طبیعت ابتدا ہی سے زہد و اتقا کی طرف مائل تھی۔ باپ کے زہد و تقدس کے ساتھ ساتھ بیٹے کے تقدس کا شہرہ بھی دور دور پہنچ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ظاہری حسن سے بہرہ وافر عطا کیا تھا۔ جو شخص ایک دفعہ حضرت امیر کو دیکھ لیتا تھا۔ وہ مسحور ہو جاتا تھا۔ پندرہ سال کی عمر میں شادی ہو گئی۔ وہران کا گورنر اس مقدس خاندان کے اعزاز و وقار سے بہت خائف تھا۔ اس لئے باپ بیٹے کو نظر بند کر دیا۔ رہائی کے بعد دونوں حج کے لئے چلے گئے۔ حج کے بعد بغداد بھی گئے۔ واپسی پر امیر عبدالقادر نے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ اس وقت ملک فرانس کے زیر تسلط پامال ہو رہا تھا۔ اور اس کی آزادی کی متاع عزیز لٹ رہی تھی۔ امیر عبدالقادر یہ حالت دیکھ دیکھ کر بے تاب ہوتے رہتے تھے۔ لیکن کوئی تدبیر دفاع سمجھ میں نہیں آتی تھی۔

والد کی امارت جہاد

اسی دوران میں وہران کے لوگ اپنی فریاد لے کر سید محی الدین کے پاس پہنچے۔ اور درخواست کی۔ کہ آپ امارت قبول فرمالیں۔ بزرگ سید نے بوجہ کبر سن انکار کر دیا۔ اور کہا کہ کسی دوسرے اہل آدمی کو تلاش کرو۔ اس پر لوگوں نے اپنا علاقہ مراکش سے ملا لیا اور سلطان مراکش کی بیعت کر لی لیکن اختلال بڑھتا گیا۔ تو لوگ پھر سید صاحب کے پاس آئے۔ آپ نے فرمایا کہ میں صرف جہاد کی بیعت لے سکتا ہوں۔ چنانچہ لوگ جوق در جوق بیعت کرنے لگے۔ مجاہدین کی اس مختصر سی جماعت نے وہران کے قریب خنق النطاح کے مقام پر فرانسیسیوں کو شکست فاش دی۔ اس جنگ میں امیر عبدالقادر بھی شریک ہوئے۔ اور آپ کا گھوڑا عین ہنگامہ قتال میں مارا گیا۔ بعد ازاں اسی مقام پر ایک اور جنگ ہوئی جس میں امیر عبدالقادر کا نو عمر بھتیجا سید احمد جس کی عمر صرف پندرہ سال کی تھی۔ شہید ہو گیا۔ مجاہدین اس جنگ میں بھی کامیاب ہوئے برج راس العین کے محاصرہ میں امیر عبدالقادر نے حیرت انگیز شجاعت و جرأت کے جوہر دکھائے۔ اور تقدس کے ساتھ ان کی مردانگی کے آوازے سے بھی سارا الجزائر گونج اٹھا۔

بیعت امارت

ان واقعات کے بعد ضروری ہو گیا۔ کہ زیادہ اچھا اور متیقن مرکز قائم کر کے جہاد کا انتظام کیا جائے۔ لوگوں نے پھر سید محی الدین کو مجبور کیا۔ لیکن سید مرحوم نے اپنے جلیل القدر فرزند کی طرف اشارہ کر دیا۔ چنانچہ وادی فرحہ میں لوگوں نے ایک درخت کے نیچے امیر عبدالقادر کو اپنا حاکم منتخب کر لیا۔ سب سے پہلے سید محی الدین نے بیعت کی۔ اور حضرت امیر کو ناصر الدین کا لقب عطا کیا۔ پھر دوسرے بزرگوں۔ عزیزوں۔ اور رشتہ داروں نے بیعت کی۔ بعد ازاں بیعت عام ہوئی۔ امیر عبدالقادر اس بیعت کے بعد گھر پہنچے۔ اور اپنی رفیقہ حیات سے کہ دیا۔ کہ اب میرا سب کچھ اللہ کے راستے میں جہاد کے لئے وقف ہو گیا ہے۔ اگر تم اپنے حقوق سے کنارہ کش ہو کر میرے ساتھ رہنا چاہتی ہو۔ تو رہو ورنہ تمہیں اختیار ہے۔ کہ مجھ سے علیحدہ ہو جاؤ۔ اولوالعزم رفیقہ نے بلند منزلت شوہر کی رفاقت کو ہر شے پر ترجیح دی۔ اس وقت حضرت امیر نے زندگی کی صرف پچیس بہاریں دیکھی تھیں۔ اور ۱۸۳۲ء سے لے کر ۱۸۴۸ء تک مسلسل سولہ سال یہ ۲۵ سالہ نوجوان دولت فرانس کی ہیبت و شوکت کو الجزائر کے میدانوں میں انتہائی بے سرو سامانی کے باوجود آغشتہ بہ خاک و خون کرتا رہا۔

تنظیم مملکت اور ترتیب جیوش

بیعت کے بعد امیر عبدالقادر نے دینی سادی نوجوان

ملکی تنظیم پر مبذول فرما دیں۔ وزیر و حکام مقرر کئے۔ جمع زکوٰۃ و محاصل کا انتظام کیا۔ اسلحہ و آلات کی فراہمی کا اہتمام فرمایا۔ لشکر مرتب کیا۔ اہل وطن کے روبرو جہاد پر تقریریں کیں۔ انہیں آزادی کی حفاظت پر آمادہ کیا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے محاسن کے علاوہ فصاحت و بلاغت اور زور و تاثیر کلام سے بھی حصہ وافر عطا کیا تھا۔ اس لئے گنتی کے دنوں میں سارے علاقے کے اندر غیرت و حمیت دین و وطن کی آگ مشتعل ہو گئی۔ اور الجزائر کے کوہ و صحرا جہاد فی سبیل اللہ کے غلغلوں سے گونج اٹھے۔ جن قبائل نے سرکشی و سرتابی کی امیر ممدوح نے انتہائی جرأت و پامردی سے انہیں مطیع کر لیا۔ اور فرانس کے مقابلے کے لئے ایک زبردست فوج کا بند و بست فرما لیا۔ ۱۸۳۳ء میں آپ کے والد ماجد سید محی الدین کا انتقال ہو گیا رحمہ اللہ تعالیٰ۔

فرانس کے ساتھ معاہدہ

۱۸۳۳ء میں جرنیل بوپو کی جگہ جرنیل ڈمیشیل فرانس کی طرف سے وہران کا حاکم بن کر آیا۔ اس نے بندر مستغانم پر بھی قبضہ کر لیا۔ امیر عبدالقادر اس کے ساتھ لڑائیاں لڑتے رہے۔ تا آنکہ ۱۸۳۴ء میں ڈمیشیل نے معاہدہ کر لیا۔ اس کے رو سے لڑائی بند ہو گئی۔ فرانسیسیوں نے عرب قیدی چھوڑ دئے۔ عربوں نے فرانسیسی قیدی رہا کر دئے۔ تجارت کی آزادی طرفین نے تسلیم کر لی۔ اور امیر عبدالقادر مغربی الجزائر کے امیر بن گئے۔ فرانس کا تسلط صرف چند بحری مقامات تک محدود رہا۔ لیکن ان میں بھی امیر کے وکیل پہنچ گئے۔ اور وہ تھوڑی مدت کے بعد مستقل حکمرانوں کی حیثیت میں کام کرنے لگے۔

اس معاہدے نے امیر کی قوت کو بہت ترقی دی۔ انھوں نے اپنا لشکر درست کر لیا۔ ساز و سامان جنگ کی اصلاح کر لی اور قانون نامہ بنایا۔

دوبارہ جنگ

ڈمیشیل دل سے امیر عبدالقادر کے محاسن کا قائل تھا۔ امیر مرحوم کے صاحبزادے امیر محمد صاحب "تحفۃ الزائر" لکھتے ہیں کہ مجھے خود والد مرحوم نے بتایا کہ ڈمیشیل نے اپنی حکومت کو لکھا تھا۔ کہ وہ مسلمان ہونا چاہتا ہے۔ اس لئے اسے فی الفور واپس بلا لیا گیا۔ اور اس کی جگہ جرنیل ترازیل وہران کا حاکم بن کر آیا۔ اس دوران میں فرانس والوں نے معاہدے کی خلاف ورزی شروع کر دی۔ اور آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے۔ امیر نے آئینی طریق پر انہیں پابند معاہدہ کرنے کی بڑی کوششیں فرمائیں۔ لیکن جب ساری کوششیں ناکام رہیں۔ تو وہ کھلے میدان جہاد میں اتر پڑے۔ اس دوران میں امیر دریائے شلف کو عبور کر کے ملیانہ اور مدیہ قابض ہو چکے تھے۔ اور وہاں اپنے حاکم مقرر فرما چکے تھے۔ جرنیل ترازیل نے حملہ کر دیا۔ نہر مقطع کے کنارے پر جنگ ہوئی جو ایک چھوٹی سی ندی ہے۔ اور خلیج ارزو ف یا ارزیو میں گرتی ہے۔ ترازیل نے سخت شکست کھائی۔ اس کا اثر اتنا برا پڑا۔ کہ سب لوگ فرانس کی نامردی و ناکامی کا یقین کر بیٹھے۔ حکومت نے گورنر الجزائر (ڈروئی ڈی ارلون) کو واپس بلا لیا۔ اور مارشل کلازیل اس کی جگہ حاکم بنا۔ کچھ مدت بعد ترازیل کو بھی واپس بلا لیا گیا۔

کلازیل سے رزم و پیکار

کلازیل نے الجزائر پہنچتے ہی ایک کثیر التعداد فوج کے

ساتھ امیر عبدالقادر کے دارالحکومت معسکر پر حملہ کر دیا۔ اور اس پر قابض ہو گیا۔ امیر اس وقت تک تلمسان کا محاصرہ کر چکے تھے۔ یہ محاصرہ سات ماہ تک جاری رہا۔ اور حضرت امیر نے اس محاصرہ میں صحیح بخاری کے چار دور ختم کئے۔ جب امیر محاصرہ ترک کر چکے۔ تو کلازیل نے تلمسان میں اپنی فوج چھوڑ کر قسطنطین کی تسخیر کا ارادہ کیا لیکن وہ اس مہم میں ناکام رہا۔ اس کے ساتھ ہی اسے واپس بلا لیا گیا۔ اور جرنیل دومرمون کو حاکم بنا کر بھیجدیا گیا۔ اب فرانس نے فتح و تسخیر کے لئے الجزائر کے دو حصے کر دئے۔ مغربی حصے میں امیر عبدالقادر کے مقابلے پر جرنیل بوجیو کو مقرر کر دیا گیا۔ اور مشرقی حصے کی عنان اقتدار دومرمون کے حوالے کر دی گئی۔ جو الجزائر کا حاکم اعلیٰ تھا۔

معاہدۂ تافنا

بوجیو نے وہران پہنچتے ہی حضرت امیر کو لکھا کہ مجھے حکومت نے آخری اور فیصلہ کن حکم دے کر بھیجا ہے۔ اگر آپ صلح کر لیں۔ تو فبہا ورنہ میں جنگ کرونگا۔ اور اس معاملے کو انتہا پر پہنچاؤنگا۔ امیر نے صلح پر آمادگی ظاہر کی۔ اور لکھا کہ میں حد درجہ صلح پسند ہوں۔ اور قطعاً نہیں چاہتا۔ کہ موجب شرعی کے بغیر انسانوں کا خون بہے۔ آپ شرطیں لکھ کر بھیجیے۔ شرطوں کے متعلق کچھ مدت تک ردوکد جاری رہی۔ اور حضرت امیر نے صاف صاف بتا دیا۔ کہ میں کوئی ایسی شرط قبول نہ کرونگا۔ جو ہمارے دین یا غیرت کے منافی ہوگی۔ بوجیو دھمکیوں سے کام نکالنا چاہتا تھا۔ لیکن حضرت امیر نے گفت و شنید کا رنگ پلٹتا ہوا دیکھ کر فی الفور نفیر عام کا اعلان کر دیا۔ اور ہر جگہ جہاد کے وعظ ہونے لگے۔ یہ حالت دیکھ کر بوجیو دب گیا۔ اور آخر یکم جون ۱۸۳۷ء کو تافنا کے مقام پر معاہدہ صلح طے ہو گیا۔ جو پندرہ دفعات پر مشتمل تھا۔ اس کی رو سے چند بحری مقامات اور ملحقہ زمین فرانس کی مملوکہ میں تسلیم کر لی گئی۔ وہران و تیطری امیر عبدالقادر کے زیر حکم مان لئے گئے۔ اندرون ملک سے فرانسیسی فوج کے لئے غلہ کا انتظام امیر کے ذمہ ہو گیا۔ اس کے معاوضے میں فرانس نے گولہ بارود دینے کا عہد کر لیا۔ اس نوع کی بعض دوسری دفعات تھیں۔ جنہیں تفصیل کے ساتھ یہاں نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس معاہدے کے بعد امیر پھر امن و آرام کے ساتھ اپنے علاقے کے انتظام و اصلاح میں مصروف ہو گئے۔

محمد بن عبداللہ بغدادی

لیکن اس دوران میں ایک شخص محمد بن عبداللہ بغدادی نے علاقہ تیطری کے جنوب میں مہدی منتظر ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ اور قبائل میں ایک نیا فتنہ برپا ہو گیا۔ حضرت امیر نے فی الفور اٹھ کر اس فتنے کا خاتمہ کیا۔

اس زمانے میں قسطنطین کا وفد آیا۔ اور اس نے خواہش کی۔ کہ حضرت امیر ان کے علاقے کو بھی اپنی مملکت میں شامل کر لیں۔ لیکن حضرت امیر نے جواب دیا۔ کہ میں معاہدہ تافنا کے رو سے ایسا نہیں کر سکتا۔ اور جب معاہدہ کر چکا ہوں۔ تو اس کی پابندی مجھ پر اس وقت تک واجب ہے جب تک فریق ثانی اس پر عامل ہے۔

تعلیم کتاب و حکمت

حضرت امیر ملکی انتظامات کی طرف سے قدرے فراغت پا کر خود لوگوں کو درس دینے لگے۔ چنانچہ مدیہ میں آپ توحید پر وعظ فرماتے۔ سنوسی کی کتاب "ام البراہین" ختم کی اور ختم کے دن الجزائر کے بڑے بڑے علما مجلس میں شریک ہوئے۔

فرانس نے پھر معاہدہ توڑا

اسی دوران میں جرنیل دومرمون نے قسطنطین پر حملہ کر دیا گو شہر فتح ہو گیا۔ مگر خود دومرمون اس حملے میں مارا گیا۔ اس کی جگہ مارشل فالی مقرر ہو کر آیا۔ اس نے قسطنطین کے علاقے میں سمندر کنارے پر فلپ ویل (یا عرب کے تلفظ کے مطابق فلیبل) نام بندرگاہ کی بنا ڈالی۔ نیز جیجلی پر قبضہ کر لیا۔ واپس ہوتے وقت وہ امیر کے علاقے سے گذر کر الجزائر پہنچا۔ اس پر امیر نے کہا کہ فرانس نے معاہدہ توڑ دیا ہے حقیقۃً فالی کا یہ فعل معاہدہ کے صریح خلاف تھا۔ اس پر گفت و شنید اور رسل و رسائل کا طوفان شروع ہو گیا۔ امیر نے ہر طرف سے مجبور ہو کر اپنا خاص سفیر شاہ فرانس کی خدمت میں بھیجا۔ تاکہ حقیقت حال واضح ہو جائے۔ اور ساتھ ہی شاہ کے لئے تحفے بھیجے شاہ نے بھی حضرت امیر کو قیمتی تحائف بھیجے۔ مگر جھگڑا ختم نہ ہوا۔ جب حکومت بدل گئی۔ تو امیر نے پھر وزیر جنگ، وزیر خارجہ اور بادشاہ کو خط لکھے۔ لیکن ان کا بھی کوئی جواب نہ آیا۔ آخر مجبوراً جنگ کا اعلان کر دیا گیا۔ اور حضرت امیر پھر ایک مجاہد کی حیثیت سے میدان رزم و پیکار میں تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے۔

آخری جنگ

۱۸۔ نومبر ۱۸۳۹ء کو امیر کا اعلان جنگ مارشل فالی کے پاس پہنچا۔ فرانسیسیوں نے شرشال، مدیہ اور ملیانہ پر قبضہ کر لیا ادھر امیر کے قبائل نے بڑھ کر متیجہ کو تہس نہس کر ڈالا بعد ازاں بہت سی چھوٹی بڑی لڑائیاں ہوئیں۔ بعض میں امیر کو کامیابی حاصل ہوئی۔ اور بعض میں فرانسیسیوں کو۔ حکومت فرانس نے مارشل فالی کے بجائے جرنیل بوجیو کو حاکم اعلیٰ بنا دیا۔ اور بوجیو نے شکستیں بھی کھائیں۔ پریشانیاں بھی اٹھائیں۔ مگر وہ آہستہ آہستہ بڑھتا گیا۔ اور امیر عبدالقادر کے تمام فوجی مراکز اس کے قبضے میں آتے گئے۔ سنہ ۱۸۴۳ء میں ڈیوک دی آمیل نے امیر کے آخری معسکر واقعہ طاکین پر حملہ کر کے اسے تباہ کر ڈالا۔ جعافرہ سدی یوسف، جبل زورہ، وجدہ، بطرورت میں نہایت سخت لڑائیاں ہوئیں۔ لیکن امیر کے لئے ٹھہرنا مشکل ہو گیا۔ اور الجزائر میں ان کے لئے کوئی مقام نہ رہا۔ اور وہ مجبور ہو کر سرحد مراقش میں داخل ہو گئے۔

مراقش کی طرف سے جنگ

عام لوگ دل و جان سے حضرت امیر کے فدائی تھے۔ وہ جہاں پہنچ جاتے۔ سب اس شیر دل مجاہد کے قدموں پر مر مٹنے پر تیار ہو جاتے۔ جو دس بارہ سال تک فرانس سے ناک چنے چبوا چکا تھا۔ مراقش کے سلطان نے شروع شروع میں حضرت امیر کی بڑی آؤ بھگت کی۔ مگر فرانس نے اسے شکست دے دی۔ دوسری طرف طنجہ پر حملہ ہو گیا۔ لہذا مراقش نے فوراً صلح کر لی۔ اب امیر کے لئے کہیں کوئی پناہ گاہ نہ تھی۔

ابو معزہ کا خروج

اسی زمانے میں ایک شخص نے جس کا نام ابو معزہ تھا۔ مہدویت کا دعوے کر دیا۔ اس نے وادی فضہ میں فرانسیسیوں کے ایک لشکر پر حملہ کر کے اسے لوٹ لیا۔ اور فرانس کے لئے ایک نئی آفت کھڑی ہو گئی۔ مختلف قبائل علی الخصوص بسانجی اور دواہرا اس کے ساتھ مل گئے۔ اور بھی کئی مقامات پر اس نوع کے دعوے دار کھڑے ہو گئے۔ اور عام اختلال پیدا ہو گیا۔

امیر کی آخری کوشش

اس موقع سے امیر نے پھر فائدہ اُٹھایا۔ اور برق خاطف کی طرح مراقش سے نکل کر فرانسیسیوں پر آ پڑا۔ سدی ابراہیم پر اس نے فرانسیسیوں کو شکست دی۔ اور آگے بڑھتا گیا تا آنکہ جرجرہ پہنچ گیا۔ یہاں پہنچ کر اس نے قبائل کو اُٹھا لئے اور اپنی آزادی کے لئے کوشش کرنے کے پر زور وعظ کہے۔ مگر با اقتدار لوگ فرانس سے رشتے جوڑ چکے تھے۔ انہوں نے اس بلند منزلت مجاہد کی کوئی قدر نہ کی۔ اور ناچار اُسے پھر جنوب کی جانب سے ہوتے ہوئے مغرب کی طرف واپس لوٹنا پڑا۔ اور وہ دوبارہ مراقش میں داخل ہو گیا۔

سلطان مراقس کا قیامت خیز ظلم

اس وقت تک سلطان مراقش فرانس سے رشتہ جوڑ چکا تھا۔ اس نے سختی سے امیر کو اپنی سلطنت سے نکالنا چاہا۔ امیر نے صاف انکار کر دیا۔ سلطان نے اسلامی اخوت کے تمام فرائض بالائے طاق رکھ کر امیر کا روپیہ۔ ساز و سامان اور ڈیڑھ ہزار بندوقیں چھین لیں۔ اور جو جو قبائل امیر کے ساتھ ہو کر کفار سے جنگ کرنے کا عزم رکھتے تھے۔ ان پر بھی بے حد سختی کی۔ امیر نے مجبور ہو کر ان تمام معاملات کو ایک استفتا کی صورت میں مرتب کیا۔ علما نے امیر کے حق میں فتوے دیدئے مگر اس سے نتیجہ کچھ نہ نکلا۔

مراقش پر آفتیں

اللہ اللہ شمالی افریقہ کا مجاہد اسلام کی بچی کھچی متاع کا سرفروش محافظ اسلام کے لئے ملت کے لئے۔ الجزائر و مراقش کی حفاظت کے لئے اپیلیں کر رہا ہے۔ مگر اس کی آواز نہیں سُنی جاتی۔ اسے نکالا جاتا ہے۔ اس کا سامان لوٹا جاتا ہے۔ اس وقت سب نے غفلت برتی۔ مگر آج اس کا انجام ہر شخص کے سامنے ہے۔ وہی مراقش جو عبد القادر کی پشت پناہ بن کر فرانس کے اقتدار کا خاتمہ کر سکتا تھا۔ آج الجزائر کی طرح فرانس و ہسپانیہ کے قدموں کے نیچے ہے یہ عبد القادر کے انتباہ سے غفلت کی بجا سزا ہے۔ جو نہیں معلوم کب تک جاری رہیگی۔

حوالگی

آخر ہر طرف سے مجبور ہو کر امیر نے ۲۳ دسمبر ۱۸۴۷ء کو اپنی وہ تلوار فرانس کے حوالے کر دی۔ جو مسلسل سولہ سال اسلام و الجزائر کی حفاظت کر چکی تھی۔ اور جو اس لئے بے نیام ہوئی تھی کہ ایک قدیم اسلامی متاع کو اغیار کے تسلط سے بچائے۔ تحفۃ الزائر کی پہلی جلد کے اختتام پر جب یہ لفظ نظر سے گزرتے ہیں۔ کہ

وبتسلیم سیفہ انتہت سیرتہ السیفیۃ

یعنی تلوار حوالے کر دینے کے ساتھ ہی امیر کی حیات جہاد بالسیف کا خاتمہ ہو گیا۔ تو آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں۔

فرانس کی بدعہدی

معاہدہ حوالگی میں یہ طے ہوا تھا۔ کہ فرانس حضرت امیر کو کسی اسلامی ملک میں قیام کے لئے آزاد کر دیگا۔ مگر فرانس نے پہلے ہی قدم پر بدعہدی کی اور امیر کو طولون بھیجدیا۔ امیر کے بھائی بھی بعد ازاں وہیں پہنچ گئے۔ ۱۸۴۸ء سے لے کر ۱۸۵۲ء تک حضرت امیر نظر بند رہے۔ جب لوئس نپولین نپولین سوم کے لقب سے شہنشاہ فرانس بنا تو اس نے ایفائے عہد کیا اور امیر کو آزاد کیا۔

دمشق میں قیام

حضرت امیر طولون سے پیرس گئے۔ پیرس سے قسطنطنیہ پہنچے۔ اور وہاں سے بروسہ ہوتے ہوئے دمشق چلے گئے۔ وہیں آپ نے مستقل طور پر سکونت اختیار کر لی۔ اور علمی و مذہبی زندگی بسر کرنے لگے۔ اس دوران میں آپ نے بیت المقدس کی زیارت بھی کی۔

حادثہ دمشق

۱۸۶۰ء میں دروزیوں نے ہنگامہ برپا کیا۔ اور اس سلسلے میں دمشق کے مسلمان عیسائیوں کے سخت دشمن ہو گئے اور ان پر ظلم کرنے لگے۔ تو امیر عبد القادر نے دمشق کے عیسائیوں کی پوری پوری حفاظت کی۔ اور ان کی جانیں بچائیں۔ اس سچی اسلامی خدمت کا سارے یورپ نے تہ دل سے اعتراف کیا۔ لوئس نپولین شاہ فرانس نے حضرت امیر کو ایک اعزازی تمغہ عطا فرمایا۔ نیز آپ کا وظیفہ چار ہزار پونڈ کر دیا۔

حج و سیاحت

بعد میں حضرت امیر دوبارہ حج کے لئے تشریف لے گئے مکہ معظمہ سے واپس ہو کر مدینہ منورہ میں مقیم رہے۔ پھر دمشق آ گئے دمشق سے پھر نکلے آستانہ ہوتے ہوئے پیرس گئے۔ اور وہاں اکابر سے مل کر اپنی مستقل سکونت گاہ میں چلے آئے۔ امیر کا یہ سفر محض سیر و سیاحت اور ملاقات احباب کے لئے تھا۔

وفات

دوران قیام دمشق میں آپ نے بعض کتابیں بھی تالیف فرمائیں۔ جن میں سے عربی گھوڑوں کے متعلق ایک کتاب خاص طور پر مشہور ہے۔ باقی علمی کتابوں کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ ۲۶ مئی ۱۸۸۳ء کو اسلام کا یہ مایۂ ناز فرزند چھہتر برس کی عمر میں اس جہان سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گیا امیر کے فرزندوں میں سے علی بن عبد القادر نے جنگ طرابلس میں حصہ لیا تھا۔ محمد بن عبد القادر علمی مذاق کے آدمی ہیں۔ اور آپ کی کتاب "تحفۃ الزائر فی مآثر الامیر عبد القادر و اخبار الجزائر" مشہور عوام ہے۔ امیر کی قبر دمشق میں ہے "تحفۃ الزائر" میں بالکل صحیح لکھا ہے۔ کہ

ینبغی لکل شرقی وقف لقبر ہذا الامیران یخشع لعظمتہ و یمرغ وجہہ فی تربتہ و یعلم ان ہذا الاسد الرئبال حط رحل الرحال ؎

سقی الرحمن قبراً حل فیہ + امیر بالمفاخر لا یضاہا

ہمام قد حمی الاوطان سیما + و ہا ہو اقتدنے بابہ طاہا

بہ قرت عیون الشرق فخراً + و اہل الغرب بالغت مناہا

و لکن الالہ قضاہ ما رضی + و کیف ترد اشیاء قضاہا

کجلی بن اور قلعہ سبل گڑھ

پٹھانوں کی ایک آبادی اور طلسمی کنواں

(مولانا اکبر خان صاحب نجیب آبادی)

دریائے گنگ کوہ ہمالہ کے اس حصہ سے جس کو بدری ناتھ کہتے ہیں۔ نکل کر سلسلۂ کوہ کے اندر جنوب و مغرب کی طرف سیکڑوں میل بہتا ہوا ہردوار کے قریب جب پہاڑوں سے باہر نکل کر میدانی علاقہ میں داخل ہوتا ہے۔ تو اس کا رخ سیدھا جنوب کی جانب ہو جاتا ہے۔ تھوڑی دور جنوب کی جانب چل کر پھر مشرق کی سمت بہنے لگتا اور بہار و بنگالہ کو طے کر کے خلیج بنگالہ میں داخل ہوتا ہے۔ دریائے گنگ کا وہ حصہ جو دامن کوہ میں ہردوار سے سیدھا جنوب کی جانب تھوڑی دور تک بہتا ہے۔ کمشنری روہیلکھنڈ اور اس کمشنری کے ضلع بجنور کی مغربی سرحد ہے۔ کمشنری روہیلکھنڈ اور اس کمشنری کے ضلع بدایوں کی جنوبی سرحد بھی یہی دریا ہے۔ دریا چونکہ اپنے خم کو سیدھا کرنا چاہتا ہے۔ لہذا وہ ہمیشہ روہیلکھنڈ یعنے ضلع بجنور کی مغربی سرحد کو کاٹتا رہتا ہے۔ اور دریائے گنگ کا وہ زاویۂ قائمہ جس پر شمال کی جانب سے پہونچکر وہ سیدھا مشرق کی جانب مڑا تھا۔ منفرجہ ہوتے ہوتے ایک بہت بڑی قوس کی شکل میں تبدیل ہو گیا ہے۔ اس دریا کا مشرقی کنارہ جو ضلع بجنور کا مغربی کنارہ ہے۔ دریا کی سطح آب سے سیکڑوں فٹ اونچا اور مغربی ساحل یعنی ضلع سہارنپور و مظفر نگر کا مشرقی کنارہ نہائت پست اور دریا کی سطح سے صرف چند فٹ بلند ہے۔ دریا کے پانی کی دھار ہمیشہ ضلع بجنور کے بلند کنارے سے ٹکرائی ہوئی بہتی اور ہر برسات میں بلند کنارے کی جڑ کو کاٹ کر تھوڑی بہت زمین گرا لیتی ہے۔ بنا بریں اس کا مشرقی کنارہ ہمیشہ عمودی حالت میں سیکڑوں فٹ بلند اور دوسرے کنارے پر کھڑے ہو کر دیکھنے والے کو کسی عظیم الشان قلعہ کی دیوار معلوم ہوتا ہے۔ بارش کے پانی نے جو ضلع بجنور کے مغربی حصہ میں برس کر گنگا میں شامل ہوتا ہے۔ اس بلند ساحل میں اپنے بہنے کے راستے بنا کر جا بجا رخنے ڈالدیئے ہیں۔ اور دریا کی سمت سے دیکھنے والے کو وہ رخنے اس عظیم الشان قلعہ کی دیوار میں دروازے معلوم ہوتے ہیں۔ برساتی پانی کی ان گذرگاہوں کو جو کئی کئی فرلانگ طویل ہوتی ہیں۔ اس طرف کے گنوار لوگ "گنگا کے کھولے" کہتے ہیں۔ شہری و قصباتی لوگ ان کو دَرّے اور غار کہتے ہیں لیکن میں اس مضمون میں بجائے غار کے لفظ "کھولا" ہی استعمال کروں گا۔ اس لئے کہ لفظ "کھولے" کے مفہوم میں کسی دوسری چیز کے شامل ہونے کا احتمال نہیں۔ گنگا کے اس بالائی حصہ میں گھاٹ عموماً ایسے ہی موقعوں پر ہوتے ہیں۔ جہاں کسی "کھولے" نے اس طرف دریا تک پہونچنے کا ڈھالو راستہ بنا دیا ہو۔ یہ تمہید جو بہت فضول اور غیر ضروری معلوم ہوتی ہے۔ اس مضمون کے سب سے آخری اور ضروری حصہ کو قریب الفہم بنا دے گی۔

کجلی بن

کیکاؤس کے بیٹے سیاوش نے باپ سے ناراض ہو کر افراسیاب کے یہاں پناہ لی۔ اور افراسیاب کی بیٹی سے شادی کر کے اپنے قیام کے لئے ایک شہر "سیاوش گرد" کے نام سے آباد کیا پھر دریائے گنگ کے کنارے دامن کوہ میں ایک قلعہ تعمیر کر کے اس کا نام "گنگ دژ" رکھا۔ فردوسی نے گنگ دژ کی تعمیر کا شاہنامہ کے ایک مستقل باب میں ذکر کیا ہے۔

"گنگ دژ" کے محل وقوع میں اگرچہ مؤرخین کے مختلف اقوال ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ قابل قبول اور یقینی قول یہ ہے۔ کہ گنگ دژ دریائے گنگ کے مشرقی کنارے کوہ ہمالہ کے جنوبی پشتہ پر ہردوار کے دوسری جانب واقع تھا۔ جو آج کل چانڈی کے نام سے مشہور اور کمشنری روہیلکھنڈ کا شمالی و مغربی زاویہ ہے۔ چانڈی میں اب تک گنگ دژ کی طویل و عریض بنیادیں موجود ہیں۔ کمشنری روہیلکھنڈ کے علاقہ کو عہد ہنود میں خاصی اہمیت اور کافی شہرت حاصل تھی۔ مہابھارت کی مشہور جنگ میں روہیلکھنڈ کے مغربی حصہ کا راجا مور دھج نامی ایک نمایاں سردار تھا۔ مور دھج کو اس کی سخاوت کے اعتبار سے حاتم ہند سمجھا جاتا ہے۔ مور دھج کے قلعہ کی علامات شہر نجیب آباد سے پانچ چھ میل کے فاصلہ پر شمال کی جانب جنگل میں موجود ہیں۔ اور ریل کی سڑک جو نجیب آباد سے کوٹ دوار کو جنگل میں ہوتی ہوئی گئی ہے۔ اس قلعہ کی بنیادوں کو کاٹتی ہوئی گذری ہے۔ مہابھارت کے مشہور افسانوں میں سے ایک شکنتلا کی داستان بھی ہے۔ شکنتلا ایک عورت تھی۔ جس کا باپ وشوامتر جوگی اور ماں مینکا پری بتائی جاتی ہے۔ اس اختلاط جن وانس سے پیدا شدہ عورت پر قنوج کا راجہ دشینت عاشق ہو گیا تھا۔ جب کہ وہ شکار کھیلنے کے لئے قنوج سے چل کر اس جنگل میں آیا تھا۔ جس کو کجلی بن کہا جاتا تھا یہیں وشوامتر جوگی مصروف عبادت تھا۔ اور اس کی بیٹی شکنتلا باپ کے پاس رہتی۔ اور مالن ندی کے پانی سے کیلے کے ان درختوں کو جو جوگی کی کٹی کے پاس کھڑے تھے۔ پانی دیا کرتی تھی۔ مالن ندی نجیب آباد کے نیچے مغرب کی جانب بہتی ہوئی گذرتی اور منڈاور اور تیور کی حد فاصل بنی ہوئی گنگا میں داخل ہو جاتی ہے لہذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ روہیلکھنڈ کے مغربی و شمالی حصہ کا وہ جنگل جس نے کجلی بن نام پایا۔ راجہ مور دھج اور جنگ مہابھارت تک عالم وجود میں نہ آیا تھا۔ اور یہاں ایک ایسی راجدھانی تھی۔ جس کے کچھ کچھ مٹے مٹے نشانات قلعہ مور دھج کے نام سے ابھی تک موجود ہیں۔ شکنتلا اور راجہ دشینت یقیناً مہابھارت کے بہت دنوں بعد پیدا ہوئے۔ جب کہ یہ علاقہ جنگل بن کر کجلی بن کے نام سے مشہور ہو چکا تھا۔ بڑے بڑے راجا اس جنگل میں شکار کھیلنے آتے۔ اور تارک الدنیا لوگ عبادت کے لئے اس کی تنہائی سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ ہندوؤں کی کتاب مہابھارت جو اپنے متضاد بیانات اور ناقابل فہم روایات کے لئے خود ہی اپنی مثال ہے۔ مذکورہ نظریہ کی تائید نہیں کرتی۔ لیکن درائت اور ان مقامی روایات کی بنا پر جو مذکورہ آثار قدیمہ کی نسبت تواتر کے درجہ کو پہنچ چکی ہیں یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ ہندوستان کا مشہور جنگل کجلی بن مہابھارت کے بعد اور بودھوں کی حکومت سے پہلے عالم وجود میں آیا۔ بودھوں کے عہد حکومت میں منڈاور بودھوں کا مرکزی مقام اور مشہور دار العلوم تھا۔ جو کجلی بن کی جنوبی حد پر واقع تھا۔ اور کجلی بن اس رقبہ پر پھیلا ہوا تھا۔ جو آج کل نجیب آباد اور نگینہ کی تحصیلوں پر مشتمل ہے۔

مسلمانوں کا عہد

شمس الدین التمش نے منڈاور کا قلعہ فتح کر کے وہاں مسجد بنوائی جو ضلع بجنور کی سب سے پورانی اور قابل دید تاریخی یادگار سمجھی جاتی ہے۔ منڈاور قصبہ بجنور کے شمال اور نجیب آباد کے جنوب و مغرب میں واقع ہے۔ جس کے ایک طرف گنگا اور دوسری طرف مالن ندی ہے۔ سلطان شمس الدین التمش ہی کے عہد حکومت میں ان سرکشوں کی سرکوبی کے لئے جو منڈاور میں اسلامی چھاؤنی قائم ہو جانے پر کجلی بن میں پناہ گزین ہوئے تھے ایک فوجی دستہ کی چھاؤنی کجلی بن میں بھی قائم کی گئی تھی جس کے علامات قلعہ مور دھج کے خرابہ میں نمایاں طور پر الگ معلوم ہوتے ہیں۔ ۱۳۔ محرم سنہ ۶۵۲ ہجری کو سلطان ناصر الدین محمود ابن سلطان شمس الدین التمش دریائے گنگ کو میا پور (متصل چانڈی) کے گھاٹ پر عبور کر کے کجلی بن میں داخل ہوا۔ اور قریباً ایک مہینہ اس جنگل میں سرکشوں و ڈاکوؤں کی جستجو و تلاش کرتا رہا۔ ۱۵ ماہ صفر کو سلطان ممدوح دریائے رام گنگا کے کنارے پہونچکر سنبھل بدایوں اور کول کی طرف روانہ ہوا اس ایک مہینہ میں اس نے کجلی بن کو ڈاکوؤں اور سرکشوں سے پاک کر دیا۔ سلطانی لشکر کے پیشرو دستہ کا ایک سردار رضی الملک عز الدین درمشی کجلی بن میں ڈاکوؤں کے ہاتھ سے شہید ہوا۔ یہی ایک قابل تذکرہ نقصان تھا۔ جو سلطانی لشکر کو کجلی بن میں پہونچا۔ جب کیقباد کے عہد حکومت میں اسلامی سلطنت کا نظام کمزور ہوا۔ تو کجلی بن پھر مفسدوں ڈاکوؤں کا مامن بن گیا۔

سلطان جلال الدین خلجی نے تخت نشین ہو کر کجلی بن کے ارد گرد افغانوں کی چوکیاں مقرر کیں۔ کہ وہاں سے ڈاکوؤں کا استیصال ہو۔ سلطان ممدوح کی یہ تدبیر بہت کارآمد ثابت ہوئی۔ قلعہ کالاگڑھ کی نسبت مشہور ہے کہ یہ سلطان جلال الدین خلجی کی یادگار ہے۔ اور انہیں مذکورہ فوجی چوکیوں میں سے ایک افغانیہ چوکی تھی۔ خاندان تغلق کی بربادی کے بعد خضر خان اور اس کی اولاد کے عہد حکومت میں روہیلکھنڈ کے اندر ہندوؤں کی طاقت نے بہت ترقی حاصل کی۔ اور دوسرے صوبوں کے روہیلکھنڈ کے ہندو جاگیر دار بھی بار بار سرکشی کا اظہار کرتے رہے۔ جب کبھی شاہی فوجیں ان کی سرکوبی کو آئیں انہوں نے کجلی بن میں پناہ لی۔ یہاں تک کہ بہلول لودی کا عہد حکومت آگیا۔

افغانی نو آبادی

سلطان بہلول لودی نے جب پٹھانوں کے کثیر التعداد خاندانوں کو ہندوستان میں آکر سکونت پذیر ہونے کی ترغیب دی اور لودی شروانی۔ نیازی۔ سنبل۔ کاکڑ۔ ترین۔ لوہانی۔ جلوانی وغیرہ پٹھانوں کے ہزارہا خاندان ہندوستان چلے آئے۔ تو بہلول نے انکو اول خواجہ۔ بدایوں۔ سنبھل۔ سامانہ۔ ہریانہ وغیرہ اضلاع میں جاگیریں دے کر آباد کیا۔ کہ دار السلطنت دہلی کی حفاظت بآسانی ہو سکے۔ اسی سلسلہ میں سلطان کو محسوس ہوا۔ کہ دامن کوہ کے اس ہموار جنگل کو جو کجلی بن کے نام سے مشہور اور بہت سی چھوٹی چھوٹی ندیوں کی وجہ سے سدا بہار گلزار بننے کی قابلیت رکھتا ہے۔ ان نو وارد پٹھانوں کی نو آبادی قرار دی جائے۔ تاکہ ان باغیوں کے فتنے سے ہمیشہ کے لئے نجات ملے جو سلطان دہلی کے خلاف اس جنگل کو بطور مامن استعمال کرتے رہتے تھے۔ نیز یہ کہ اپنے محل وقوع کے اعتبار سے یہ علاقہ دوسرا افغانستان بن کر سلطنت افغانیہ کی پائیداری و استواری کا موجب ہو۔ کجلی بن کا تعلق سرکار سنبھل سے تھا۔ سنبھل کے عامل دریا خان لودی اور سلطان بہلول کی ترغیب اور بیش قرار مراعات نے پٹھانوں کو بآسانی کجلی بن کی طرف متوجہ کر دیا۔ اور انہوں نے ۸۵۶ھ ۱۴۵۲ء سے اس جنگل کو کاٹنا اور زمین کو قابل زراعت بنانا شروع کیا۔ مختلف سرداروں نے اس جنگل کے ٹکڑے اپنے اپنے لئے محدود کر لئے۔ چند ہی روز میں جنگل کا نام و نشان گم ہو کر پٹھانوں کے متعدد قصبات اور سیکڑوں دیہات آباد اور پانچ چھ چھوٹی چھوٹی افغانی ریاستیں قائم ہو گئیں۔ جن پر پٹھانوں کو خود مختارانہ اور مالکانہ قبضہ حاصل تھا۔ اور ابتدائی معاہدہ کے بموجب کوئی شاہی خراج ان پر عائد نہ تھا۔ پٹھانوں کی ان ریاستوں میں ارد گرد کے بہت سے زراعت پیشہ ہندو بھی آکر آباد اور ملک کے دوسرے اضلاع کی نسبت زیادہ خوشحال اور فارغ البال ہو گئے۔ کیوں کہ ان پٹھان سرداروں نے ہندوؤں کو بڑی معقول رعائتیں اور آزادیاں عطا کی تھیں۔ ۹۰۱ھ ۱۴۹۵ء میں سلطان سکندر لودی سنبھل آیا۔ اور چھ مہینے شاہی لشکر کا سنبھل میں قیام رہا۔ اس عرصہ میں سلطان نے کجلی بن کی اس افغانی نو آبادی کی طرف خصوصی توجہ مبذول فرمائی۔ اور خود اس علاقہ کا دورہ کر کے بیحد مسرور ہوا۔ ۹۰۵ھ ۱۴۹۹ء میں سلطان سکندر پھر سنبھل آیا۔ اور مسلسل چار برس ساڑھے چار سال تک سنبھل میں قیام کیا۔ اس عرصہ میں وہ بارہا اس افغانی نو آبادی میں آیا۔ اور یہاں کے پٹھانوں کو انواع و اقسام کے انعامات و مراعات سے مالامال کیا۔ اس مرتبہ سلطان کا ارادہ ہوا کہ سنبھل ہی کو جو اس افغانی نو آبادی کے متصل واقع تھا دار السلطنت بنائے چنانچہ اس نے طرح اقامت بھی ڈالدی۔ لیکن بعض امرائے سلطنت اور بعض ضروریات ملکی کے تقاضے سے ارادہ فسخ کر کے ۹۱۰ھ ۱۵۰۴ء میں آگرہ کو دار السلطنت بنانا تجویز کیا۔

ریاست سنبل گڑھ

پٹھانوں کی مذکورہ آزاد ریاستوں میں ایک چھوٹی سی ریاست سنبلوں کی بھی تھی۔ قبیلۂ سنبل کے حصہ میں کجلی بن کا وہ حصہ آیا تھا۔ جس کو کمشنری روہیلکھنڈ اور ضلع بجنور کا شمالی و مغربی گوشہ کہنا چاہیئے۔ سنبلوں کی ریاست مغرب کی جانب گنگا اور مشرق کی جانب کوٹا والی ندی اور شمال کی جانب کوہ ہمالہ سے محدود تھی جس کا شمالی حصہ کوہ ہمالہ کے جنوبی سلسلہ کوہ کی پہاڑیوں پر مشتمل تھا۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہنا چاہیئے۔ کہ کوٹا والی ندی اور گنگا کے پورے دوآبہ پر سنبل لوگ قابض تھے۔ ان سنبلوں نے سلطان بہلول کے آخر عہد حکومت میں دریائے گنگ کے کنارے دریا سے غالباً تین چار میل کے فاصلہ پر ایک قلعہ بنایا۔ جو سنبل گڑھ کے نام سے مشہور ہوا۔ اور آج کل حرف نون حذف ہو کر سبل گڑھ کہلاتا ہے۔ اس ریاست کے شمال میں چانڈی (گنگ وژ) کے قلعہ کا خرابہ اور کوہ ہمالہ کا قدرتی قلعہ موجود تھا۔ جنوب میں سبل گڑھ اور آصف گڑھ کے قلعے تعمیر کئے گئے تھے۔ قلعہ آصف گڑھ قبیلہ سنبل کے سردار آصف خان نے سلطان سکندر لودی کے عہد حکومت میں قلعہ سبل گڑھ سے کئی میل کے فاصلہ پر تعمیر کیا تھا اس طرف کی عام روایات میں بیان کیا جاتا ہے کہ آصف خان کے بعد اس کا بیٹا سبل گڑھ میں اور داماد آصف گڑھ میں رہتا تھا۔ بہن آصف گڑھ میں روزانہ رات کو قلعہ سبل گڑھ کے برج پر بھائی کے چراغ اور مشعلیں جلتی ہوئی دیکھتی۔ اگر سبل گڑھ کی روشنی کسی وجہ سے گل ہو جاتی تو آصف گڑھ سے فوراً ایک دستۂ فوج خیریت دریافت کرنے کے لئے روانہ ہوتا۔ اور جب تک واپس آکر خیریت نہ سناتا بہن مضطرب اور بے تاب رہتی۔ آج قلعہ آصف گڑھ کی بنیادوں پر دریا بہ رہا ہے۔ اور قلعہ سبل گڑھ کے خرابہ میں گنگا کے کھولے داخل ہو چکے ہیں۔ آئندہ نسلوں کے آنے تک قلعہ سبل گڑھ کے مٹے مٹے نشانات کو بھی گنگا فنا کر چکی ہوگی۔ پندرہ سال سے زیادہ عرصہ ہوا۔ کہ میں نے پنجاب میں وہاں کے بعض دوستوں کی فرمائش پر ایک غزل لکھی تھی۔ اور وہ کئی اخباروں میں شائع بھی ہوئی تھی۔ اس کے ایک شعر پر بعض ہندو دوست خدا جانے کیوں بہت ناراض ہوئے تھے۔ اس وقت وہ شعر مجھے بے ساختہ یاد آگیا:۔

متاعِ عزم و ہمت لے گئی گنگا کی طغیانی
نہ چھوڑا تو نے ہم میں کچھ بھی ہندوستاں باقی

اسی غزل کے چند شعر اور بھی یاد آگئے ہیں:۔

مسلماں گور میں ہیں اور مسلمانی کتابوں میں
زبانیں چند ہیں ایسی کہ ہے جن پر فغاں باقی
بہارِ باغ کیا ہم تو خزاں کو بھی ترستے ہیں
نہ ہے اب میر منو اور نہ قمر الدین خاں باقی
بریلی میں کہاں ہے کوئی رحمت خاں کا نائب اب
کہاں ہے رام پور میں کوئی فیض اللہ خاں باقی
نجیب آباد میں جاکر وہ پتھر گڑھ کی سنگینی
کوئی دیکھے کہ ہے وہ بھی ہمارا اک نشاں باقی
بہائے تھے جو پانی پت میں ہم نے خون کے دریا
کوئی ڈھونڈھے تو ہیں اب تک نشاں انکے وہاں باقی
ملی ہے خاک میں عزت گئی ہے دولت و حشمت
خدا جانے ابھی ہونے ہیں کیا کیا امتحاں باقی
بس اب اتنا ہی رہنے دیجئے فرصت نہیں ہم کو
سنیں گے پھر کبھی قصہ یہ اکبر شاہ خاں باقی

قبیلۂ سنبل پر مصیبت

شیر شاہ اعظم کے زمانہ میں سنبلوں کی ایک اور چھوٹی سی ریاست علاقہ ہریانہ میں قائم تھی جس کا حاکم الہ داد خان سنبل تھا۔ الہ داد خان سنبل کی لڑکی سے شیر شاہ کا بھانجا مبارز خاں شادی کرنا چاہتا تھا۔ الہ داد خان نے انکار کیا۔ اور مبارز خان کسی مجلس میں سنبلوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ الہ داد خاں اور ہریانہ کے تمام سنبل خوفزدہ ہو کر سبل گڑھ کی ریاست میں اپنے ہمقوموں کے پاس چلے آئے۔ اس ریاست میں پہاڑوں کی وجہ سے کوئی فوج ان کو گرفتار کرنے پر قادر نہیں ہو سکتی تھی۔ سبل گڑھ کے سنبلوں نے اپنے ہم قوموں کی اعانت و ہمدردی پر پوری آمادگی کا اظہار کیا۔ اعظم ہمایوں نیازی نے ان سنبلوں کو جو ہریانہ سے سبل گڑھ آکر پناہ گزین ہوئے تھے۔ معافی کا یقین دلا کر دھوکے سے واپس بلوایا۔ تو ان کے ہمراہ سبل گڑھ کے سنبلوں کی بھی ایک جمعیت گئی۔ اعظم ہمایوں نے اپنے قول و اقرار کے خلاف سنبلوں کے نوسو قابل جنگ مردوں کو جن میں بعض سبل گڑھ کے سنبل پٹھان بھی شامل تھے قتل کرا دیا۔ اور ان کے بیوی بچوں کو گرفتار کر کے شیر شاہ کے پاس بھیجا۔ لیکن اعظم ہمایوں کی توقع کے خلاف شیر شاہ سنبلوں کے اس طرح قتل ہونے کا حال سن کر سخت ناراض اور بیحد متاسف ہوا۔ اور اعظم ہمایوں زیر عتاب آیا۔ یہ واقعہ ۹۵۱ھ ۱۵۴۴ء میں وقوع پذیر ہوا۔

افغانی نو آبادی کا قتل عام

شیر شاہ کی وفات کے بعد اس کے سپہ سالار اعظم خواص خان ولی اور سلیم شاہ میں مخالفت ہوئی۔ خواص خان ولی ۹۵۴ھ ۱۵۴۷ء میں جب اعظم ہمایوں نیازی سے ناراض ہو کر اور جنگ انبالہ میں نیازیوں کو اپنی دست کشی سے سلیم شاہ کے ہاتھوں شکست دلا کر کوہ کمایوں میں چلا آیا۔ اور پھر وہاں سے پٹھانوں کی اس نو آبادی میں داخل ہوا تو ان تمام ریاستوں نے خواص خان کو متفقہ طور پر اپنا سرپرست اور حاکم اعلیٰ تسلیم کر کے سلیم شاہ کی مخالفت کا علم بلند کیا۔ ان ریاستوں میں سبل گڑھ کی ریاست نے سب سے زیادہ خواص خان ولی کے ساتھ عقیدت و ارادت و جانفشانی کا ثبوت پیش کیا۔ خواص خان ولی نے کجلی بن کی اس افغانی نو آبادی کا فرماں روا بن کر پانچ سال تک سلیم شاہ کا نہائت کامیاب مقابلہ کیا۔ اور شاہی افواج کے اس علاقہ کے پٹھانوں اور خواص خان ولی کو زیر نہ کر سکیں۔ آخر ۹۵۹ھ ۱۵۵۱ء میں تاج خان کرانی برادر سلیمان خان کرانی نے دھوکے سے خواص خان ولی کو قتل کیا۔ اس کے بعد سلیم شاہ کی فوجوں نے اچانک کئی سمتوں سے حملہ آور ہو کر پٹھانوں کا ایسا مکمل قتل عام کیا کہ عورتوں اور بچوں تک کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔ اس قتل عام کی تاریخ "مصیبت بدام شد" ۹۵۹ھ ہوئی۔ اسی روز سے یہ آباد و سرسبز علاقہ پھر جنگل بن گیا۔ اور وہی کجلی بن اپنی پرانی شکل میں نمودار ہو گیا۔ قلعہ سبل گڑھ سے کوہ ہمالہ تک نہائت خطرناک جنگل ہے۔ سبل گڑھ کے متصلہ کھولوں میں جنگلی شیروں کی بڑی کثرت ہے۔ پرانے کجلی بن کی بہ نسبت ۹۵۹ھ کے بعد کا موجودہ کجلی بن رقبہ کے اعتبار سے نصف ہے۔ پرانے کجلی بن کا نصف جنوبی حصہ آج کل نجیب آباد و نگینہ کے مفصلات کا زرعی رقبہ ہے۔ موجودہ کجلی بن قلعہ سبل گڑھ کے خرابہ سے قلعہ کالاگڑھ تک پچاس میل کے قریب طویل اور کوہ ہمالہ سے جنوب کی جانب کہیں دس میل کہیں بیس میل کہیں پچیس میل عریض ہے۔

قلعہ سبل گڑھ

قلعہ سبل گڑھ کے نشانات اب تک جنگل میں موجود ہیں۔ گنگا کنارے کو کاٹتی ہوئی بالکل اس کے قریب پہونچگئی ہے۔ اسکے کھنڈلے قلعہ کے جنوبی و مغربی رقبہ میں داخل ہو چکے ہیں۔ قلعہ کی چوڑائی شرقاً غرباً ایک ہزار چھ سو فٹ کے قریب اور لمبائی اس سے کسی قدر زیادہ تھی۔ چار گوشوں میں چار بڑے برج اور فصیلوں میں آٹھ چھوٹے برج تھے۔ پختہ صدر دروازہ شرق رویہ تھا۔ جو ٹوٹی پھوٹی حالت میں اب تک موجود ہے۔ قلعہ سبل گڑھ اور گنگا کے درمیان نیز قلعہ سے جنوب و شمال کی جانب آبادی تھی جس کے نشانات گنگا کے کھدلوں میں اب تک پائے جاتے ہیں۔ قلعہ سبل گڑھ کی مغربی فصیل کے متصل ایک بہت بڑا کنواں ابھی تک اصلی حالت میں موجود ہے۔ گنگا کے کنارے قلعہ سبل گڑھ سے جنوب و مغرب کی جانب ایک پختہ قبر جو زین الدین پیر کا مزار کہلاتا ہے۔ ابھی تک باقی ہے۔ اور باوجود اس کے کہ زین الدین پیر کے کھدلے کا شیر بہت مشہور اور نہائت مہیب ہے۔ لوگ جمعرات کے دن اسپر نذر و نیاز چڑھاتے ہیں۔ میں نے ۱۸۹۹ء میں خود وہاں جاکر ایک ہندو جوگی سے جو اس جنگل میں تنہا زین الدین پیر کی قبر کے پاس ایک غار میں رہتا تھا ملاقات کی۔ اثنائے گفتگو میں ہندو فقیر نے کہا۔ کہ زین الدین پیر کو میں نے عالم کشف میں دیکھا ہے وہ بڑا خوبصورت۔ نوجوان اور پہلوان آدمی ہے۔ اور زندگی میں اس کا مسکن جس مقام پر تھا وہ اب گنگا کا مغربی کنارہ ہے۔ اس عرصہ میں گنگا زمین کو کاٹتی ہوئی زین الدین صاحب کی قبر تک پہونچگئی ہے۔ اور جس مقام پر اب گنگا بہہ رہی ہے۔ یہ مسلمانوں کی بڑی زبردست آبادی تھی۔

مرہٹوں اور مسلمانوں کی کشمکش

۱۱۷۱ھ و ۱۱۷۲ھ مطابق ۱۷۵۷ء و ۱۷۵۸ء میں جب مرہٹوں نے ایک لاکھ سے زیادہ لشکر کے ساتھ امیر الامرا نواب نجیب الدولہ پر حملہ کیا۔ اور وہ سکرتال ضلع مظفر نگر کے قلعہ میں چار مہینے تک محصور رہے۔ تو مرہٹوں کی بعض فوجیں گنگا کو عبور کر کے نجیب آباد۔ بجنور اور چاندپور وغیرہ کو نقصان پہونچانے لگیں یہ سن کر بخشی سردار خان مراد آباد سے چار ہزار سوار لے کر روانہ ہوئے۔ اور انہوں نے معہ فوج قلعہ سبل گڑھ میں آکر قیام کیا۔ قلعہ سبل گڑھ پر ابھی تک مرہٹے نہ پہونچے تھے۔ ان کی فوج جو گنگا کے اس طرف آئی تھی۔ اس کی تعداد بیس ہزار تھی اور اس نے تیرہ سو گاؤں چاندپور، نگینہ اور امروہے کے علاقے میں جلا دیئے تھے۔ اس بیس ہزار مرہٹہ فوج کا سردار گوبند راے بندیلہ تھا۔ بخشی سردار خان نے اپنی چار ہزار فوج لیکر مرہٹوں کی چھوٹی چھوٹی جمعیتوں کو بھگانا اور جنوب کی جانب ہٹانا شروع کیا۔ لیکن مرہٹے فوراً یکجا فراہم ہو کر مقابلہ پر مستعد ہو گئے۔ بخشی سردار خان جب اپنے چار ہزار ہمراہیوں سے گوبند راے کے بیس ہزار لشکر کا مقابلہ نہ کر سکے تو وہ قلعہ سبل گڑھ میں واپس آکر محصور ہو گئے۔ بخشی سردار خان کے سبل گڑھ میں محصور ہونے



کا حال سن کر نواب حافظ رحمت خان فرمانروائے بریلی نے سیل گڑھ کی جانب ایک فوج بھیجی۔ اس کے پہونچنے پر مرہٹوں نے سیل گڑھ سے محاصرہ اٹھایا۔ اور مسلمانوں کی دونوں فوجوں نے مل کر مرہٹوں کو گنگا کے پار بھگایا۔ یہ واقعات تاریخوں میں بالتفصیل مذکور ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ [illegible]ء تک قلعہ سیل گڑھ اس حالت میں موجود تھا۔ کہ مرہٹوں کا بیس ہزار لشکر محاصرہ کر کے اس کو فتح نہ کر سکا تھا۔ آج سیل گڑھ کے خرابہ کی موجودہ حالت دیکھ کر کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا۔ کہ اس جنگل بیابان میں طاقت کا اتنا بڑا مرکز موجود تھا:۔

جہاں کل جواہر کے انبار تھے
کروڑوں درم اور دینار تھے
جہاں پاسبان کل کھڑے تھے للکارتے
پرندے بھی ڈرتے تھے پر مارتے
وہاں گیا ہی اب خاک ہی سنگ ہیں
عجب کچھ زمانے کے نیرنگ ہیں

۱۹۰۶ء کا ایک عجیب و غریب واقعہ

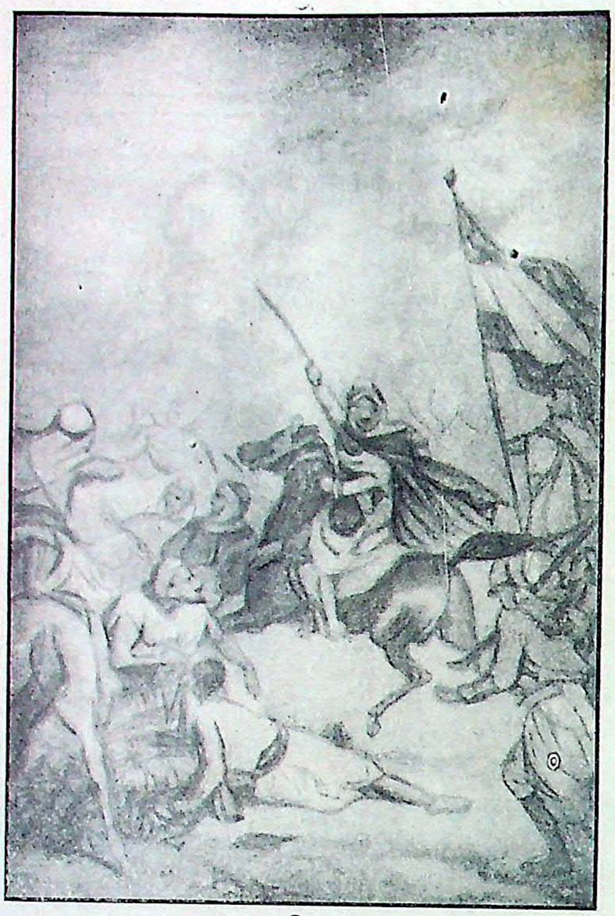
قلعہ سیل گڑھ سے قریباً ایک میل کے فاصلہ پر جنوب کی جانب جنگل میں آج کل ایک بہت چھوٹا سا گاؤں آباد ہے۔ جو رامداس والی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ گاؤں آب گنگ سے بھی مشرق کی جانب ایک ہی میل کے فاصلہ پر ہے۔ گاؤں اور دریا کے درمیان چھوٹے بڑے کھولوں کا ایک جال سا پھیلا ہوا ہے۔ موضع رامداس والی میں جاٹوں کا ایک خاندان رہتا ہے۔ اس خاندان میں شیر جیت اور شوراج دو حقیقی بھائی ہیں۔ جن میں سے ایک گاؤں کا پدھان بھی ہے۔ ۱۹۰۶ء کے ماہ جون میں برسات کی سب سے پہلی بارش خوب زور و شور سے ہوئی۔ اور گنگا میں پانی بڑھ گیا۔ اس طغیانی نے گنگا کے مشرقی کنارے کی بلند زمین کو کسی قدر کاٹا۔ ایک دو روز کے بعد گنگا اتر گئی۔ اور مشرقی بلند کنارے اور دریا کے پانی کے درمیان ریت کا کئی گز چوڑا ہموار میدان نمودار ہو گیا۔ رامداس والی کے باشندوں میں سے ایک شخص اتفاقاً کسی ضرورت سے کھولوں میں اتر کر گنگا کے کنارے گیا تھا۔ وہاں سے واپس آکر اس نے گاؤں کے پدھان سے کہا۔ کہ آج گنگا کے کنارے میں نے ایک پختہ کنواں دیکھا ہے۔ جو اسی ہفتہ کی گذشتہ بارش میں کنارے کی زمین کے کٹنے سے نمودار ہوا ہے۔ یہ سن کر گاؤں کا پدھان (مذکورہ دونوں بھائیوں میں سے ایک) اگلے دن علے الصباح گاؤں کے چند دوسرے آدمیوں کو لے کر جن میں اس گاؤں کے ضلعدار شجاعت اللہ خان صاحب نجیب آبادی بھی شامل تھے اس خبر رساں شخص کی رہبری میں روانہ ہوا۔ یہ لوگ گنگا کے بلند کنارے پر پہونچ گئے۔ سامنے دریا بہ رہا تھا۔ اوپر سے کچھ معلوم نہ ہوا۔ پہلو کی جانب کھولے میں سے ہو کر نیچے اترنے کا راستہ تھا۔ نیچے اترے اور پانی کے کنارے ریت کے ہموار میدان میں پہونچے۔ رہبر نے کنوئیں کے پاس لے جا کر کھڑا کر دیا۔ اس جگہ ریت کے ہموار میدان سے زمین کا کنارہ عمودی حالت میں قریباً تیس فٹ بلند تھا۔ اور نیچے سے اوپر تک پختہ کنوئیں کا ایک پہلو زمین کے کٹنے سے ننگا ہو گیا تھا اوپر کنارے پر جو درخت وغیرہ تھے ان کے ذریعے سے کنوئیں کے صحیح مقام کو ذہن نشین کر کے یہ لوگ پھر اوپر پہونچے کلہاڑے ان لوگوں کے پاس موجود تھے۔ اب پھاوڑے یا بیلچے بھی منگوائے گئے۔ اور اس جگہ جہاں کنوئیں کا منہ ہو سکتا تھا کھودنا شروع کیا۔ ایک یا ڈیڑھ فٹ مٹی کھودنے کے بعد پختہ چبوترا نمودار ہوا۔ مٹی علیحدہ کرنے پر چبوترہ مدور شکل کا نکلا۔ جس کا قطر قریباً ۱۳ فٹ اور محیط قریباً چالیس فٹ تھا۔ اس چبوترہ میں چھوٹی قسم کی پختہ اینٹیں چونے کے ساتھ کھڑنجہ کی طرح کھڑی ہوئی پہلو بہ پہلو لگی ہوئی تھیں۔ غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس مدور چبوترہ کا درمیانی حصہ کناروں کی نسبت کسیقدر ابھرا ہوا ہے۔ جس سے خیال پیدا ہوا کہ واقعی یہ کنواں ہے اور اس کے منہ کو ڈاٹ لگا کر بند کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس ڈاٹ کو توڑنے کی کوشش شروع ہوئی۔ جب پھاوڑوں اور بیلچوں نے کام نہ دیا۔ تو ایک آدمی کو بھیجکر گاؤں سے ہلوں کی آہنی پھالیاں جن کو بہترین آلہ نقب کہنا چاہیئے۔ منگوائی گئیں۔ جو شخص یہ پھالیاں لایا۔ وہ ایک بڑی رسی بھی اس امید پر لیتا آیا۔ کہ جب اس کنوئیں کی چھت ٹوٹ جائے گی تو اس رسی کی ضرورت پیش آئیگی تمام آہنی اوزار اور گاؤں کے مضبوط و صعوبت کش آدمیوں کی کوششیں بیکار ثابت ہوئیں۔ اوپر کے معمولی پلاستر کے سوا ایک اینٹ بھی قسم کھانے کو اپنی جگہ سے نہ ہلی۔

طلسمی کنواں

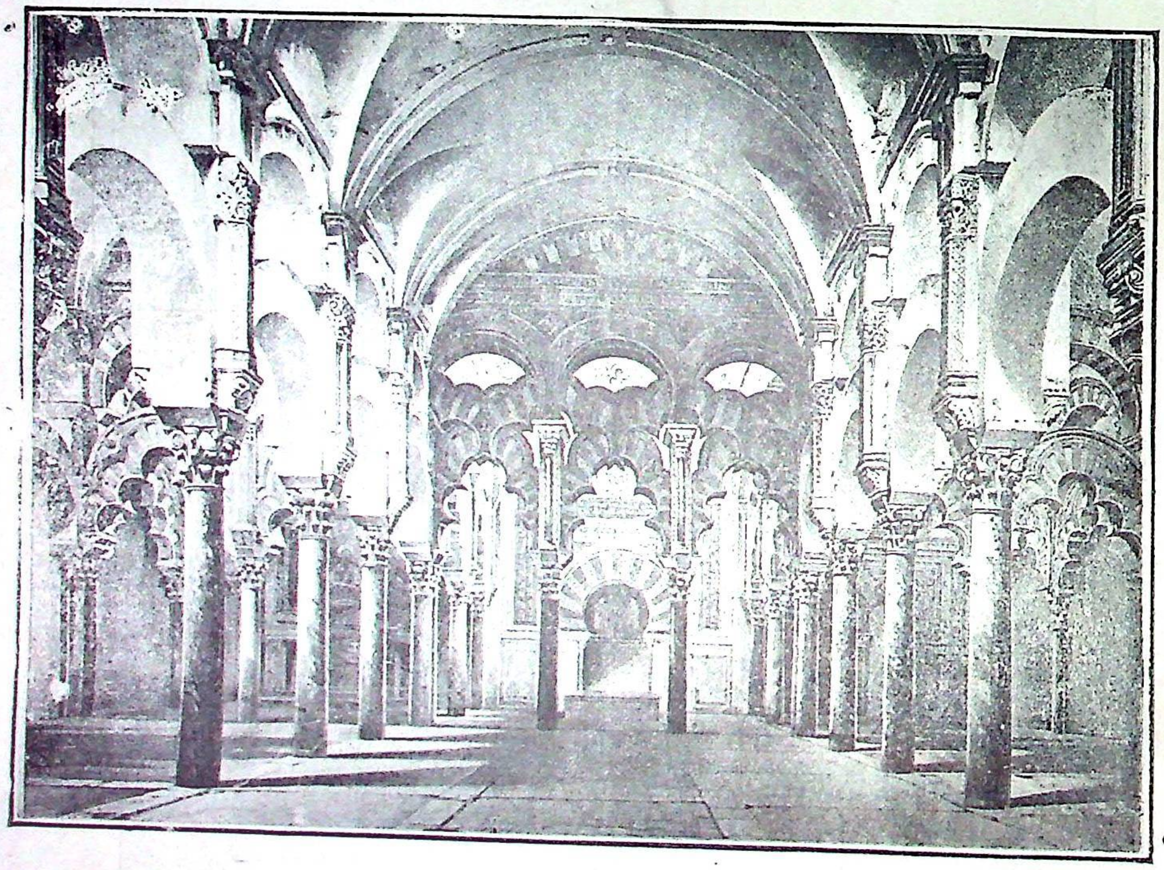
اس کوشش میں سہ پہر کا وقت آگیا۔ اور سورج آسمان کا نصف حصہ طے کر کے مغرب کی جانب مائل ہوا۔ آخر سب کی یہ رائے قرار پائی کہ نیچے اتر کر اس کے پہلو میں نقب لگانا چاہیئے۔ سب لوگ معہ آلات نیچے اترے اور ریت کے ہموار میدان کی سطح سے ڈیڑھ یا دو فٹ کی بلندی پر کنوئیں کے کھلے ہوئے پہلو میں نقب لگانے کی کوشش شروع ہوئی۔ اتفاقاً یہ کوشش نتیجہ خیز ثابت ہوئی۔ اور پانچ چھ آدمیوں کے مسلسل مصروف کار رہنے سے بہزار دقت بعد عصر کوئی ایک یا ڈیڑھ فٹ مربع درمیانی نقب لینے میں کامیابی حاصل ہوئی۔ یہ نقب جب کنوئیں کی دیوار کے آر پار ہونے لگی۔ تو اینٹیں اندر کی طرف بھی گریں۔ ان کے گرنے کی آواز سے معلوم ہوا کہ کنوئیں میں پانی بھرا ہوا ہے۔ اور اینٹیں پانی میں گری ہیں۔ کنوئیں کا پانی اس نقب سے پانچ چھ فٹ نیچے تھا۔ اس کی دیوار کا آثار قریباً دو فٹ تھا۔ اور اینٹیں نہائیت مضبوط چونے سے جڑی ہوئی تھیں۔ جب سوراخ آر پار ہو گیا۔ تو ہر شخص جھانکنے لگا۔ چونکہ جھانکنے والے کے جسم سے روشنی کا داخلہ بند ہو جاتا تھا۔ لہذا تاریکی کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا۔ ایک شخص نے رسی کے سرے میں لوہے کی ایک وزنی پھالی باندھی اور اس نقب کے ذریعہ سے کنوئیں میں لٹکائی کہ شاید اس طرح کوئی خاص انکشاف ہو۔ یہ رسی سو فٹ سے زیادہ لمبی تھی۔ ساری کی ساری ختم ہو گئی۔ مگر لوہے کی پھالی تہہ تک نہ پہونچی۔ اس حیرت انگیز گہرائی نے لوگوں میں کنوئیں کے حالات معلوم کرنے کا شوق اور بھی بڑھا دیا۔ اور دوسری رسیاں منگانے کی تجویز ہوئی۔ اب دن ختم ہونے والا تھا۔ اور سورج نیچا ہو کر افق کے قریب پہونچ گیا تھا۔ سورج کے نیچا ہونے کی وجہ سے اس کی شعاعیں نقب کے ذریعے کنوئیں کے اندر پہونچنے لگیں۔

ایک عجیب زنجیر

اب جو کنوئیں کے اندر نظر ڈالی۔ تو کیا دیکھتے ہیں۔ کہ عین وسط میں ایک زنجیر لوہے کی اوپر سے نیچے کی طرف لٹکی ہوئی موجود ہے۔ اس زنجیر کا اوپر کا سرا یقیناً کنوئیں کی اس

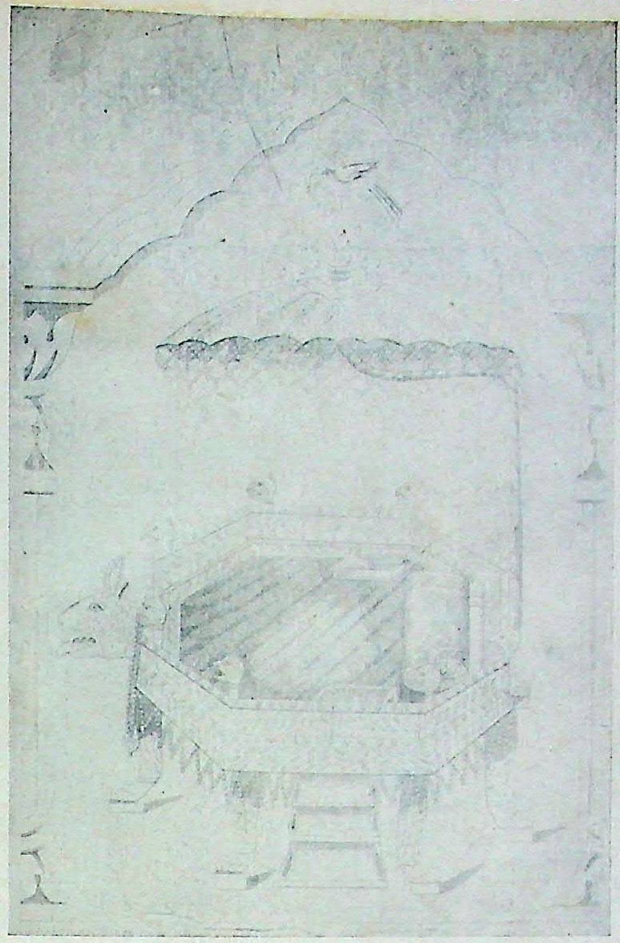


امیر عبدالقادر الجزائری میدانِ جہاد میں



جامع قرطبہ کا ایک اندرونی منظر

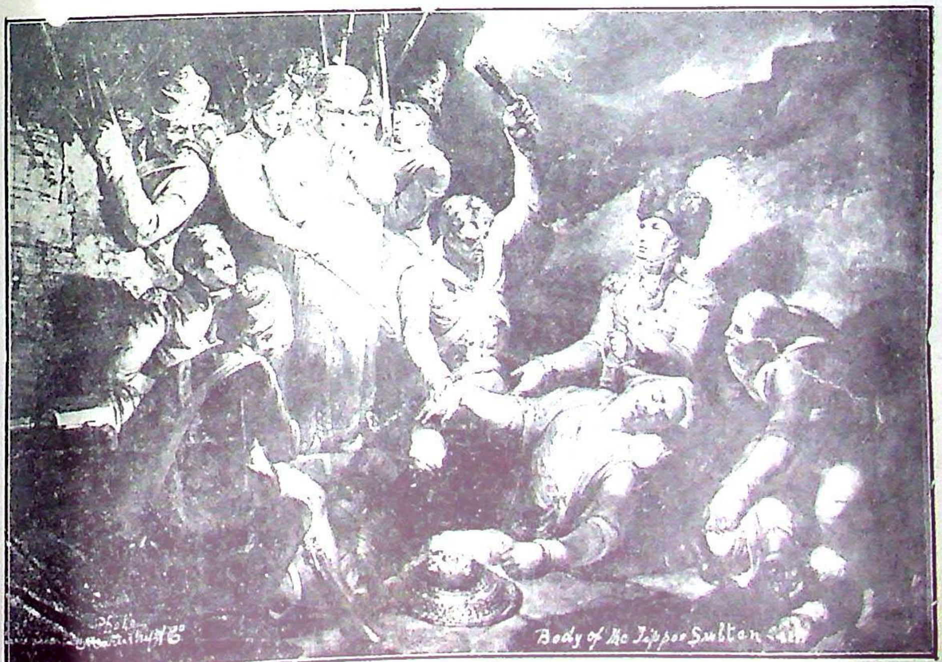
وکٹوریہ پریس ریلوے روڈ لاہور



سلطان شہید (ٹیپو رحمتہ اللہ علیہ) کا تخت



سلطان شہید کا آخری و



سلطان شہید کی نعش

چھت کے مرکز سے وابستہ تھا۔ جس کے توڑ لینے ہی سے لوگ بے نام رہ چکے تھے۔ زنجیر پانی کے اندر سیدھی چلی گئی تھی۔ آفتاب کی روشنی میں زنجیر سب کو صاف نظر آئی۔ یہ زنجیر معمولی آدمی کے بازو اور موٹے تازے آدمی کی کلائی کے برابر موٹی تھی۔ اس کی بھدی چھوٹی مضبوط کڑیاں صاف نظر آتی تھیں۔ یہ دیکھ کر لوگ بھاگے ہوئے گھر سے لیس گئے۔ اور کسی درخت سے ایک لمبی بَلّی کاٹ کر لائے۔ یہ بَلّی ایک دو شاخہ کے قریب سے کاٹی گئی تھی۔ بَلّی کی جڑ میں دوسری شاخ بقدر ایک بالشت کے چھوڑ دی گئی تھی۔ جس سے ایک نہایت مضبوط قسم کا ہُک پیدا ہو گیا تھا۔ جڑ کی طرف سے بَلّی کے موٹے سرے کو جو ہر دو ہُک تھا اس سوراخ میں داخل کر کے زنجیر تک پہنچایا گیا اور چھوٹی شاخ یعنے ہُک کو زنجیر کے اس طرف ڈال کر زنجیر کو سوراخ کی طرف کھینچنے کی کوشش کی گئی۔ معلوم ہوا۔ کہ زنجیر ذرا بھی جنبش نہیں کرتی۔ دو آدمیوں نے مل کر زور کیا۔ جب زنجیر نہ ہلی تو اور دو آدمی شامل ہو گئے۔ چاروں کی طاقت بھی ناکافی ثابت ہوئی۔ تو باقی چار بھی بَلّی کو لپٹ گئے۔ اور کنوئیں کی دیوار سے پاؤں اڑا اڑا کر بے تحاشا زور کرنے لگے اس متفقہ زور آزمائی کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ وہ دوسری شاخ جڑ کے پاس سے جدا ہو گئی۔ اور بَلّی سیدھی باہر نکل آئی۔ یہ آٹھوں زور آزما بَلّی کو لپٹے ہوئے زمین پر ایک خوشہ کی شکل میں گرے ہوئے نظر آئے۔ یہ خیر گذری کہ کسی کے کوئی خطرناک چوٹ نہیں لگی۔

ابھی شام ہو گئی تھی آفتاب غروب ہو چکا تھا۔ ادھر مشرق کی طرف سے بادل گرجتا ہوا اٹھا۔ ان لوگوں کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے۔ پسینے میں نہائے ہوئے تھے۔ دن بھر کی شاقہ محنت کے باوجود اس عجیب و غریب کنوئیں کی حقیقت معلوم کئے بغیر اس کو چھوڑنا نہ چاہتے تھے۔ لیکن رات کی تاریکی، بادل کی گرج، اور بجلی کی چمک نے ان کو گھر یاد دلایا۔ وہاں سے یہ کہکر اپنے گاؤں رامداس والی کی طرف روانہ ہوئے کہ کل صبح آکر اس کی خبر لیں گے۔ ابھی رامداس والی میں داخل نہ ہوئے تھے۔ کہ بارش شروع ہو گئی۔ بھیگتے ہوئے اپنی اپنی جائے قیام میں داخل ہوئے۔ یہ بارش بڑی طوفانی بارش تھی پانچ روز اور چھ رات مسلسل جاری رہی۔ اور کسی کو باہر نکلنے اور گنگا کی طرف جانے کا موقع نہ ملا۔ چھٹے روز جب بارش رکی اور دھوپ نکلی تو یہ لوگ اپنے اس اعجوبۂ روزگار کنوئیں کی طرف چلے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ گنگا کی طغیانی نے نصف فرلانگ کے قریب اس طرف کی زمین کاٹ لی ہے۔ جس جگہ وہ کنواں تھا۔ وہاں دریائے گنگ کا پانی زور شور سے بہ رہا ہے کنوئیں کا کوئی نام و نشان باقی نہیں۔ برسات گذرنے کے بعد جب گنگا کا پانی کم ہو گیا۔ تب بھی اس کنوئیں کی کوئی علامت باوجود تلاش کسی کو نظر نہ آئی۔

واقعہ کی صحت کا مسئلہ

یہ قصہ مجھ کو اسی ہفتہ برادرم شفاعت اللہ خان صاحب نجیب آبادی نے سنایا۔ جو مذکورہ آدمیوں میں شامل تھے اور انہوں نے اوّل سے آخر تک اس روز تمام کاموں میں حصہ لیا تھا۔ اپنی آنکھوں سے اس زنجیر کو دیکھا۔ اور اس بَلّی پر سب سے زیادہ زور کیا تھا۔ یہ واقعہ انہوں نے اس سے پہلے بھی کئی سال ہوئے بعض لوگوں کو اسی طرح سلسلہ کلام میں سنایا تھا۔ اتفاقاً ان سے سننے کے بعد اگلے ہی روز میں نے ایک مجلس میں اس کا ذکر کیا۔ تو وہاں بعض ایسے شخص موجود تھے جو کئی سال پہلے ان سے اس واقعہ کو سُن چکے تھے۔ انہوں نے کہا کہ یہ تمام واقعات شفاعت اللہ خان صاحب سے ہم نے اسی طرح سنے تھے۔ میں کوئی وجہ نہیں پاتا۔ کہ اس واقعہ کے صحیح ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ کروں۔ شفاعت اللہ خان صاحب نہائت نیک و متقی آدمی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ کنواں جو زین الدین پیر کی زیارت کے قریب تھا یقیناً سیل گڑھ کی آبادی سے تعلق رکھتا اور پٹھانوں کا تعمیر کردہ تھا۔ یہ کنواں کس قسم کا تھا۔ اس میں کیا چیز تھی۔ زنجیر کیسی تھی۔ یہ کنواں تھا۔ یا اس کو کچھ اور کہنا چاہیئے۔ ان سوالات کے جواب ہر شخص غور و فکر کے بعد خود ہی متعین کر سکتا ہے۔ برادرم شفاعت اللہ خان صاحب سے اِس کنوئیں کی داستان سن کر ہی میں نے سیل گڑھ اور کجلی بن کے تاریخی حالات جو مجھ کو معلوم تھے سوچنے اور غور کرنے والوں کے لئے لکھ دئیے ہیں۔ شیر شاہ اعظم کے مشہور سپہ سالار خواص خان دلی نے کجلی بن کی اس افغانی نو آبادی پر جس میں ریاست سیل گڑھ بھی شامل تھی پانچ سال تک خود مختارانہ حکومت کی۔ اور سلیم شاہ سے حالت جنگ قائم رہی۔ خواص خان دلی کی سوانحعمری اس سے پہلے قریباً ایک ماہ کا عرصہ ہوا میں لکھ چکا ہوں۔ جو زیر طبع ہے۔ اور عنقریب کتابی شکل میں شائع ہونے والی ہے مذکورہ افغانی نو آبادی کا تذکرہ اس میں کسیقدر مفصل موجود ہے۔

نہر سویز کی تاریخی و سیاسی اہمیت

۱۔ تاریخی اور دیگر معلومات

نہر سویز ساری قلمرو برطانیہ میں سب سے زیادہ اہم اور کارآمد بحری راستہ ہے، اس کی وجہ یہ ہے، کہ قلمرو برطانیہ کی عظمت و شوکت ہندوستان سے وابستہ ہے اور یورپ سے ہندوستان تک قریب ترین بحری رستہ نہر سویز ہی کا ہے، اس نہر کے تیار ہونے سے بیشتر برطانوی جہاز راس امید کے اوپر سے ہزارہا میل کا بحری سفر طے کر کے ہندوستان پہنچا کرتے تھے، اور اس سفر میں بہت سا روپیہ اور وقت صرف ہو جایا کرتا تھا بحیرہ روم اور بحیرہ احمر کے درمیان براہ راست کوئی بحری تعلق نہ تھا اور عرب، ہندوستان، اور افریقہ کے مشرقی ممالک یورپ کے ملکوں سے کما حقہ تجارت نہ کر سکتے تھے، یورپ کے ملکوں کی تجارتی اشیاء مصر پہنچ کر وہاں سے سڑک کے ذریعے سے خلیج سویز تک لائی جاتی تھیں، اور پھر جہازوں بار کر کے ایشیا اور افریقہ کے ملکوں میں بھیجی جاتی تھیں۔

فراعنہ کے زمانے کی نہریں

معلوم ہوتا ہے، کہ اس دشواری کا احساس اہل مصر کو آج سے ہزارہا سال بیشتر ہو چکا تھا، اور انہوں نے دریائے نیل سے لے کر بحیرہ احمر تک ایک ایسی نہر تیار کر لی تھی، جس میں جہاز چلائے جاتے تھے، قدیم مصر کی داستانوں میں ایک فرعون مسمّی سیسوطریس کا ذکر آتا ہے، ارسطو، سطرابون اور پلائینی نے لکھا ہے، کہ دریائے نیل اور خلیج سویز کے درمیان سب سے پہلے اسی فرعون نے نہر کھودی تھی، مقام کارنک کے ایک معبد پر ایک کتبہ نصب تھا، جس سے معلوم ہوتا تھا کہ فرعون سیتی اول کے عہد میں یعنی ۱۳۸۰ قبل مسیح کے قریب یہ نہر موجود تھی، جو دریائے نیل کے کنارے بوبائیتس کے مقام سے شروع ہوتی تھی، اور وادئ طومیلات میں سے ہو کر برکۃ المرہ دکڑوی جھیل) کی ایک بندرگاہ ہیروپلیس پر ختم ہو جاتی تھی، معلوم ہوتا ہے، کہ فرعون سیتی اول کی بنائی ہوئی نہر چند سو سال میں خراب ہو گئی، اور فرعون نیچو (۶۰۹ قبل مسیح) نے اسے کھدوانا شروع کیا لیکن اس کی تکمیل نہ کر سکا ہیرو ڈوٹس (مشہور مورخ) لکھتا ہے، کہ اس کام میں ایک لاکھ بیس ہزار انسانوں کی جانیں ضایع ہو گئیں۔

اس کے بعد شہنشاہ دارایوس (۵۲۰ قبل مسیح) بطلیموس فلاڈیلفیس (۲۸۵ قبل مسیح) ٹراجن (۹۸ عیسوی) نے اپنے اپنے زمانوں میں اسی نہر کی تجدید و تعمیر میں سرگرمی کا اظہار کیا لیکن وہ ہمیشہ ریت سے بھر جاتی تھی اور جہازوں کا گزرنا مشکل ہو جاتا تھا، رومیوں کے عہد میں اس نہر پر کوئی خاص محنت نہیں کی گئی۔

مسلمانوں کی بنائی ہوئی نہریں

آخر جب ساتویں صدی عیسوی میں عمر بن عاص نے مصر کو فتح کیا تو اسلام کے اس اولوالعزم سردار نے نئی نہر کھدوائی تاریخ کی کتابوں سے اس امر کا واضح ثبوت ملتا ہے، کہ یہ نہر مصر میں اسلامی حکومت کے ابتدائی زمانے میں بہت اچھی طرح کام دے رہی تھی، لیکن ۷۶۷ء میں عباسیوں کے دوسرے خلیفہ ابو جعفر منصور نے جو بغداد کا بانی تھا۔ اس نہر کو بند کرا دیا۔ کیونکہ عرب میں خلیفہ کے مخالفین کو اسی نہر کے رستے سے تمام اشیائے ضروری پہنچ جایا کرتی تھیں۔

قاہرہ کے درمیان میں سے ایک خلیج گزرتی تھی جس کا اکثر حصہ ۱۸۹۸ء میں بند کر دیا گیا تھا۔ یہ خلیج عمرو بن عاص ہی کی بنائی ہوئی نہر کا ایک حصہ تھی، اس نہر کا آخری مقام بحیرہ احمر کے کنارے برکۃ المرہ کے جنوب میں موجودہ قصبہ سویز کے قریب واقع تھا اسی علاقے میں ایک قدیم شہر کلیزما کے نام سے مشہور تھا جو عمرو بن عاص کے عہد میں "قلزم" بن گیا جب آٹھویں صدی میں خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی نے اس نہر کو بند کرا دیا تو اس کے بعد پھر یہ نہر کبھی نہیں کھولی گئی، لیکن بعض کتابوں میں اس قسم کا اشارہ سا پایا جاتا ہے، کہ ۱۰۰۰ء میں سلطان حاکم نے اس نہر کو جہاز رانی کے قابل بنا دیا تھا اس کے بعد یہ نہر پھر بند ہو گئی، اور اس دفعہ اس کی بندش کا حکم محمد علی پاشا نے ۱۸۱۱ عیسوی میں دیا ۱۸۶۱ء سے ۱۸۶۳ء تک فرانسیسی انجینئروں نے قاہرہ سے سویز تک ایک نہر تیار کی جو زیادہ تر عمرو بن عاص ہی کی نہر کے خاکے پر بنائی گئی تھی۔

نہر سویز کا تخیل اور ہارون الرشید

اس مختصر سرگزشت سے قارئین کو معلوم ہو گیا ہوگا، کہ بحیرہ روم اور بحیرہ احمر کو دریائے نیل کی وساطت سے باہم ملا دینے کا کام ڈھائی ہزار سال سے چلا آ رہا ہے اگرچہ خاکنائے سویز کو کھود کر براہ راست دونوں سمندروں کے درمیان نہر بنانے کا کام گو یورپین انجینئروں ہی کے ہاتھوں تکمیل کو پہنچا ہے لیکن تاریخ شاہد ہے، کہ اس کا خیال بھی سب سے پہلے مسلمانوں ہی کو سوجھا تھا، خلیفہ ہارون رشید عباسی نے ارادہ کیا تھا، کہ خاکنائے سویز کو کھود کر نہر نکالی جائے لیکن مشیروں نے خلیفہ ممدوح کو یہ کہہ کر روک دیا، کہ بازنطینی سلطنت کی بحری طاقت بہت زبردست ہے، اگر خاکنائے سویز کو کاٹ کر دونوں سمندر ملا دیئے گئے، تو عرب کے سواحل کو ہمیشہ بازنطینیوں کی طرف سے حملے کا خطرہ لگا رہے گا، چنانچہ ہارون رشید نے اس خیال کو چھوڑ دیا۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا گیا ہے، کہ نہر سویز کے سب سے پہلے مجوّز مسلمان ہی تھے۔

فرانسیسیوں کا ارادہ

جب پندرھویں صدی عیسوی کے اواخر میں واسکوڈے گاما نے یورپ سے ہندوستان تک بحری رستہ دریافت کیا، جو راس امید کے اوپر سے ہو کر آتا تھا، تو وینس کے باشندوں نے جو کئی صدیوں سے مصر اور بحیرہ احمر کے رستے ایشیا اور یورپ کے درمیان تجارت کر رہے تھے مصریوں سے گفت و شنید شروع کی، تاکہ نہر سویز طیار کر کے اپنی تجارت کیلئے سہولت پیدا کریں، لیکن انہی دنوں ترکوں نے مصر کو فتح کر لیا، اور یہ تجویز معرض التواء میں پڑ گئی، جب ۱۶۷۱ء میں لائب نیز نے فرانس کے بادشاہ لوئی چہاردہم کی خدمت میں مہم مصر کے متعلق تجاویز پیش کیں، تو ان میں یہ سفارش بھی کی۔ کہ خاکنائے سویز کو کاٹ کر نہر بنانی چاہیے، شیخ البلد علی بے نے بھی اس تجویز پر عملدرآمد کرنے کی خواہش ظاہر کی، یہ واقع ۱۷۷۱ء کا ہے۔

نپولین اور نہر سویز

نپولین بوناپارٹ ۱۷۹۸ء میں مصر میں مقیم تھا، اس نے بھی نہر کھودنے کا ارادہ کیا، اور خاکنائے کی پیمائش کا حکم دے دیا اس کام پر ایک مشہور انجینئر لوپیر مقرر کیا گیا، لیکن وہ غور و خوض کے بعد اس نتیجے پر پہنچا، کہ بحیرہ احمر بحیرہ روم کی نسبت اٹھائیس فٹ اونچا ہے، اس لئے نہر نہیں کھد سکتی لیکن ۱۸۳۳ء میں پراسپر انفنٹین مصر پہنچا، یہ شخص ایک خاص سوسائٹی کا سردار تھا، جس کا مدعا یہ تھا کہ دنیا کی کایا پلٹ کر دینے والی تجاویز بروئے کار لائی جائیں تیرہ سال بعد اس شخص نے نہر سویز کی تجویز پر عمل کرنے کے لئے ایک انجمن بنائی، جس کے دو انجینئروں یعنی لاپلاس اور فوریئر نے غور و خوض کر کے موسیو لیپرے کے دعوے کا بطلان کیا، اور کہا، کہ سطح میں کوئی تفاوت نہیں، اس لئے نہر با آسانی کھودی جا سکتی ہے،

موسیو دی لیسپ انجینئر

اس سوسائٹی نے ۱۸۵۴ء تک کوئی عملی کام نہ کیا، اس موقع پر باکمال فرانسیسی انجینئر فرڈی ننڈ دی لیسپ نے اس مسئلہ میں خاص دلچسپی ظاہر کی۔ یہ شخص بھی اسی سوسائٹی کا ممبر تھا، جب عباس پاشا کا انتقال ہو گیا، اور اس کی جگہ سعید پاشا والی مقرر ہوا، تو دی لیسپ نے اس سے ایک فرمان حاصل کیا جس میں اسے اجازت دے دی گئی تھی، کہ وہ نہر سویز کی تیاری کے لئے ایک کمپنی قائم کرے، تھوڑی مدت کے بعد دی لیسپ نے دو اور فرانسیسی انجینئروں کو جن کے نام لینان بے اور موژل بے تھے، اپنے ساتھ شامل کیا، اور فیصلہ کر لیا، کہ نہر قصبہ سویز سے برکۃ المرہ میں سے گزرتی ہوئی جھیل منزلہ کے مشرقی کنارے کے ساتھ ساتھ خلیج پیلوسیم (بحیرہ روم) تک پہنچ جائے۔

حکومت مصر کا اجازت نامہ

اس کے دوسرے سال والی مصر نے مسئلہ نہر سویز پر غور کرنے کے لئے ایک بین الاقوامی کمیشن مقرر کیا جس نے دی لیسپ کی تجویز کو بعض معمولی ترمیمات کے بعد منظور کر لیا، اور بعد میں نہر اسی تجویز کے مطابق طیار کی گئی ۱۵ جنوری ۱۸۵۶ء کو حکومت مصر نے ایک اور اجازت نامہ صادر کیا جس کی رو سے دی لیسپ کی کمپنی کو حکم دیا، کہ نہر سویز کے علاوہ اس کو قاہرہ کے نزدیک دریائے نیل سے لے کر جھیل تمساح تک ایک اور نہر بھی بنانی پڑے گی، جس کی دو شاخیں نہر سویز کے متوازی جائیں گی، ایک سویز تک جائے گی، اور دوسری خلیج پیلوسیم تک اجارہ کی میعاد نہر سویز کے افتتاح سے ۹۹ سال تک رہیگی۔ اگر اس کے بعد کوئی اور انتظام نہ ہوا تو نہر پر حکومت مصر کا قبضہ ہو جائیگا۔

انگریزوں کا دخل در معقولات

چونکہ مصر اس وقت تک حضرت سلطان المعظم خلیفۃ المسلمین کی حکومت کے ماتحت تھا، اس لئے حضرت کی منظوری کے بغیر دی لیسپ کو اجازت نہ مل سکتی تھی، اس منظوری کے حاصل کرنے کے لئے وہ قسطنطنیہ گیا چونکہ یہ تمام معاملات فرانسیسیوں کے ہاتھوں انجام پا رہے تھے، اس لئے انگریزوں کو بہت رشک ہوا، چنانچہ انہوں نے دی لیسپ کو قسطنطنیہ میں اپنی سیاسی چالوں سے ایسا پریشان کیا۔ ایسی چالیں کھیلیں اور خلیفۃ المسلمین کی حکومت پر ایسے ڈورے ڈالے۔ کہ دی لیسپ کو منظوری نہ مل سکی۔ اس کے بعد لندن میں لارڈ پامرسٹن نے اس سے صاف صاف بھی کہہ دیا کہ حکومت برطانیہ کی رائے میں نہر سویز کی تکمیل بے انتہا دشوار بلکہ ناممکن ہے۔ اور اگر یہ نہر بن بھی گئی۔ تو اس سے برطانیہ کے بحری اقتدار کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ اور فرانس یہ تمام تجاویز محض اس لئے کر رہا ہے۔ کہ معاملات مشرق میں مداخلت کا استحقاق حاصل کرلے۔

بیس کروڑ فرانک سرمایہ کی کمپنی

دی لیسپ نے انگریزوں کی دھمکیوں کی کچھ پروا نہ کی۔ اور باب عالی سے منظوری حاصل کرنے کی برابر کوششیں جاری رکھیں۔ اگرچہ حقیقت میں منظوری تو ۱۸۶۶ء میں حاصل ہوئی۔ لیکن دی لیسپ نے ۱۸۵۸ء ہی میں اپنی کمپنی کے حصے فروخت کرنے شروع کر دیئے۔ اس کمپنی کا سرمایہ بیس کروڑ فرانک متعین ہوا۔ جو پانچ پانچ سو فرانک کے چار لاکھ حصوں پر منقسم کیا گیا۔ ابھی ایک مہینہ بھی نہ گزرا تھا۔ کہ ۳۱۴۴۹۴ حصص کی درخواستیں موصول ہو گئیں جن میں دو لاکھ سے زیادہ حصص فرانس نے اور چھیانوے ہزار قلمرو عثمانیہ نے خریدے۔ دوسرے ممالک نے بہت کم حصے لیے۔ اور انگلستان، آسٹریا روس اور ریاستہائے متحدہ امریکہ نے قطعاً اجتناب کیا۔ تقریباً پچاس ہزار پانسو ۶ حصے خدیو مصر نے لیے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ ۱۸۷۵ء میں لارڈ بیکنزفیلڈ کی ہدایت کے مطابق انگلستان نے خدیو سے ۱۷۶۶۰۲ حصے خرید لیے تھے۔ جن کی قیمت ۳۹۷۶۵۸۲ پاونڈ ادا کی تھی۔)

مزدوروں کی بہم رسانی میں پیچیدگیاں

۱۸۵۶ء میں حکومت مصر نے کمپنی کو جو اجازت نامہ دیا تھا اس میں ایک شرط یہ بھی تھی۔ کہ کمپنی کے مزدوروں کی تعداد میں ۴/۵ حصہ مصریوں کا ہوگا لیکن اسی سال کے اواخر میں سعید پاشا نے کمپنی کے انجینیروں کی ضرورت کے مطابق مزدوروں کے مہیا کرنے کا کام اپنے ذمے لے لیا۔ کمپنی کا یہ فرض قرار پایا کہ ان مزدوروں کے طعام و قیام کا انتظام کرے۔ اور ان کو مقررہ شرح پر اجرت دے۔ اگرچہ تنخواہ اور شرائط مزدوری عام حالات کے اعتبار سے بُری نہ تھیں لیکن مزدوروں کی بہم رسانی کے اجارے کا نظام پسندیدہ نہ تھا۔ انگلستان نے بھی اسے ناپسند کیا۔ اور خدیو اسمٰعیل نے جو ۱۸۶۳ء میں سعید کے انتقال کے بعد اس کا جانشین ہوا تھا۔ اس نظام کو اپنے ملک کی بہبود کے خلاف قرار دیا۔ چنانچہ ماہ جولائی میں مصر کا وزیر خارجہ نوبار پاشا قسطنطنیہ گیا۔ اور اس نے باب عالی میں یہ تجویز پیش کی۔ کہ جو مزدور کمپنی کو مہیا کیے جاتے ہیں۔ ان کی تعداد میں تخفیف کی جائے۔ اور کمپنی کو سعید نے جو زمینیں دے رکھی ہیں۔ وہ حکومت مصر کو واپس دلائی جائیں۔ سلطان المعظم نے ان تجاویز کو منظور کر لیا۔ اور کمپنی کو اطلاع دے دی گئی۔ کہ اگر وہ ان تجاویز کی تعمیل نہ کرے گی۔ تو اس کا کام جبراً بند کر دیا جائیگا۔

کمپنی کو کروڑوں فرانک تاوان دلایا گیا

اس پر کمپنی بہت جز بز ہوئی جب بہت سے مسائل مابہ النزاع پیدا ہو گئے۔ تو آخر میں یہ قرار پایا کہ شہنشاہ نپولین ثالث کو سرپنچ مقرر کیا جائے۔ آخر جولائی ۱۸۶۴ء میں شہنشاہ کے فیصلے کے مطابق کمپنی کو کوئی آٹھ کروڑ چالیس لاکھ فرانک کے قریب رقم دلوائی گئی۔ جو اجارہ مزدوراں کی منسوخی اور سعید کی عطا کردہ زمینوں کی ضبطی وغیرہ کا تاوان قرار پائی۔ اس رقم کو پندرہ سال میں بالاقساط ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس موقع پر کمپنی کو یہ اجازت دی گئی۔ کہ نہر کے کنارے اسے ورکشاپوں اور دوسری عمارتوں کے لیے جتنی زمین مطلوب ہو۔ استعمال کرے۔ اس کے علاوہ دریائے نیل والی نہر کے متعلق بعض خاص پابندیاں کمپنی پر عاید کی گئیں۔

مزدوروں کی اس جبری فراہمی کا موقوف ہونا اس کام کے لیے رحمت ہو گیا۔ کیونکہ اس کے بعد جدید ترین آلات جر ثقیل اور نئے طریقے کار استعمال ہونے لگے۔ یہ عظیم الشان کام چار اجاروں میں تقسیم کر دیا گیا جن میں سے بعض کے سپرد صرف کھدائی کا کام تھا۔ بعض بندرگاہ سعید کے لیے کنکریٹ کی اینٹیں تیار کرتے تھے۔ کھدائی کا کام باقاعدہ جاری ہو گیا۔ تمام طور پر صرف ریت اور کیچڑ نکالنے ہی سے نہر کا رستہ صاف ہو جاتا تھا۔ لیکن کہیں کہیں چٹانوں سے بھی سابقہ پڑتا تھا جن کے توڑنے کے لیے بڑے بڑے جتن کرنے پڑتے تھے۔

مزید رقم کی بہم رسانی

۱۸۶۵ء میں دی لیسپ نے دنیا کے مختلف ممالک کے ایک سو نمائندوں کو جو ایوان ہائے تجارت کی طرف سے متعین ہو کر آئے تھے اپنے ساتھ لیکر ان سے سارے کام کا معائنہ کرایا تاکہ وہ اس کی اہمیت اور دشواری کو سمجھ سکیں۔ اس کے بعد کمپنی کو وقتاً فوقتاً روپے کی ضرورت پڑتی رہی... جس کے حصول کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے جاتے رہے۔ ایک دفعہ کمپنی نے اپنی وہ زمین جو سعید پاشا نے اس کو دی تھی۔ فروخت کر کے ایک کروڑ فرانک کی رقم فراہم کی۔ اس کے بعد دس کروڑ فرانک قرضۂ عامہ حاصل کیا۔ دو سال بعد کمپنی نے بعض ایسے حقوق و مراعات ترک کر دیئے۔ جو حکومت مصر نے اس کو دے رکھے تھے۔ اس کے علاوہ خاکنائے میں اس نے جو بہت سے ہسپتال۔ کارخانے اور عمارتیں تعمیر کر رکھی تھیں۔ وہ بھی حکومت کے حوالے کر دیں۔ اس کے عوض میں کمپنی کو تین کروڑ فرانک کی مزید رقم ملی۔ حکومت نے اس قرضے کو یوں ادا کیا۔ کہ اس نے کمپنی میں جو ۱۷۶۶۰۲ حصے حاصل کر رکھے تھے۔ ان کا سود پچیس سال تک نہ لینے کا عہد کر لیا۔

پینتالیس کروڑ سے زیادہ فرانک خرچ ہوئے

۱۸۶۹ء میں نہر مکمل تیار ہو گئی کمپنی کے حسابات مظہر ہیں۔ کہ اس عظیم الشان کام پر ۴۳۲۸۰۷۸۸۲ فرانک کی رقم صرف ہوئی۔ حالانکہ ۱۸۵۶ء میں بین الاقوامی ٹکنیکل کمیشن نے ایک اس سے بڑی نہر کے لیے صرف بیس کروڑ فرانک کا تخمینہ کیا تھا۔

نہر کا افتتاح

آخر میں وہ دن آگیا جب خلیفہ ہارون رشید کے خواب کی تعبیر فرانسیسی ہاتھوں سے نکلنے والی تھی۔ ۱۶۔ نومبر ۱۸۶۹ء کو بندر سعید میں ایک عظیم الشان افتتاحی جلسہ ہوا۔ اور دوسرے دن مختلف قوموں کے ۶۸ جہاز ایک فرانسیسی جہاز کی سرکردگی میں جس پر ملکہ یوجینی بھی سوار تھیں۔ نہر میں داخل ہوئے ذرا اس منظر کا تصور کرو کہ شہر کے قریب جہاز آگے پیچھے مختلف قوموں کے جھنڈے اڑاتے ہوئے نہایت عظمت و وقار کے ساتھ آہستہ آہستہ اس آبنائے میں جو چند سال پیشتر خاکنائے تھی۔ گذر رہے ہیں اور ایشیا اور افریقہ کے درمیان جو ایک تسمہ سا لگا ہوا تھا۔ وہ کٹ کر ان دونوں براعظموں کو الگ الگ کر رہا ہے۔ ۱۹۔ نومبر کو یہ جہاز برکتہ المرہ میں سے گذرتے رہے۔ اور ۲۰ کو سویز پہونچ گئے

مزید ترقیات

اس کے بعد نہر سویز میں جہازوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی ۱۸۷۰ء میں اس نہر کو تقریباً پانسو جہازوں نے استعمال کیا لیکن پہلے دو سال میں آمدنی خرچ سے بہت کم رہی۔ کمپنی نے مزید قرضہ لینے کا ارادہ کیا لیکن نہ مل سکا۔ ابھی دنوں جہازوں کی آمد و رفت میں بہت ترقی ہونے لگی۔ ورنہ کمپنی دیوالیہ ہو کر رہ جاتی۔

بندر سعید سے سویز تک جہاز کا رستہ ایک سو میٹر ہے۔ اس کی گہرائی اور چوڑائی پہلے کم تھی لیکن ضرورت نے ثابت کر دیا کہ اس میں اضافہ ہونا چاہیے۔ چنانچہ اضافہ کیا گیا۔ بہت جلد تمام دقتیں دور ہو گئیں۔ اور جہاز ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو بھی گذرنے لگے۔ ۱۸۸۶ء میں اجازت دی گئی۔ کہ نہر میں رات کو بھی جہاز رانی ہو سکتی

ہے لیکن اس کے لیے جہازوں کو برقی سرچ لائیٹ کا انتظام کرنا ضروری ہو گا۔ بہت سے جہازوں نے اس اجازت سے فائدہ اٹھایا۔ ۱۸۶۶ء میں نہر میں سے گزرنے میں ۴۸ گھنٹے کی مدت صرف ہوتی تھی لیکن ان ضروری سہولتوں کے بعد یہ مدت نصف تک پہونچ گئی۔

۱۸۵۶ء کی اجازت سلطانی کے مطابق کمپنی کو جہازوں سے ۱۰ فرانک فی ٹن کے حساب سے محصول وصول کرنیکا حق تھا کچھ مدت تک کمپنی اس شرح سے وصول کرتی رہی۔ اور مسافروں کے جہازوں کی شرح اب بھی یہی ہے لیکن مال کے جہاز کوئی سات فرانک فی ٹن کے حساب سے محصول دیتے ہیں۔

یہاں تک نہر سویز کی ضرورت اس کی تجویز اس کی تعمیر اور اس کے متعلق عام معلومات مہیا کی گئی ہیں۔ اب ہم اس کی سیاسی حیثیت کی تاریخ اور اس کی اہمیت بیان کریں گے کہ نفس حقیقت موضوع بیان یہی ہے۔

۲۔ نہر سویز کی سیاسی اہمیت

۱۸۵۴ء اور ۱۸۵۶ء میں سویز کنال کمپنی کو حضرت سلطان المعظم کی طرف سے جو اجازت نامے عطا ہوئے تھے۔ ان میں قرار دیا گیا تھا کہ نہر کے محصولات ہر قوم سے یکساں وصول کئے جائیں گے۔ کسی کو دوسروں پر ترجیح نہ دی جائے گی۔ اور نہر اور اس کی بندرگاہیں بلا امتیاز قومیت ہر تجارتی جہاز کے لئے کھلی رہیں گی۔ لیکن ۱۸۸۱-۸۲ء میں انگریزوں کی مہربانی سے ایسے حالات پیدا ہو گئے۔ کہ باقاعدہ بین الاقوامی معاہدے سے اس نہر کی غیر جنبہ داری کا مسئلہ حل کرنا پڑا۔ مصر کے اندرونی حالات نازک ہو گئے۔ عرابی پاشا کی تحریک نے مصر کو ہنگامہ زار بنا دیا۔ تل الکبیر کی لڑائی سے چند ہفتے بیشتر سر گارنٹ۔ وولزلی سپہ سالار افواج برطانوی نے چار دن کے لئے نہر سویز یا جہاز رانی بالکل روک دی۔ اس سے غالباً انگریزوں کا مدعا یہ تھا۔ کہ دوسری قوموں پر سویز کے متعلق انگریزوں کی طاقت و اہمیت واضح ہو جائے۔ اور سب لوگ برطانیہ کو بین الاقوامی طور پر ترجیحی حقوق کا مستحق سمجھیں

نہر سویز کا بین الاقوامی میثاق

آخر قسطنطنیہ میں ۲۹ اکتوبر ۱۸۸۸ء کو ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں برطانیہ۔ جرمنی۔ آسٹریا۔ ہسپانیہ فرانس۔ اطالیہ۔ نیدر لینڈز۔ روس اور ٹرکی نے میثاق نہر سویز (سویز کنال کنونشن) پر دستخط کئے۔ جس میں یہ قرار دیا گیا۔ کہ

نہر دیز جنگ اور امن دونوں حالتوں میں بلا امتیاز
علم و نشان ہر تجارتی اور جنگی جہاز کے لئے کھلی
رہے گی۔

برطانیہ کا ترجیحی استحقاق

لیکن حکومت برطانیہ کے نمائندے نے مصر کی مخصوص حالت اور برطانیہ کی خاص مجبوریاں پیش کر کے اپنے لئے یہ استثنائی شرط منظور کرا لیا۔ کہ اس معاہدہ کی تعمیل میں مصر و برطانیہ کے موجودہ تعلقات کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ تاکہ مصر میں برطانوی افسروں کی آزادی عمل میں کوئی خلل نہ پڑے۔ اسی پیچیدگی کا نتیجہ تھا۔ کہ ۱۸۹۸ء میں جب ہسپانیہ اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کے درمیان جنگ ہوئی۔ تو ہسپانوی جنگی جہازوں کو سویز میں سے گذرنے کا حق نہ دیا گیا

برطانیہ و فرانس کا معاہدہ

لیکن ۸۔ اپریل ۱۹۰۴ء کو برطانیہ و فرانس کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جس میں دولت برطانیہ نے عہد کیا کہ وہ میثاق نہر سویز کی دفعات کی پوری پابندی کرے گی۔ البتہ مصر میں تمام دول کے نمائندے ہر سال جمع ہو کر معاہدہ کی تعمیل کا جائزہ لیا کریں گے اسی معاہدہ کا یہ نتیجہ تھا۔ کہ جب ۱۹۰۵ء میں روسی جنگی جہازوں نے مشرق کا رخ کیا تھا۔ تو نہر سویز ان کے لئے کھول دی گئی تھی

موجودہ حالت

موجودہ حالت یہ ہے۔ کہ جنگ عظیم کے بعد سے نہر سویز پر برطانیہ کا اقتدار کامل و مکمل طور پر ہو چکا ہے۔ گو پرانے معاہدات قائم ہیں۔ نہر کے انتظام و انصرام میں دول کے نمائندے شریک ہیں۔ نہر کا انتظامی عملہ زیادہ تر فرانسیسی ہے۔ لیکن چونکہ اقتصادی اعتبار سے بھی سویز کنال کمپنی کے زیادہ تر حصے برطانیہ کی ملکیت ہیں۔ اور سیاسی اعتبار سے بھی نہر کے آس پاس برطانیہ ہی کا اقتدار قائم ہے اس لئے دوسری سلطنتوں کا وجود "محض برائے وزن بیت" ہی سمجھنا چاہیے

جنگ عظیم میں سویز پر ترک کی حملہ

ترکوں نے دوران جنگ عظیم میں جنرل لیمان فان سانڈرس کی ہدایت سے سابق غازی جمال پاشا کی سرکردگی میں نہر سویز پر ایک مہم بھیجی تھی۔ لیکن مہم بالکل غیر دانشمندانہ ثابت ہوئی۔ کیونکہ نہر کے مشرقی کنارے کی طرف سو دو سو میل تک ریت آب و گیاہ صحرا کا پڑا ہے جس میں پانی کا اسقدر فقدان ہے۔ کہ جمال پاشا کی فوجوں کے لیئے پانی ڈیڑھ سو میل دور سے لانا پڑتا تھا۔ اور یہ سارا کام صرف انسانوں اور حیوانوں کی مدد سے انجام دیا جاتا تھا یعنی رسل و رسائل کے ذریعہ

بامان مہیا نہ تھے۔ نتیجہ یہی ہوا۔ کہ جب ترکوں نے نہر پر پہنچکر اپنی حملہ آور کشتیاں اُتاریں۔ تو انگریزی جہازوں اور بری توپوں نے اس قدر شدید گولہ باری کی۔ کہ ان کی ایک نہ چل سکی۔ اس موقع پر بھی ترکوں نے بہادری اور شجاعت کے اس قدر شاندار ثبوت دیئے۔ کہ ان کے دشمن بھی عش عش کر گئے۔ لیکن افسوس ہے۔ کہ کامرانی نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور جمال پاشا نے فتح مصر کا جو خواب دیکھا تھا۔ وہ کثرت تعبیر کی نذر ہوگیا۔

سوئز نے برطانیہ کے ہاتھ مضبوط کر دیئے

ہمارا خیال ہے۔ کہ اگر نہر سوئز تیار نہ ہوتی۔ اور اس کی وجہ سے برطانیہ اور فرانس کے درمیان رقابت و مسابقت کی کشمکش نہ شروع ہو جاتی تو ممکن تھا۔ کہ دولت برطانیہ مصر پر اپنے تسلط حکمرانی کا اعلان نہ کرتی۔ اور کسی وقت مجاہدین احرار اپنے ملک کو آزاد کرانے میں کامیاب ہو جاتے۔ لیکن جس وقت انگریزوں نے دیکھا۔ کہ نہر سوئز تیار ہوگئی ہے۔ جس میں سے گذرنے کا حق ہر قوم کو حاصل ہو رہا ہے تو انہوں نے اپنی پوزیشن کو مضبوط اور ہمیشہ کے لئے متیقن کرنے کے لئے ایک طرف اس کی کمپنی کے زیادہ تر حصے خرید لئے۔ اور دوسری طرف چند ہی سال بعد مصر پر اپنی شہنشاہی کا اعلان کر دیا۔ تاکہ اس بہانے سے سوئز میں ترجیحی سلوک حاصل کر سکیں۔ اور اس ترجیحی سلوک کی وجہ سے ہندوستان اور دیگر ایشیائی ممالک پر نہایت بے خدشہ اپنا علم اقتدار اڑاتے رہیں۔

انگریزی اقتدار ہر طرح سے محفوظ ہے

یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ نہر سوئز اقتدار مشرق کی کلید ہے۔ جب تک برطانیہ مصر پر حکمران ہے اس کو سوئز کے راستہ سے کوئی محروم نہیں کر سکتا۔ اور جب تک سوئز کا اقتدار زیادہ تر انگریزوں کے ہاتھ میں ہے۔ ان سے ہندوستان اور دیگر ایشیائی ملکوں کی حکمرانی کوئی نہیں چھین سکتا۔ جنگ عظیم نے ثابت کر دیا ہے۔ کہ نہر سوئز کے مشرقی کنارے سے کوئی ایسا حملہ نہیں کیا جا سکتا جو نہر سوئز میں انگریزی اقتدار کو کوئی موثر نقصان پہنچا سکے۔ مغربی کنارے پر مصر ہے۔ جس پر انگریزی فوجیں قابض ہیں جنوب میں بحر احمر ہے۔ جو سر تا پا انگریزی حکومت کے قبضہ اقتدار میں ہے۔ نہ کوئی بیرونی طاقت عدن کے پاس سے گذر کر بحر احمر میں داخل ہو سکتی ہے نہ سواحل حجاز پر کوئی ایسی تحریک حالت موجودہ میں ممکن ہے۔ جو اس سمندر میں انگریزی اقتدار کو کمزور کر سکے۔ کیونکہ پورٹ سعید اور پورٹ سوڈان میں عظیم الشان جنگی جہاز ہر وقت موجود رہتے ہیں۔

صرف دو خطرے

نہر سوئز پر انگریزی اقتدار کو صرف دو خطرے لاحق ہو سکتے ہیں۔ اول یہ کہ اللہ تعالے کبھی مصریوں کو اتنی طاقت عطا فرمائے کہ وہ اغیار سے اپنی آزادی حاصل کر لیں۔ اور نہر سوئز کو جس کا قبضہ ان کا سیاسی، تاریخی حق ہے۔ از سر نو اپنے زیر نگین لے آئیں۔ دوسرا خطرہ یہ ہے۔ کہ بحیرہ روم کی کسی طاقت مثلاً اطالیہ یا ترکی یا یونان کو کسی آئندہ جنگ میں برطانیہ کے خلاف صف آرا ہونے کی ضرورت پیش آئے۔ اور اُس طاقت کا جنگی بیڑا سوئز پر حملہ آور ہو جائے۔ ان دو صورتوں کے سوا اور کوئی ممکن صورت حالات موجودہ میں پیش نظر نہیں ہے۔

ماہِ عید

(از جناب خان مظفر حسین خانصاحب نظیر لودھیانوی)

اللہ اللہ رے دل آویزیِ شامِ امید ۔۔۔ حبذا ساعتِ فرخندہ اخوشا وقتِ سعید
دیکھ کر صفحۂ گلزار کو کہتا ہی یہ دل ۔۔۔ رکھ دیا کھول کے جبریل نے قرآن مجید
ہر کفِ خاک ہے آئینۂ اسرارِ جہاں ۔۔۔ ساغرِ گل میں ہے کیفیتِ جامِ جمشید
وہ تماشہ کہ ابھی غیب کی آغوش میں ہے ۔۔۔ دیدۂ دل کو نظر آتا ہے مثلِ خورشید
کس طرح گلشنِ آفاق کا یہ رنگ نہ ہو ۔۔۔ ہوگیا پہلوئے ایام سے پیدا مہِ عید
اے مہِ عید مبارک ہو تجھے تیری نمو ۔۔۔ تو سراپا ہے طرب گاہِ تمنا کی کلید
لے کے ہم خاک نشینوں کے لئے آتا ہے ۔۔۔ بامِ افلاک سے تو عید کی ہر سال نوید
ایک خدمت سے ملی تجھ کو بلندی اتنی ۔۔۔ زیرِ دیوارِ ثریا۔ تیرا دامن نا امید
تجھ سے پوشیدہ نہیں اہلِ زمیں کی حالت ۔۔۔ تجھ کو گردوں پہ کوئی کام نہیں ہی جز دید
تجھ کو معلوم ہی مومن کی یہ پہچان ہی اب ۔۔۔ سر پہ شمشیرِ جفا رحمتِ حق سے نومید

تیری آمد ہو ہمیں رحمتِ خالق کی دلیل
تیرا نظارۂ دلکش ہو خوشی کی تمہید

اصل اور نقل کا فرق

واقعات کا مطالعہ ہی بتا سکتا ہے

آج سب طرف "سدھ مکر دھوج" کے اشتہاروں کی بھر مار ہو رہی ہے ہر شخص اپنی شہرت کو اسی نام سے وابستہ کرنا چاہتا ہے۔ لیکن شفاخانہ آیورویدک فارمیسیوٹیکل کمپنی لمٹیڈ لاہور کو فخر ہے کہ

سدھ مکر دھوج

کا نام اسی شفاخانہ نے سب سے پہلے (۱۹۰۱ء میں) پبلک کے پیش کیا تھا

شفاخانے کا اشتہاری ریکارڈ اس امر کا واقعاتی ثبوت ہے

اسی پر بس نہیں۔۔ بلکہ

ہیرے، سونے اور مکر دھوج کا مجموعہ ہونیکی وجہ سے

بیش قیمت ہونے پر بھی اس نے جو کامیابی حاصل کی ہے

بلاشبہ لاثانی ہے

حالانکہ

بازاری سدھ مکر دھوج

محض اس کی کامیابی کی دیکھا دیکھی وجود میں آئے ہیں دنیا ان کے اجزا کی نسبت کچھ نہیں جانتی

بس ان میں سے

خالی مکر دھوج اور بعض رس سابندور کے سوا اور کچھ بھی نہیں

اسی سبب سے نسبتاً بہت سستے ہیں

آیورویدک فارمیسیوٹیکل کمپنی لمٹیڈ لاہور کا شہرہ آفاق

سدھ مکر دھوج

ڈھلتی جوانی اور بڑھاپے میں صرف سردیوں یا سرد مقامات میں استعمال ہو سکتا ہے۔ اور اسے وہی لوگ کھا سکتے ہیں جو غذا اچھی بہم پہنچا سکتے ہیں۔ ہر روز صرف صبح کے وقت ایک خوراک تھوڑے شہد یا مکھن میں ملا کر کھا لینا کافی ہے۔

اعضائے رئیسہ کی کھوئی ہوئی قوتوں کو بحال کرنے۔ بیکار پٹھوں میں بجلی بھرنے۔ مردہ نسوں میں جان ڈالنے کمزوروں کو طاقت دینے نامردوں کو مرد بنانے اور بوڑھوں کی جوانی لوٹا لانیکے لئے واقعی بے مثال چیز ہے

زیادہ تعریف دوا خود بتائیگی۔ تجربہ کر کے دیکھ لیں۔ مرد و عورت یکساں استعمال کر سکتے ہیں

قیمت ایک ماشہ (۳۲ خوراک) سات روپے۔ ڈیڑھ ماشہ (۴۸ خوراک) دس روپے

(دس یا دس روپے سے زیادہ کا مال ایک دم خریدنے پر ہر شخص کو ایک آنہ فی روپیہ رعایت دی جاتی ہے)

ہیرے اور سونے والے سدھ مکر دھوج کی

خوبیوں کا اعتراف

(معززین کے صرف چند خطوط کا خلاصہ)

جناب ڈاکٹر بھیم چند صاحب ایم۔ بی۔ انچ اتمان زئی فرماتے ہیں کہ آپ کا سدھ مکر دھوج بہت سے مریضوں کو استعمال کروا چکا ہوں۔ واقعی ہر قسم کی طاقت پیدا کرنے والی۔ نامردوں کو مرد بنانے والی۔ بوڑھوں کو جوان بنانے والی اور بے اولادوں کے گھر اولاد پیدا کرنیوالی چیز ہے۔

جناب ڈاکٹر مولا مل صاحب انچارج ڈسپنسری کھنہ فرماتے ہیں۔ کہ آپ کا سدھ مکر دھوج ہسٹیریا۔ عامہ کمزوری۔ ورٹیگو اور نامردی کے مریضوں کے لئے بہت ہی مفید ثابت ہوا ہے۔

جناب ڈاکٹر ایشر داس صاحب راولپنڈی فرماتے ہیں۔ کہ آپ کا سدھ مکر دھوج قوت باہ کے لئے مفید چیز ہے۔

جناب پروفیسر محمد عبداللہ صاحب اسلامیہ کالج پشاور فرماتے ہیں۔ کہ آپ کے سدھ مکر دھوج سے مجھ کو بیّن فائدہ ہو رہا ہے۔ اور کافی جسمانی و دماغی فائدہ محسوس کر رہا ہوں۔

جناب وزیر حضرت علی صاحب فتح الملک وزیر ریاست یوسف زئی فرماتے ہیں۔ کہ سابقہ سدھ مکر دھوج باستعمال مفید معلوم شد۔ مزید روانہ کردہ مشکور فرمائید۔

جناب رائے بہادر پنڈت نند لعل صاحب اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ بندھیلکھنڈ نوگاؤں فرماتے ہیں۔ کہ آپ کا سدھ مکر دھوج کمزوروں کے لئے نہایت مفید چیز ہے۔

جناب کے۔ آر۔ پشاک صاحب ڈسٹرکٹ انجینئر منٹگمری فرماتے ہیں۔ کہ میں نے سینکڑوں ٹانک دوائیں بلا ضرورت کھائی ہیں۔ آپ کے سدھ مکر دھوج کو ان سب سے بہتر پایا ہے۔

جناب سردار ہرنام سنگھ صاحب آنریری مجسٹریٹ کھنہ فرماتے ہیں۔ کہ آپ کا سدھ مکر دھوج استعمال کر رہا ہوں۔ مفید ثابت ہو رہا ہے۔

۲۵ برس سے شہرہ آفاق۔ ہیرے اور سونے والا اصلی سدھ مکر دھوج لینے کے لئے یہ پتہ یاد رکھئے

شفاخانہ آیورویدک فارمیسیوٹیکل کمپنی لمٹیڈ گمٹی بازار۔ لاہور

شاہنامۂ اسلام کا ایک ورق

ہادیٔ اسلام کی ہجرتِ مدینہ

مدینے میں عیدِ اوّلین

(از جناب مولانا ابوالاثر حفیظ جالندھری)

طلوعِ بدر کے ساماں ہوئے بزمِ کواکب میں
کئی دن سے یہ روشن ہو چکا تھا ارضِ یثرب میں

ہوا کرتی تھیں فرشِ راہ اُٹھ کر بار بار آنکھیں
ہمہ تن انتظار آنکھیں، ہمہ تن انتظار آنکھیں

بھٹکتا تھا تصوّر منزلوں میں اور راہوں میں
سحر سے شام تک اک شکل رہتی تھی نگاہوں میں

کئی دن تک نہ جب صورت دکھائی شاہِ والا نے
بہت مضطر ہوئے شمعِ نبوّت کے یہ پروانے

ہوئیں کوتاہ آخر انتظارِ دید کی گھڑیاں
نگاہوں کے لئے آئیں نمازِ عید کی گھڑیاں

نظر آئی جونہی پہلی جھلک روئے پیمبرؐ کی
سلامی گونج اُٹھی نعرۂ اللہ اکبر کی

اکٹھے ہو گئے ہر سمت سے طالب زیارت کے
شعاعوں کی طرح سے گردِ خورشیدِ رسالت کے

پیمبرؐ نے قبا میں چند دن آرام فرمایا
مروّت نے بلطفِ خاص فیضِ عام فرمایا

اساسِ دینِ محکم تھی نبی کی خاطرِ عالی،
قبا میں سب سے پہلے ایک مسجد کی بنا ڈالی

یہ مسجد اوّلیں بنیاد تھی طاعت گذاری کی
صفا کی صدق کی تقوے کی اور پرہیز گاری کی

اُٹھی اک روز آوازِ بلند اللہ اکبر کی
سواری جانبِ یثرب بڑھی محبوبِ داور کی

ہوا چاروں طرف افضائے یثرب میں پکار آئی،
بہار آئی، بہار آئی، بہار آئی، بہار آئی،

جوان و پیر مرد و زن سراپا چشم ہو بیٹھے
بہار آنے کو تھی گلشن سراپا چشم ہو بیٹھے

جنوبی سمت اُٹھا ایک نورانی غبار آخر
سوادِ شہر میں داخل ہوا ناقہ سوار آخر

کھڑے تھے راہ میں انصار ہر سُو صف بصف ہو کر
مہاجر پیچھے پیچھے چل رہے تھے سر بکف ہو کر

فضا میں بھر گئیں توحید کی آزاد تکبیریں
یہ تکبیریں تھیں باطل کے گلو پر تیز شمشیریں

در و دیوار استادہ ہوئے تعظیم کی خاطر
زمیں کیا آسماں بھی جھک گئے تسلیم کی خاطر

نبوّت کی سواری جس طرف سے ہو کے جاتی تھی
درود و نعت کے نغمات کی آواز آتی تھی

مسلماں بیبیاں گھر کی چھتوں پر جمع ہو ہو کر
نظر سے چومتی تھیں عصمتِ دامانِ پیغمبر

ضیائے حق سے رشکِ طورِ سینا بن گیا یثرب
نبیؐ کا آستاں بن کر مدینہ بن گیا یثرب

"مبارک منزلے کاں خانہ را ماہے چنیں باشد
ہمایوں کشورے کاں عرصہ را شاہے چنیں باشد"

یہی جی میں آئی کہ گھر سے نکل

از "پطرس"

اکثر لوگوں کو اس بات پر تعجب ہوتا ہے، کہ میں اپنے وطن کا ذکر کبھی نہیں کرتا، بعض اس بات پر بھی حیران ہیں، کہ میں اب کبھی اپنے وطن کو نہیں جاتا، جب کبھی لوگ مجھ سے اس کی وجہ پوچھتے ہیں، تو میں ہمیشہ بات ٹال دیتا ہوں، اس سے لوگوں کو طرح طرح کے شبہات ہونے لگتے ہیں، کوئی کہتا ہے، وہاں اس پر ایک مقدمہ بن گیا تھا، اس کی وجہ سے روپوش ہے، کوئی کہتا ہے، وہاں کہیں ملازم تھا، غبن کا الزام لگا، ہجرت کرتے ہی بنی، کوئی کہتا ہے والد اس کی بد عنوانیوں کی وجہ سے گھر میں نہیں گھسنے دیتے، غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں، آج میں ان سب غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے والا ہوں، خدا آپ پڑھنے والوں کو انصاف کی توفیق دے +

قصہ میرے بھتیجے سے شروع ہوتا ہے، میرا بھتیجا یوں دیکھنے میں عام بھتیجوں سے مختلف نہیں، میری تمام خوبیاں اس میں موجود ہیں، اور اس کے علاوہ نئی پود ہونے کی وجہ سے بعض فالتو اوصاف بھی کہیں کہیں نظر آتے ہیں، لیکن ایک صفت تو اس میں ایسی ہے، کہ آج تک ہمارے خاندان میں اس شدت کے ساتھ کبھی رونما نہ ہوئی تھی، وہ یہ کہ بڑوں کی عزت کرتا ہے، اور میں تو اس کے نزدیک بس علم و فن کا ایک دیوتا ہوں، یہ خبط اس کے دماغ میں کیوں سمایا ہے، اس کی وجہ میں یہی بتا سکتا ہوں، کہ نہایت اعلیٰ سے اعلیٰ خاندانوں میں بھی کبھی کبھی ایسا دیکھنے میں آجاتا ہے، میں نے شائستہ سے شائستہ خاندانوں کے فرزندوں کو بعض وقت بزرگوں کا اس قدر احترام کرتے دیکھا ہے، کہ ان پر تیج ذات کا دھوکا ہونے لگتا ہے +

ایک سال میں کانگرس کے جلسے میں چلا گیا، بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا، کہ کانگرس کا جلسہ میرے پاس چلا آیا، مطلب یہ کہ جس شہر میں میں موجود تھا، وہیں کانگرس والوں نے بھی اپنا سالانہ اجلاس منعقد کرنے کی ٹھان لی، میں پہلے بھی اکثر جگہ یہ اعلان کر چکا ہوں، اور اب بھی ببانگ دہل یہ کہنے کو تیار ہوں، کہ اس میں میرا ذرا قصور نہ تھا، بعض لوگوں کو یہ شک ہے، کہ میں نے محض اپنی تسکین نخوت کے لئے کانگرس کا جلسہ اپنے پاس ہی کرا لیا، لیکن یہ محض حاسدوں کی بد طینتی ہے، میری تمام گزشتہ زندگی اس بات کی شاہد ہے، کہ میں نے کبھی کسی قومی مجلس کو اس قدر تکلیف نہیں دی، بعض دفعہ لوگوں کو میں نے اکثر اپنے شہر میں بلوایا ہے، دو ایک مرتبہ بعض نیشنلسٹوں کو بھی دعوت دی ہے، لیکن کانگرس کے مقابلے میں میرا رویہ ہمیشہ ایک گمنام شہری کا سا رہا ہے، بس اس سے زیادہ میں اس موضوع پر کچھ نہ کہوں گا +

جب کانگرس کا سالانہ جلسہ بغل میں ہو رہا ہو تو کون ایسا متقی ہوگا، جو وہاں جانے سے گریز کرے، زمانہ بھی تعطیلات اور فرصت کا تھا، چنانچہ میں نے شغل بیکاری کے طور پر اس جلسے کی ایک ایک تقریر سنی، دن بھر تو جلسے میں رہتا، رات کو گھر آکر اس دن کے مختصر سے حالات اپنے بھتیجے کو لکھ بھیجتا، تاکہ سند رہے، اور وقت ضرورت کام آئے +

بعد کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے، کہ بھتیجے صاحب میرے ہر خط کو بیحد ادب و احترام کے ساتھ کھولتے، بلکہ بعض بعض باتوں سے تو ظاہر ہوتا ہے، کہ اس افتتاحی تقریب سے پیشتر وہ باقاعدہ وضو بھی کر لیتے، خط کو خود پڑھتے، پھر دوستوں کو سناتے، پھر اخبار کے ایجنٹ کی دوکان پر مقامی لال بجھکڑوں کے حلقے میں اس کو خوب بڑھا چڑھا کر دہراتے، پھر مقامی اخبار کے بے حد قابل ایڈیٹر کے حوالے کر دیتے، جو اسے بڑے اہتمام کے ساتھ چھاپ دیتا، اس اخبار کا نام مرید پور گزٹ ہے، اس کا مکمل فائل کسی کے پاس موجود نہیں، دو مہینے تک جاری رہا، پھر بعض مالی مشکلات کی وجہ سے بند ہو گیا، ایڈیٹر صاحب کا حلیہ حسب ذیل ہے، رنگ گندمی، گفتگو فلسفیانہ، شکل سے چور معلوم ہوتے ہیں، کسی صاحب کو ان کا پتہ معلوم ہو تو مرید پور کی خلافت کمیٹی کو اطلاع پہنچا دیں اور عند اللہ ماجور ہوں، نیز کوئی صاحب ان کو ہرگز ہرگز کوئی چندہ نہ دیں، ورنہ خلافت کمیٹی ذمہ دار نہ ہوگی +

یہ بھی سننے میں آیا ہے، کہ اس اخبار نے میرے ان خطوط کے بل پر اپنا ایک کانگرس نمبر بھی نکال مارا، جو اتنی بڑی تعداد میں چھپا کہ اس کے اوراق اب تک بعض پنواڑیوں کی دکانوں پر نظر آتے ہیں، بہر حال مرید پور کے بچے بچے نے میری قابلیت انشا پردازی، صحیح الدماغی اور جوشش قومی کی داد دی، میری اجازت اور میرے علم کے بغیر مجھ کو مرید پور کا قومی لیڈر قرار دیا گیا، ایک دو شاعروں نے مجھ پر نظمیں بھی لکھیں، جو وقتاً فوقتاً مرید پور گزٹ میں چھپتی رہیں +

میں اپنی اس عزت افزائی سے محض بے خبر تھا، سچ ہے، خدا جس کو چاہتا ہے، عزت بخشتا ہے، مجھے کیا معلوم تھا، کہ میں نے اپنے بھتیجے کو محض چند خط لکھ کر اپنے ہموطنوں کے دل میں اس قدر گھر کر لیا ہے اور کسی کو کیا معلوم تھا، کہ یہ معمولی سا انسان جو روز بازار میں سے چپ چاپ سر نیچا ڈالے گزر جاتا ہے، مرید پور میں پوجا جاتا ہے، میں وہ خطوط لکھنے کے بعد کانگرس اور اس کے تمام متعلقات کو قطعاً فراموش کر چکا تھا، مرید پور گزٹ کا میں خریدار نہ تھا، بھتیجے نے میری بزرگی کے رعب کی وجہ سے کبھی برسبیل تذکرہ اتنا بھی نہ لکھ بھیجا، کہ آپ لیڈر ہو گئے، یا میں جانتا ہوں، کہ وہ مجھ سے یوں کہتا، تو برسوں تک اس کی بات میری سمجھ میں نہ آتی، لیکن بہر حال مجھے کچھ تو معلوم ہوتا، کہ میں ترقی کر کے کہاں سے کہاں پہنچ چکا ہوں +

کچھ عرصے بعد خون کی خرابی کی وجہ سے ملک میں جا بجا جلسے نکل آئے، جس کسی کو ایک میز ایک کرسی اور ایک پھولدان میسر آیا، اسی نے جلسے کا اعلان کر دیا، جلسوں کے اس موسم میں ایک دن مرید پور کی انجمن نوجوانان ہند کی طرف سے میرے نام اس مضمون کا ایک خط موصول ہوا، کہ آپ کے شہر کے لوگ آپ کے دیدار کے منتظر ہیں، ہر کہ و مہ آپ کے روئے انور کو دیکھنے اور آپ کے پاکیزہ خیالات سے مستفید ہونے کے لئے بیتاب ہے، مانا کہ ملک بھر کو آپ کی ذات بابرکات کی از حد ضرورت ہے، لیکن وطن کا حق سب سے زیادہ ہے، کیونکہ خار وطن از سنبل و ریحان خوشتر . . . . . اسی طرح کے تین چار براہین قاطعہ کے بعد مجھ سے یہ درخواست کی گئی تھی، کہ آپ یہاں آکر لوگوں کو ہندو مسلم اتحاد کی تلقین کریں +

خط پڑھ کر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، لیکن جب ٹھنڈے دل سے اس پر غور کیا، تو رفتہ رفتہ باشندگان مرید پور کی مردم شناسی کا قائل ہو گیا +

میں ایک کمزور انسان ہوں، اور پھر لیڈری کا نشہ ایسا ہے کہ ہی میں چڑھ جاتا ہے، اس ایک لمحے کے لئے اندر مجھے اپنا دامن بہت ہی پیارا معلوم ہونے لگا، اہل وطن کی بے احساسی پر بڑا ترس آیا، ایک آواز نے کہا، کہ ان بچاروں کی بہبودی اور رہنمائی کا ذمہ دار تو ہی ہے، تجھے خدا نے تدبر کی قوت بخشی ہے، ہزارہا انسان تیرے منتظر ہیں، اٹھ کہ سینکڑوں لوگ تیرے لئے ماحضر لئے بیٹھے ہونگے . . . . . چنانچہ میں نے مرید پور کی دعوت قبول کر لی، اور لیڈرانہ انداز میں بذریعہ تار اطلاع دی، کہ پندرہ دن کے بعد فلاں ٹرین سے مرید پور پہنچ جاؤں گا، سٹیشن پر کوئی شخص نہ آئے، ہر ایک [illegible] کو چاہئے کہ اپنے اپنے کام میں مصروف رہے، ہندوستان کو اس وقت عمل کی ضرورت ہے +

اس کے بعد جلسے کے دن تک میں نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اپنی ہونے والی تقریر کی تیاری میں صرف کر دیا، طرح طرح کے فقرے دماغ میں صبح و شام گھومتے رہے:

"ہندو اور مسلم بھائی بھائی ہیں"۔

"ہندو و مسلم شیر و شکر ہیں"۔

"ہندوستان کی گاڑی کے دو پہیے، اے میرے دوستو! ہندو اور مسلمان ہی تو ہیں"۔

"جن قوموں نے اتفاق کی رسی کو مضبوط پکڑا، وہ اس وقت تہذیب کے نصف النہار پر ہیں، جنہوں نے نفاق اور پھوٹ کی طرف رجوع کیا، تاریخ نے ان کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کر لی ہیں" وغیرہ وغیرہ +

بچپن کے زمانے میں کسی درسی کتاب میں "سنا ہے، کہ دو بیل رہتے تھے اک جا" والا واقعہ پڑھا تھا، اسے نکال کر نئے سرے سے پھر پڑھا، اور اس کی تمام تفصیلات کو نوٹ کر لیا، پھر یاد آیا، کہ ایک اور کہانی بھی پڑھی تھی، جس میں ایک شخص مرتے وقت اپنے تمام لڑکوں کو بلا کر لکڑیوں کا ایک گٹھا، ان کے سامنے رکھ دیتا ہے، اور ان سے کہتا ہے، کہ اس گٹھے کو توڑو، وہ توڑ نہیں سکتے، پھر اس گٹھے کو کھول کر ایک ایک لکڑی ان سب کے ہاتھ میں دے دیتا ہے، جسے وہ آسانی سے توڑ لیتے ہیں، اس طرح وہ باپ اتفاق کا سبق اپنی اولاد کے ذہن نشین کراتا ہے، اس کہانی کو بھی لکھ لیا، تقریر کے آغاز کو سوچا، تو کچھ اس طرح کی تمہید مناسب معلوم ہوئی، کہ

"پیارے ہموطنو!

گھٹا سر پہ ادبار کی چھا رہی ہے
فلاکت سماں اپنا دکھلا رہی ہے
نحوست پس و پیش منڈلا رہی ہے
یہ چاروں طرف سے صدا آرہی ہے
کہ کل کون تھے، آج کیا ہو گئے تم
ابھی جاگتے تھے، ابھی سو گئے تم

ہندوستان کے جس مایہ ناز شاعر یعنی مولانا الطاف حسین حالی پانی پتی نے آج سے چالیس برس پیشتر یہ اشعار

تلمبند کئے گئے تھے۔ اس کو کیا معلوم تھا، کہ جوں جوں زمانہ گزرتا جائے گا، اس کے یہ المناک الفاظ روز بروز صحیح تر ہوتے جائیں گے۔ آج ہندوستان کی یہ حالت ہے ..... " وغیرہ وغیرہ

اس کے بعد سوچا، کہ ہندوستان کی حالت کا ایک دردناک نقشہ کھینچوں گا، افلاس، غربت، بغض وغیرہ کی طرف اشارہ کروں گا اور پھر پوچھوں گا، کہ اس کی وجہ آخر کیا ہے؟ اُن تمام وجوہ کو دہراؤں گا، جو لوگ اکثر بیان کرتے ہیں، مثلاً غیر ملکی حکومت، آب وہوا مغربی تہذیب، لیکن ان سب کو باری باری غلط قرار دوں گا، اور پھر اصلی وجہ بتاؤں گا، کہ اصلی وجہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا نفاق ہے آخر میں اتحاد کی نصیحت کروں گا، اور تقریر کو اس شعر پر ختم کرونگا کہ

آ عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں
تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل

دس بارہ دن اچھی طرح غور کر لینے کے بعد میں نے اس تقریر کا ایک خاکہ سا بنا لیا، اور اس کو ایک کاغذ پر نوٹ کر لیا، تاکہ جلسے میں اسے اپنے سامنے رکھ سکوں، وہ خاکہ کچھ اس طرح کا تھا:۔

۱۔ تمہید، اشعار حالی (بلند اور دردناک آواز سے پڑھو)

۲۔ ہندوستان کی موجودہ حالت

الف ۔ افلاس

ب ۔ بغض

ج ۔ قومی رہنماؤں کی خودغرضی

۳۔ اس کی وجہ

کیا غیر ملکی حکومت ہے؟ نہیں

کیا آب وہوا ہے؟ نہیں

کیا مغربی تہذیب ہے؟ نہیں

تو پھر کیا ہے؟ (وقفہ جس کے دوران میں مسکراتے ہوئے تمام حاضرین جلسہ پر ایک نظر ڈالو)

۴۔ پھر وجہ بتاؤ، کہ وجہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا نفاق ہے (نعروں کے لئے وقفہ) اس کا نقشہ کھینچو، فسادات وغیرہ کا ذکر رقت انگیز آواز میں کرو +

(اس کے بعد پھر شاید چند نعرے بلند ہوں، ان کے لئے ذرا ٹھہر جاؤ) +

۵۔ خاتمہ، عام نصائح، خصوصاً اتحاد کی تلقین (شعر)

(اس کے بعد انکسار کے انداز میں جاکر اپنی کرسی پر بیٹھ جاؤ اور لوگوں کی داد کے جواب میں ایک ایک لمحے کے بعد حاضرین کو سلام کرتے رہو) +

—— .. ——

اس خاکے کے تیار کر چکنے کے بعد جلسے کے دن تک ہر روز اس پر ایک نظر ڈالتا رہا۔ اور آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر بعض معرکتہ الآرا فقروں کی مشق کرتا رہا۔ جس کے بعد کی مسکراہٹ کی خاص مشق بہم پہونچائی۔ کھڑے ہو کر دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں گھومنے کی عادت ڈالی۔ تاکہ تقریر کے دوران میں آواز سب طرف پہنچ سکے۔ اور سب لوگ اطمینان کے ساتھ ایک ایک لفظ سن لیں۔

مریدپور کا سفر آٹھ گھنٹے کا تھا۔ رستے میں سانگلا کے سٹیشن پر گاڑی بدلنی پڑتی تھی۔ انجمن نوجوانان ہند کے بعض جوشیلے اراکین وہاں استقبال کو آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے چند ہار پہنائے۔ اور کچھ پھل وغیرہ کھانے کو دیئے۔ سانگلا سے مریدپور تک ان کے ساتھ اہم سیاسی مسائل پر بحث کرتا رہا جب گاڑی مریدپور پہونچی۔ تو سٹیشن پر اور سٹیشن کے باہر کم از کم تین ہزار آدمیوں کا ہجوم تھا۔ جو متواتر نعرے لگا رہا تھا۔ میرے ساتھ جو والنٹیر تھے انہوں نے کہا۔ سر باہر نکالیئے۔ سر باہر نکالیئے۔ لوگ دیکھنا چاہتے ہیں۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ ہار میرے گلے میں تھے۔ ایک سنگترہ میرے ہاتھ میں تھا۔ مجھے دیکھا تو اور بھی زیادہ جوش کے ساتھ نعرہ زن ہوئے بمشکل تمام باہر نکلا۔ موٹر میں مجھے سوار کرایا گیا۔ اور جلوس جلسہ گاہ کی طرف چلا۔ جلسہ گاہ میں داخل ہوئے۔ تو ہجوم پانچ چھ ہزار تک پہونچ چکا تھا۔ جو یک آواز ہو کر میرا نام لے لے کر نعرے لگا رہا تھا۔ دائیں بائیں سرخ سرخ جھنڈوں پر مجھ خاکسار کی تعریف میں چند کلمات بھی درج تھے۔ مثلاً "ہندوستان کی نجات تمہیں سے ہے۔ مریدپور کے لائق فرزند خوش آمدید! ہندوستان کو اس وقت عمل کی ضرورت ہے"۔! مجھ کو سٹیج پر بٹھایا گیا۔ صدر جلسہ نے لوگوں کے سامنے مجھ سے دوبارہ مصافحہ کیا۔ اور میرے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ اور پھر اپنی تعارفی تقریر یوں شروع کی۔

"حضرات! ہندوستان کے جس نامی اور بلند پایہ لیڈر کو آج کے جلسے میں تقریر کرنے کے لئے بلایا گیا ہے ....."

تقریر کا لفظ سن کر میں نے اپنی تقریر کے تمہیدی فقروں کو یاد کرنے کی کوشش کی لیکن اسوقت ذہن اسقدر مختلف تاثرات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ کہ نوٹ دیکھنے کی ضرورت پڑی۔ جیب میں ہاتھ ڈالا۔ تو نوٹ ندارد۔ ہاتھ پاؤں میں یک لخت ایک خفیف سی خنکی محسوس ہوئی۔ دل کو سنبھالا۔ کہ ٹھہرو ابھی اور کئی جیبیں ہیں۔ گھبراؤ نہیں۔ رعشے کے عالم میں سب جیبیں دیکھ ڈالیں۔ لیکن وہ کاغذ کہیں نہ ملا۔ تمام ہال آنکھوں کے سامنے

چکر کھانے لگا۔ دل نے زور زور سے دھڑکنا شروع کیا۔ ہونٹ خشک ہوتے محسوس ہوئے۔ دس بارہ دفعہ تمام جیبوں کو ٹٹولا۔ لیکن کچھ بھی ہاتھ نہ آیا۔ دل چاہا۔ کہ زور زور سے رونا شروع کردوں۔ بے بسی کے عالم میں ہونٹ کاٹنے لگا۔ صدر جلسہ اپنی تقریر برابر کر رہے تھے۔

"مرید پور کا شہر ان پر جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔ ہر صدی اور ہر ملک میں صرف چند ہی آدمی ایسے پیدا ہوتے ہیں جن کی ذات نوع انسان کے لئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

خدایا اب میں کیا کروں گا؟ ایک تو ہندوستان کی حالت کا نقشہ کھینچنا ہے۔ نہیں اس سے پہلے یہ بتانا ہے کہ ہم کتنے نالائق ہیں۔ نالائق کا لفظ تو غیر موزوں ہوگا۔ جاہل کہنا چاہیئے۔ یہ بھی ٹھیک نہیں۔ غیر مہذب ۔ ۔ ۔ ۔"

"ان کی اعلیٰ سیاست دانی ان کا قومی جوش اور انکی مخلصانہ ہمدردی سے کون واقف نہیں۔ یہ سب باتیں تو خیر آپ جانتے ہیں لیکن تقریر کرنے میں جو ملکہ ان کو حاصل ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

ہاں وہ تقریر کہاں سے شروع ہوتی ہے۔ ہندو مسلم اتحاد پر تقریر چند نصیحتیں ضرور کرنی ہیں لیکن وہ تو آخر میں ہیں۔ وہ بیچ میں سکراتا کہاں تھا؟

"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔ کہ آپ کے دل ہلا دیں گے اور آپ کو خون کے آنسو رلائیں گے ۔ ۔ ۔ ۔"

صدر جلسہ کی آواز نعروں میں ڈوب گئی۔ دنیا میری آنکھوں کے سامنے تاریک ہو رہی تھی۔ اتنے میں صدر نے مجھ سے کچھ کہا۔ مجھے الفاظ بالکل سنائی نہ دیئے۔ اتنا محسوس ہوا۔ کہ تقریر کا وقت سر پر آن پہنچا ہے۔ اور اپنی نشست پر سے اٹھا ہے۔ چنانچہ ایک نامعلوم طاقت کے زیر اثر اٹھا۔ کچھ لڑکھڑایا۔ لیکن پھر سنبھل گیا۔ میرا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ ہال میں ایک شور تھا۔ میں بیہوشی سے ذرا ہی ورے تھا۔ اور نعروں کی گونجیں ان لہروں کے شور کی طرح سنائی دے رہی تھیں جو ڈوبتے ہوئے انسان کے سر پر سے گذر رہی ہوں۔ "تقریر شروع کہاں سے ہوتی ہے۔؟ لیڈروں کی خود غرضی بھی ضرور بیان کرنی ہے۔ اور کیا کہنا ہے۔؟ ایک کہانی بھی تھی۔ بگلے اور لومڑی کی کہانی۔ "نہیں ٹھیک ہے۔ دو بیل ۔ ۔ ۔ ۔"

اتنے میں ہال میں سناٹا چھا گیا۔ لوگ سب میری طرف دیکھ رہے تھے میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اور سہارے کے لیے میز کو پکڑ لیا۔ میرا دوسرا ہاتھ بھی کانپ رہا تھا۔ وہ بھی میں نے میز پر رکھ دیا۔ اس وقت میں ایسا معلوم ہو رہا تھا۔ جیسے میز بھاگنے کو ہے۔ اور میں اسے روکے کھڑا ہوں۔ میں نے آنکھیں کھولیں۔ اور مسکرانے کی کوشش کی۔ گلا خشک تھا۔ بصد مشکل میں نے یہ کہا کہ:۔

"پیارے ہموطنو!"

آواز خلاف توقع بہت ہی باریک اور منحنی سی نکلی۔ ایک دو شخص ہنس دیئے۔ میں نے گلے کو صاف کیا۔ تو اور کچھ لوگ ہنس پڑے۔ میں نے جی کڑا کرکے زور سے بولنا شروع کیا۔ پھیپھڑوں پر یکلخت جو یوں زور ڈالا۔ تو آواز بہت ہی بلند نکل آئی۔ اس پر بہت سے لوگ کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ ہنسی تھمی تو میں نے کہا۔

"پیلارے ہموطنو!"

اس کے بعد ذرا دم لیا۔ اور پھر کہا۔ کہ:۔

"پیلارے ہموطنو!"

کچھ یاد نہ آیا۔ کہ اس کے بعد کیا کہنا ہے۔ بیسوں باتیں دماغ میں چکر لگا رہی تھیں۔ لیکن زبان تک ایک نہ آتی تھی۔

"پیارے ہموطنو!"

اب کی بار لوگوں کی ہنسی سے میں جھنا گیا۔ اپنی توہین پر بڑا غصہ آیا۔ ارادہ کیا۔ کہ اس دفعہ جو کچھ ہوا کہدوں گا۔ ایک دفعہ تقریر شروع کردوں۔ تو پھر کوئی مشکل نہ رہے گی۔

"پیارے ہموطنو!" بعض لوگ کہتے ہیں۔ کہ ہندوستان کی آب و ہوا خراب یعنی ایسی ہے۔ کہ ہندوستان میں بہت سے نقص ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ سمجھے آپ؟ (وقفہ ۔ ۔ ۔ ۔) نقص ہیں۔ لیکن یہ بات یعنی امر جس کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے۔ گو یا چنداں صحیح نہیں" (قہقہہ)

حواس معطل ہو رہے تھے۔ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ کہ آخر تقریر کا سلسلہ کیا تھا۔ یکلخت بیلوں کی کہانی یاد آئی۔ اور رستہ کچھ صاف ہوتا ہوا دکھائی دیا۔

"ہاں تو بات دراصل یہ ہے۔ کہ ایک جگہ دو بیل اکٹھے رہتے تھے۔ جو باوجود آب و ہوا اور غیر ملکی حکومت کے ۔ ۔" (زور کا قہقہہ)

یہاں تک پہنچ کر محسوس کیا۔ کہ کلام کچھ بے ربط سا ہو رہا ہے۔ میں نے کہا چلو وہ لکڑی کے گٹھے کی کہانی شروع کردیں۔

"مثلاً۔ آپ لکڑیوں کے ایک گٹھے کو لیجئے۔ لکڑیاں اکثر مہنگی ملتی ہیں۔ وجہ یہ ہے۔ کہ ہندوستان میں افلاس بہت ہے۔ گویا چونکہ اکثر لوگ غریب ہیں اس لیئے گویا لکڑیوں کا گٹھا۔ یعنی آپ دیکھئے نا۔ کہ اگر۔"

(بلند اور طویل قہقہہ)

حضرات! اگر آپ نے عقل سے کام نہ لیا۔ تو آپ کی قوم فنا ہو جائے گی۔ نحوست منڈلا رہی ہے۔

(قہقہے اور شور و غوغا ۔ ۔ ۔ "اسے باہر نکالو۔ ہم نہیں سنتے")

شیخ سعدی نے کہا ہے۔ کہ

چو از قومے یکے بیدانشی کرد۔

(آواز آئی کہ بکتا ہے۔) خیر اس بات کو جانے دیجئے بہرحال اس بات میں تو کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا۔ کہ

آ عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں
تو ہائے دل پکار میں چلاؤں ہائے گل

اس شعر نے دوران خون کو تیز کر دیا۔ ساتھ ہی لوگوں کا شور بھی بہت زیادہ ہو گیا۔ چنانچہ میں بڑے جوش سے بولنے لگا۔

"جو قومیں اسوقت بیداری کے آسمان پر چڑھ رہی ہوئی ہیں۔ ان کی زندگیاں لوگوں کے لیے شاہراہ ہیں۔ اور ان کی حکومتیں چار دانگ عالم کی بنیادیں ہلا رہی ہیں۔ (لوگوں کا شور اور ہنسی اور بھی بڑھتی گئی)۔ آپ کے لیڈروں کے کانوں پر خود غرضی کی پٹی بندھی ہوئی ہے۔ دنیا کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے۔ کہ زندگی کے وہ تمام شعبے ۔ ۔ ۔ ۔"

لیکن لوگوں کا غوغا اور قہقہے اتنے بلند ہو گئے۔ کہ میں اپنی آواز بھی نہ سن سکتا تھا۔ اکثر لوگ اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ اور منہ پھاڑ پھاڑ کر کچھ کہہ رہے تھے۔ میں سر سے پاؤں تک کانپ رہا تھا ہجوم میں سے کسی شخص نے بارش کے پہلے قطرے کی طرح ہمت کرکے سگرٹ کی ایک خالی ڈبیا مجھ پر پھینک دی۔ اس کے بعد چار پانچ کاغذ کی گولیاں میرے اردگرد سٹیج پر آگریں لیکن میں نے اپنی تقریر کا سلسلہ جاری رکھا۔

"حضرات! تم یاد رکھو تم تباہ ہو جاؤ گے۔!

تم دو بیل ہو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

لیکن جب بوچھاڑ بڑھتی ہی گئی۔ تو میں نے اس نامعقول مجمع سے کنارہ کشی کرنا ہی مناسب سمجھا سٹیج سے پھلانگا۔ دروازے میں سے باہر کا رخ کیا۔ ہجوم بھی میرے پیچھے لپکا میں نے مڑ کر پیچھے نہ دیکھا۔ بلکہ سیدھا بھاگتا گیا۔ وقتاً فوقتاً بعض نامناسب کلمے میرے کانوں تک پہونچ رہے تھے۔ ان کو سن کر میں نے اپنی رفتار اور بھی تیز کر دی۔ اور سیدھا سٹیشن کا رخ کیا۔ ایک ٹرین پلیٹ فارم پر کھڑی تھی۔ میں بے تحاشا اس میں گھس گیا۔ ایک لمحے کے بعد وہ ٹرین وہاں سے چل دی۔

اس دن کے بعد آج تک نہ مرید پور نے مجھے مدعو کیا ہے۔ نہ مجھے خود وہاں جانے کی کبھی خواہش پیدا ہوئی ہے۔

بیت المال اور نظام زکوٰۃ

تنظیم ملّت کی پہلی منزل

(حضرت قریشی کے قلم سے)

مسلمانان ہند کی حالت زار ہے۔ وہ صرف تعلیمی، اقتصادی، اور سیاسی حیثیت ہی سے پس ماندہ نہیں ہیں۔ بلکہ انکی اخلاقی، روحانی اور مذہبی حالت بھی قابل افسوس ہے۔ یہ انتہا ہے۔ کہ ہمارے کئی رہ گم کردہ بھائی (ملکانہ وغیرہ) حالات گردو پیش کی مجبوریوں کے باعث اسلام ہی سے روگردان اور منحرف ہو رہے ہیں۔

مُسلمانوں کی محرومی

مسلمانوں سے سوال کیا جارہا ہے۔ کہ اگر مذہب اسلام ہر قسم کی صلاح و فلاح کا سرچشمہ ہے تو مسلمان کیوں ذلت و ادبار میں گرفتار ہیں؟ اقوام عالم میں انہیں کیوں نمایاں حیثیت حاصل نہیں ہوتی؟ اور کیوں اس عالمگیر مذہب کے پیرو زندگی کے مصائب و نوائب سے مجبُور ہوکر ہندو دھرم اور مسیحیت میں جذب ہو رہے ہیں؟

محرومی کے اسباب

واقعہ یہ ہے کہ اسلام صرف عقائد و نظریات کا مجموعہ نہیں ہے، قرآن عظیم دنیا میں اس لئے نازل نہ ہُوا تھا۔ کہ دنیا کی علمی اور ادبی لائبریریوں میں ایک فصیح و بلیغ اور دلکش و دل فریب کتاب کا اضافہ ہو جائے۔ اسلام ایک "حکومت" ہے۔ ایک "تنظیم" ہے۔ ایک "نظام عمل" ہے۔ اللہ کے وعدے، قرآن عظیم کی بشارتیں، اور اسلام کی برکات و فتوحات شخصی اور انفرادی عقائد و اخلاق کیساتھ وابستہ نہیں ہیں۔ اسلام کا ورثہ حاصل کرنے کیلئے "اسلامی تنظیم" "اسلامی نظام" اور اسلامی جمعیت کی ضرورت ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا مسلمانان ہند "المسلمون کرجلٍ واحدٍ" کے معیار پر پورے اترتے ہیں؟ اور کیا انہیں قرآنی آئین و آداب کے مطابق ایک امت قرار دیا جاسکتا ہے؟ اگر نہیں، تو انسانوں کا ایک منتشر گروہ اور ایک پراگندہ ہجوم اس کی شکائت نہیں کرسکتا۔ کہ وہ میراث خلیلؑ سے محروم ہے اور نبی آخر الزمانؐ کی بشارتوں کا مصداق نہیں۔

اقتصادی عوامل

مسلمانان ہندوستان چونکہ اسلامی زندگی اور اسلامی تنظیم سے محروم ہیں۔ اس واسطے وہ اس یمن و سعادت اور اقبال و اجلال سے محروم ہیں۔ جو اسلام اپنے ساتھ لایا، اب رہا یہ امر کہ اس "جمعیت اور تنظیم" کو کیوں بقاء حاصل نہ ہوئی۔ جو قرن اول میں حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے مکمل ہو چکی تھی؟ میرے نزدیک ہمارے دینی نظام کی ناکامی کے اسباب محض اقتصادی ہیں۔ افسوس ہے کہ خلفائے راشدین کے بعد سے لے کر اب تک مسلمانوں نے اس حقیقت کا احساس نہیں کیا کہ مذہب کی "مفلسی" اور اس کے اقتصادی نظام کی پامالی و بربادی، مسلمانوں کی ہر ایک ناکامی اور ہر ایک زوال کی علت راسدہ ہے۔

ضروریات نظم ملّت

اسلام اگر صرف عقائد و نظریات کا گلدستہ ہوتا۔ اور اس کی کتاب صرف دعاؤں اور گیتوں کی کتاب ہوتی تو وہ اقتصادی قوت کے بغیر بھی اپنے اثر و اقتدار کو (یہ اثر و اقتدار جیسا بھی ہو) قائم رکھ سکتا تھا۔ لیکن حالت یہ نہیں ہے۔ حالت یہ ہے کہ عہد حاضرہ کی ایک بہتر سے بہتر گورنمنٹ کو زندہ رہنے کے لئے جس قدر ضبط و انتظام، ارکان و اعضاء، اور دفاتر و ادارات کی ضرورت ہے۔ دین خداوندی کو اپنے واجبات و فرائض کی ادائیگی کے لئے اس سے بہت زیادہ سروسامان کی ضرورت ہے۔

اقتصادی کمزوری

اسلام کے مقاصد اسی قدر وسیع ہیں، جس قدر انسانی زندگی۔ اسلام کا مقصد یہ ہے۔ کہ وہ دنیا میں ایک ایسا وسیع اور عالمگیر نظام تمدن بہم پہنچائے، جس میں انسان انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے بسہولت تمام اپنے کمال فطری کو حاصل کرسکے۔ مقاصد کے اعتبار سے "حکومت" "مذہب" کا ایک گوشہ ہے "حکومت کا تصرف صرف اعضائے جسمانی پر ہوتا ہے۔ مگر "مذہب" کی عملداری میں دل، دماغ اور روح بھی داخل ہیں، امریکہ انگلستان اور فرانس وغیرہ ممالک کے سیاسی نظامنامے ہمارے سامنے ہیں۔ اور ہم جانتے ہیں، کہ یہ نظامنامے کروڑوں روپیہ سالانہ کے اخراجات اور لاکھوں ملازموں کی امداد و اعانت کے بغیر چلائے نہیں جاسکتے پھر ہم کیوں کر یہ توقع رکھ سکتے ہیں، کہ وہ دستور عظیم اقتصادی وسائل کے بغیر کامیاب ہوسکتا ہے؟ جو رنگ، نسل اور جغرافیائی حدود سے بالاتر ہے، جس میں انسان کی مادی بہبود کو روحانی آسودگی کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے۔ اور جس کے جلو میں دنیوی عظمتیں بھی صف بستہ کھڑی ہیں اور اخروی سعادتیں اور قبولیتیں بھی۔

تنظیم کا اصل الاصول

دنیا میں ہر ایک جماعتی نظام کے قیام و بقاء کا انحصار اس پر ہے کہ افراد ملت سے قوم کی اجتماعی ضروریات کے لئے آسان سے آسان طریق پر سرمایہ جمع کیا جائے، اور نہائت ہی احتیاط و دُور اندیشی اور کفائت و دیانت سے قوم کی بہبود میں صرف کردیا جائے میونسپل کمیٹی کی زندگی یہ ہے، کہ وہ چنگی وصول کرے، اور روشنی صفائی اور تعلیم وغیرہ پر لگا دے۔ ڈسٹرکٹ بورڈ کی زندگی یہ ہے کہ وہ صناعوں وغیرہ سے مختلف قسم کے محاصل لے، اور سڑکوں اور سکولوں اور شفاخانوں پر خرچ کردے۔ حکومت کی زندگی یہ ہے کہ وہ ٹیکس اور لگان وصول کرے۔ اور فوج، پولیس، اور عدالت وغیرہ محکموں پر صرف کردے۔ آپ یقین کریں کہ ہر قومی اور ملکی اداروں میں جمع و صرف کی باقاعدگی ہی ہر قسم کی ترقی اور خوشحالی کا سرچشمہ ہے۔ اس باقاعدگی سے قومیں اور ملتیں اس قابل ہو جاتی ہیں۔ کہ وہ زیادہ سے زیادہ ٹیکس ادا کریں اور متعلقہ اداروں کو زرو سیم سے لبریز کردیں۔ یورپ و امریکہ میں اکتشافات و تعمیرات کے جو طوفان امنڈ رہے ہیں۔ قومی اور ملکی اداروں کی اقتصادی خوشحالی ہی کے ثمرات حسنہ ہیں۔ اور اسکے خلاف جو ہم مسلمانوں کے کوئی اسکیم اور تجویز پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچی۔ اس کا سب سے بڑا سبب یہ بے ضابطگی اور بے اعتدالی ہے۔ جس سے ہمارے بڑے بڑے رہنماؤں کے دامن بھی صاف نہیں ہیں۔

آئین تنظیم سے انحراف

اجتماعی نظام کے قیام و بقا کی یہ صورت ہے۔ کہ افراد اپنے لگان، ٹیکس یا صدقات و خیرات کو پوری پوری گرم جوشی کیساتھ متعلقہ جماعت کے حوالہ کردیں۔ اگر کسی میونسپلٹی یا ڈسٹرکٹ بورڈ کا ٹیکس گذار یہ دعوے کرے کہ وہ اپنی مخصوص رقم کو جماعتی سرمائے میں شامل کئے بغیر روشنی، صفائی، تعلیم، حفظان صحت، قیام امن، اور حفاظت جان و مال کے متعلق اپنی جملہ ضروریات کو خود پورا کریگا تو ہم اسکو کبھی تسلیم نہ کریں گے۔ کوئی شخص اپنے ذاتی ٹیکس کی مدد سے اپنے لئے وہ انتظامات مہیا نہیں کرسکتا۔ جو میونسپلٹی یا ڈسٹرکٹ بورڈ یا پراونشل اور مرکزی حکومتوں کی وساطت سے انجام پارہے ہیں۔ سیاسی دوائر اور انتظامی امور میں، ہم میں سے ہر شخص اس حقیقت سے باخبر ہے۔ اور ہم بھولے سے بھی یہ جرأت نہیں کرتے۔ کہ وہ ٹیکس جو ہمیں میونسپلٹی یا ڈسٹرکٹ بورڈ کو ادا کرنا ہے، ذاتی طور پر ابنائے وطن کی بہبود میں صرف کردیں لیکن جب اسلام ہم سے مطالبہ کرتا ہے۔ کہ ہم اپنے صدقات و خیرات کو جماعتی طور پر خرچ کریں، تو ہمارا دل بیٹھ جاتا ہے۔ ہماری عقل پر پتھر پڑ جاتے ہیں۔ اور ہم بلا تامل جماعتی آئین سے بغاوت کر دیتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں۔ کہ اس بغاوت کا نتیجہ کیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے۔ کہ وہ بڑی بڑی جماعتیں جو مذہب کے نام پر کام کر رہی ہیں۔ ایک سمال ٹاؤن کمیٹی کے برابر بھی عوام کی خدمت نہیں کرسکتیں واقعہ تو یہ ہے کہ ہماری بغاوت و نافرمانی نے اُن محاسن و فضائل کو خاک میں ملا دیا ہے۔ جو مذہب کی ذات سے وابستہ تھے لیکن بوالعجبی دیکھئے۔ کہتے ہم یہ ہیں۔ کہ مذہب ایک رواسئے کہنہ ہے تقویم پارینہ ہے۔ اور اس کی اطاعت و فرمان پذیری سے انسان کو کچھ حاصل نہیں ہوسکتا۔

بیت المال کی حقیقی حیثیت

ہم نے شروع میں بیان کیا تھا۔ کہ ہمارے مذہبی نظام کی شکست کے اسباب محض اقتصادی ہیں۔ ہم اس نقطے پر زیادہ زور دینا چاہتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ جب تک اسلام کے اقتصادی نظام کو زندہ نہ کیا جائے۔ اور جب تک حقیقی حیثیت سے نظام زکوٰۃ کا احیاء نہ ہو۔ دنیا میں ایک لمحے کے لئے ان محامد و محاسن کا ظہور نہ ہوگا۔ جن سے دور نبوت و رحمت کی ایک ایک ساعت مزین و مرصع رہی، دین خداوندی میں کلمہ شہادت، نماز، روزہ، حج، اور زکوٰۃ کو وہی درجہ حاصل ہے جو جسم انسان میں اعضائے رئیسہ کو حاصل ہے۔ اگر کلمہ شہادت کو دماغ سے، نماز کو دل سے، روزہ کو جگر سے، اور حج بیت اللہ کو پھیپھڑے سے تشبیہ دی جائے تو زکوٰۃ اور بیت المال کو لازماً معدے کا درجہ دیا جائے گا جسم

سے کام جسم انسانی کو از فرق تا بقدم قوت اور زندگی نصیب ہوتی ہے۔ اگر معدہ خالی ہے۔ تو کوئی حصہ جسم اپنی جگہ پر کھڑا نہیں رہ سکتا۔ ہم ان اصحاب سے جو "بیت المال" کے بغیر گلشن اسلام کی شادابی کے درپے ہیں۔ صرف اتنا عرض کرینگے رخدا کے بندو! کوئی زندہ انسان، معدے کی معاونت کے بغیر کیونکر اپنی قوت و صحت کو برقرار رکھ سکتا ہے؟

ارکان اسلام کی تشخیص

ہم ارکان و فرائض اسلام کی حقیقت پر غور کرنا چاہتے ہیں روزہ ایک انفرادی ریاضت ہے، نماز، جمعہ عیدین اور حج بالکل اجتماعی اعمال ہیں۔ اور ان میں ساری خوبی یہ ہے۔ کہ یہ جماعتی تعاون و اشتراک عمل کے داعی ہیں۔ اگر نماز میں جماعت کا التزام نہ ہو۔ اور ہر شخص گھر کے کسی گوشے میں نماز ادا کر لیا کرے۔ اگر جمعہ، عید یا حج میں وقت کی پابندی اور اجتماع کی شرط نہ ہو بلکہ ایک مسلمان جس وقت بھی بیت الحرام میں پہنچ جائے۔ فریضۂ حج سے سرخرو قرار دے دیا جائے تو اجتماعی نقطہ نظر سے ان اعمال کا عدم و وجود برابر ہو جائیگا یہی صورت زکوٰۃ کی ہے۔ مسلمان انفرادی طور پر خواہ کسقدر بھی زکوٰۃ صرف کریں، قومی، ملّی اور جماعتی نقطۂ نظر سے اس کا عدم وجود برابر ہے۔ اگر کسی بلدیہ کے ٹیکس گذار اپنی رقوم میونسپلٹی میں ادا کرنے کے بجائے انفرادی طور پر خرچ کر لیں۔ اور پھر یہ امید رکھیں۔ کہ کمیٹی ان کے لئے صفائی، روشنی، تعلیم، اور حفظان صحت کا انتظام کر دے گی۔ تو یہ محض حماقت ہو گی۔ کیا یہ مثال حرف بحرف ہمارے مذہبی نظام پر عائد نہیں ہوتی؟

طریق زوال مذہب

وہ لوگ، جو زکوٰۃ کو ذاتی حیثیت سے صرف کرنے پر مصر ہیں۔ اللہ اور اس کے مقدس رسولؐ کا حق غصب کرتے ہیں سوال ہے۔ کہ ان حالات میں "مذہب" کے پاس کیا باقی رہ جاتا ہے۔ جس سے وہ اپنے لائحہ عمل کو کامیاب بنا لے؟ حضور سیّد عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے "لا یبقیٰ من الاسلام الا اسمہ ولا یبقیٰ من القرآن الا رسمہ"۔ کے معنے خیز الفاظ میں اسلام اور قرآن کا جو نقشہ پیش کیا ہے۔ اس سے وہی حالات مراد ہیں۔ جن میں اسوقت اسلام اور قرآن زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اسلام ایک بہتر سے بہتر لائحہ عمل ہے۔ مگر اسکی تکمیل کے لئے کوئی عملی سامان موجود نہیں۔ قرآن، آئین و خلاق کی ایک بہترین کتاب ہے۔ مگر صرف لائبریری کے لئے۔ میں پوچھتا ہوں۔ کہ اس وقت حکومت ہند کا کیا حال ہو گا۔ اگر اس پر آمدنی کے وہ تمام دروازے بند کر دیئے جائیں جو اس نے اپنے بجٹ کی تکمیل کے لئے تجویز کر رکھے ہیں؟ یہی کہ حکومت مٹ جائے گی۔ "اسم" رہ جائے گا۔ اور آئین حکومت کی حیثیت "رسم" سے زیادہ نہ ہو گی۔ "مذہب" کی یہی وہ سقیم ترین حالت ہے۔ جس کی طرف محولہ بالا حدیث نے اشارہ کیا ہے۔ یہی وہ منزل ہے۔ جس میں مذہب ایک حکمران نظام حیات کے درجہ سے گر جاتا ہے۔ اور اس کا اثر عقائد و رسوم کی شکل میں، عامہ خلائق کے قلوب پر چند گیتوں اور دعاؤں کے بقدر رہ جاتا ہے۔

چند حقائق و واقعات

اندازہ لگایا گیا ہے۔ کہ اس گئے گذرے زمانے میں بھی مسلمانان ہندوستان ۴ کروڑ روپیہ سالانہ کے بقدر زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ یہ رقم جو ہر سال پندرہ بیس ہزار مسلمانوں کو گداگری کے میدان میں لاکھڑا کرتی ہے۔ اگر کسی مرکزی "بیت المال" کی وساطت سے صرف کی جائے۔ تو مسلمانان ہند۔ دو چار سال کے اندر ہی جہازوں، طیاروں، بینکوں، یونیورسٹیوں اور فوجوں کے مالک ہو سکتے ہیں۔ آپ سوال فرمائیں گے۔ تو پھر ایسا کیوں نہیں ہوتا؟ میں اس سوال کے جواب میں عامۃ المسلمین پر کوئی الزام عائد نہیں کروں گا۔ آج بھی خدا کے نام پر زکوٰۃ و صدقات کے دینے والے ہر طرف دوڑے دوڑے پھرتے ہیں۔ افسوس کہ کوئی لینے والا نہیں ملتا۔ کوئی اس قابل نہیں کہ اللہ کی امانت اسکے سپرد کر دی جائے رہزن بہت ہیں۔ مگر رہنما کوئی نہیں۔ مرکزی بیت المال (جو سات کروڑ فرزندان اسلام کے صدقات و خیرات کی تنظیم کا نتیجہ ہو) تو بہت بڑی بات ہے اور بہت بڑے اعتماد، بہت بڑی ہمت اور بہت بڑے ظرف کو ملا ہے، افسوس کہ ہم اس وقت تک ایک ضلع کے مسلمانوں کے صدقات کی تنظیم بھی نہیں کر سکے۔ راقم الحروف کا اندازہ ہے کہ ایک معمولی مسلمان (گھر) دس روپیہ سالانہ سے کم خیرات نہیں کرتا۔ اگر دس ہزار مسلمان اس عہد میں شامل ہو جائیں کہ انہیں ذاتی حیثیت سے سال بھر میں جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں صرف کرنا ہو گا، بیت المال کی وساطت سے کریں گے، تو صرف دس ہزار معمولی مسلمانوں کے اتحاد پر ایک لاکھ روپیہ سالانہ کے اخراجات کا ایک تبلیغی اور تعلیمی مشن چلایا جا سکتا ہے۔ لیکن کوئی نہیں جو مذہب کی پکار سنے، اور چندوں کے الجھاؤ کے بجائے قیام بیت المال کی طرف متوجہ ہو۔

فتنۂ حب المال

ارکان اسلام میں زکوٰۃ اور بیت المال کا مرحلہ سب سے زیادہ کٹھن ہے۔ اسلام کی سیزدہ صد سالہ تاریخ میں بڑے بڑے سرکش اور نافرمان پیدا ہوئے ہیں۔ اور انہوں نے نماز روزہ، جمعہ، جماعت اور حج سے غفلت و اعراض تو کیا ہے۔ مگر مزاحمت کبھی نہیں کی مگر زکوٰۃ اور بیت المال کا معاملہ تمام ارکان اسلام سے بالکل مختلف ہے۔ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سب سے پہلی بغاوت جو شروع ہوئی وہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار تھا۔ اس کے یہ معنے ہیں۔ کہ "حب المال کا فتنہ" اور "عدم ادائیگی زکوٰۃ کا فساد" وفات نبوی کے ساتھ شروع ہوا۔ اور نتیجہ یہ ہے۔ کہ ایک زکوٰۃ اور بیت المال کے سوا تمام ارکان اسلام کم و بیش اپنی جگہ پر قائم رہے اور قائم ہیں۔ مگر زکوٰۃ کا نظام ایک ہی صدی کے اندر کم و بیش تمام اسلامی ممالک سے اس طرح تباہ و برباد ہو گیا۔ کہ آج تک کسی کو اس کے احیاء کا خیال بھی پیدا نہ ہوا درآنحالیکہ نظام زکوٰۃ کا احیاء درحقیقت تمام ارکان اسلام کا احیاء ہے۔ حکومت قرآن کا احیاء ہے۔ مسلمانوں کے جاہ و جلال کا احیاء ہے۔ اور اس یمن و سعادت اور شان و شکوہ کا احیاء ہے۔ جو اسلام اپنے ساتھ لایا۔ کیا مسلمان اس حقیقت پر سنجیدگی کے ساتھ غور کریں گے؟

اسلام کی فرمانروائی میں ہندوؤں سے حُسنِ سلوک

ایک ہزار سالہ تاریخی حقائق کا نچوڑ

(از جناب سید محمد عبداللہ صاحب ایم۔ اے ریسرچ سکالر پنجاب یونیورسٹی)

آج میں آپ کے سامنے جس مضمون پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں ۔ اس کا مفاد یہ ہے ۔ کہ مسلمانوں کے ہزار سالہ عہدِ حکومت میں ہندو لوگ کس حالت میں رہتے سہتے رہے؟ ان کے معاشرتی حالات کیسے تھے؟ مسلمانوں کے درباروں میں وہ کس نگاہ سے دیکھے جاتے رہے؟ مسلمانوں کی آمد سے ان کی سوسائٹی پر کیا اثر پڑا؟ اس قسم کے بہت سے سوال ہیں ۔ جن کا اجمالی جواب دینا مقصود ہے ۔

لیکن ایسا جواب دینے کی کوشش کرنا، اس کی مشکلات موجودہ تاریخی مواد کے پیش نظر بہت مشکل ہے ۔ اس کے دو وجوہ ہیں ۔ اوّل کہ یہ میدان بہت وسیع ہے ۔ اور ہزار سالہ عہد حکومت کو ایک فرصت میں عبور کر لینا کچھ آسان کام نہیں ۔ دوم اس کے لئے ہمارے پاس جو کتب تواریخ ہیں ۔ وہ ہمارے پیش نظر مقصود کے اعتبار سے اس قدر ناقص اور غیر مفید ہیں ۔ کہ ایک طالب علم پہلی قسم کی مشکلات کو حل کرنے کے باوجود بھی اپنے مطلب کو نہیں پاسکتا ۔ اگرچہ اس مضمون میں ہندوستان کی تاریخوں پر جرح و تنقید، کچھ خارج از بحث کام معلوم ہوتا ہے ۔ تاہم میں آگے چل کر بعض فوائد کے لحاظ سے اس مسئلے پر بھی مختصر بحث کرونگا ۔ اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرونگا ۔ کہ ہماری تاریخیں بالکل ناقص اور اصول تاریخ کے زاویۂ نظر سے بالکل افسانہ اور علم الاصنام ہیں ۔

مضمون کی اہمیّت

پیشِ نظر مضمون کی ضرورت اور اشد ضرورت اس لئے بھی محسوس ہوتی ہے (اور غالباً اس کے بعد بھی محسوس ہوتی رہے گی) ۔ کہ عام تاریخوں میں جس قسم کے حالات و واقعات پیش کئے گئے ہیں ۔ وہ اکثر یک طرفہ اور فرقہ وار جذبات سے لبریز ہیں ۔ ان میں اُس زمانے کے عام جذبات و خیالات کو کوئی جگہ نہیں دی گئی ۔ اور نہ زمانے کے نقطۂ نظر کو حالات کے منطقی اسباب و علل کے سلسلے میں زیادہ وقیع سمجھا گیا ہے ۔ اگر ہم ہندوستان کی انگریزی میں لکھی ہوئی تاریخوں پر نظر دوڑائیں ۔ تو ہمیں یہ اور صرف یہ معلوم ہوگا ۔ کہ مسلمانوں کا زمانہ ہندوؤں کے لئے "نارِ جہنم" سے بدتر اور "عذاب الیم" سے زیادہ پُر مصائب تھا ۔ ہم اکثر مقامات پر مندروں کے انہدام، بتوں کی شکست، قتل و غارت، ظلم و ستم، تبلیغ اسلام میں جبر و تشدّد، اور ہزاروں بے سروپا افسانے اور حکایتیں دیکھیں گے ۔ عام پڑھنے والا، ہندوستان کی ان تاریخوں کو پڑھنے کے بعد ایک ہی نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے ۔ اور وہ یہ ہے ۔ کہ مسلمانوں کا زمانہ صحیح معنوں میں وحشت اور بربریت کا زمانہ تھا جس میں غریبوں، تنگدستوں اور بیکسوں پر بے حد ظلم کئے گئے ۔ لیکن میں اعلان کرتا ہوں ۔ اور تاریخی مطالعہ کی بنا پر اعلان کرتا ہوں ۔ کہ یہ اتہامات اور یہ الزامات حقیقت سے بالکل دُور، تاریخ کے سراسر مخالف، اور اصلیت کے یک قلم منافی ہیں ۔ اور یہ اس لئے وضع کئے گئے ۔ کہ اس سے ہمارے دشمنوں کو سیاسی تقویت حاصل کرنا مقصود تھا ۔ ان کو اس لئے آب و رنگ دے کر بیان کیا جا رہا ہے ۔ کہ ہندوستان کے باشندوں کے دماغ، جہاں مسلمانوں کے عہد زریں کے متعلق بدظن ہو جائیں ۔ وہاں موجودہ دَورِ حکومت کی برکتیں ان کے نزدیک درجہ یقین کو پہنچ جائیں ۔ یہ وہ ظلم ہے ۔ جو ایک قوم دوسری قوم پر کر سکتی ہے اور اس کے باوجود اس کو ظلم نہیں سمجھا جاتا ۔

(اس کے بعد فاضل مضمون نگار نے قدیم تاریخوں کے نقائص بالتفصیل بیان کئے ہیں مثلاً یہ کہ ان میں جنگوں ۔ خونریزیوں ۔ تباہ‌کاریوں ہی کو لکھا گیا ۔ عام واقعات اور عام روزانہ حالات کو نہیں لکھا گیا ۔ اس سلسلے میں ایلیٹ اور سرکار کی غلطیاں بھی دکھائی ہیں ۔ آخر میں لین پول ایشوری پرشاد ۔ قانون گو، زندیا تھلا وغیرہ کی تعریف کی ہے ۔ ہم بہ خوف طوالت اس حصے کو حذف کرتے ہیں)

ہندوؤں اور عربوں کے تعلّقات

اب میں اصل مضمون کی طرف آتا ہوں ۔ زمانۂ اسلام سے بہت پہلے عربوں اور ہندوؤں کے تجارتی تعلقات قائم ہو چکے تھے عرب ہندوستان کے ساحلی علاقوں کے ساتھ تجارت کرتے تھے ۔ چنانچہ آج بھی عربی میں بعض ایسے نام موجود ہیں ۔ جن کی اصل ہندوستانی ہے ۔ مثلاً کافور جو اصل میں "کپور" تھا ۔ "قرنفل" جو اصل میں کرنگ پھل تھا ۔ اور صندل جو دراصل چندن تھا وغیرہ ۔ عود ہندی تمر ہندی قسط ہندی خود اپنی نسبت ظاہر کر رہے ہیں (دیکھو "معارف" بابت ماہ جنوری ۱۸ ئہ صفحہ ۔) ۔

اسلام نے عربوں میں ایک نئی روح پیدا کر دی تھی ۔ اور وہ ایک صدی کے اندر اندر تمام دنیا پر پھیل گئے تھے ۔ ہندوستان میں عرب اگرچہ پیغمبر اسلام علیہ السلام کی زندگی میں نہ پہنچے ۔ لیکن آپ کی وفات کچھ عرصہ بعد ضرور آ گئے تھے ۔ یا صحیح معنوں میں عربوں کی آمد خلیفہ ولید کے زمانے میں ہوئی ۔ جبکہ محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے شمالی مغربی ہندوستان کو فتح کر لیا ۔ اور اس کی از سرِ نو تنظیم کی ۔ محمد بن قاسم نے سندھ میں جو حکومت قائم کی ۔ وہ معدلت اور انصاف ۔ سیاست اور دانش کے لحاظ سے بہترین حکومت تھی ہندو رعایا کے ساتھ محمد بن قاسم نے خاص تعلقات قائم کئے ۔ سندھ کی تاریخوں سے ہمیں صاف معلوم ہوتا ہے ۔ کہ ہندوؤں کو مذہبی معاملات میں آزاد رکھا گیا ۔ محمد بن قاسم نے علمائے دمشق سے فتولے حاصل کر لیا تھا ۔ کہ ہندو کا درجہ اسلام کے نزدیک وہی ہے جو یہود اور نصاریٰ کا ہے ۔ ان کے ساتھ وہی مراعات ہونگی ۔ جو اسلام نے یہود اور نصاریٰ کو عطا کی ہیں ۔ محمد بن قاسم نے ہندوؤں کے مذہبی پیشواؤں کے قدیم امتیازات کو قائم رکھا ۔ سندھ کے برہمن راجاؤں کی حکومت میں مالگزاری میں سے تین فی صدی لیا کرتے تھے ۔ محمد بن قاسم نے اس حق کو قائم رکھا ۔ حجاج کے پے در پے خط آیا کرتے تھے کہ ہندوؤں اور برہمنوں کے ساتھ مشفقانہ سلوک کیا جائے ۔ اسی کا نتیجہ تھا ۔ کہ محمد بن قاسم جہاں جاتا تھا ۔ مفتوحین کے ساتھ اعلیٰ سلوک کرتا تھا ۔ ہندوؤں کو صاف صاف کہہ دیا گیا تھا ۔ کہ "بالکل بے فکر ہو جاؤ مسلمانوں سے جس قدر چاہو میل جول رکھو ۔ اپنی فلاح و تدابیر مناسب خیال کرتے ہو ۔ انہیں اختیار کرو ۔ تم بلا خوف و خطر مندر تعمیر کرو ۔ اور جو تمہارے بزرگوں کی رسمیں ہوں ان کو ادا کرتے رہو ۔ غریب برہمنوں کے ساتھ نیک سلوک کرو" ۔ شہر کے مسلمان حاکموں کو حکم دیا گیا کہ سرکردہ ہندوؤں کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہ کریں راجہ داہر کے وزیر کو محمد بن قاسم نے اپنا وزیر بنایا ۔ یہ تمام تفصیلات ہم نے "چچ نامہ" سے لی ہیں ۔ ایلیٹ نے ان تمام اقتباسات کا ترجمہ کیا ہے ۔ (ص ۱۸۲ تا ۱۸۶ ۔ ج ۱) ۔ لیکن تعصب اور تنگ نظری کا یہ عالم ہے ۔ کہ پھر بھی عربوں کی بت شکنی کے افسانوں کو دہراتا ہے ۔ مسلمانوں نے ہندوؤں کو عام معاملات میں جو آزادی دے رکھی تھی ۔ اور ان کے معاملے میں عدم مداخلت کا جو اصول اختیار کیا تھا ۔ اس کو ایلیٹ، تعصب اور نفرت پر محمول کرتا ہے (ج ۱ ص ۴۷۸) ۔

محمد بن قاسم کے بعد سندھ کی عربی حکومت میں اختلال آ گیا ۔ اگرچہ کافی مدت تک سندھ میں عرب حکمران رہے ۔ لیکن حالات غیر یقینی رہے ۔ ہندوؤں پر اس عربی اقتدار کا اثر نہایت زبردست اور گہرا پڑا ۔ ابن حوقل اور اصطخری کی روایت ہے ۔ کہ اہل ملتان عربی اور سندھی زبانیں بولنے لگ گئے تھے ۔ ہندوؤں پر عرب کی تلواروں نے اتنا قبضہ نہ کیا تھا ۔ جتنا کہ اسلام کے سادہ اور پاک اصول نے کیا ۔ چنانچہ آج بھی ہم دیکھتے ہیں ۔ کہ سندھ کے مسلمان جو پہلے ہندو تھے ۔ اب تک ہندوستان کے سارے مسلمانوں کی بہ نسبت زیادہ پُرجوش ہیں ۔

اگرچہ عربوں کی حکومت سندھ میں ختم ہو گئی تھی ۔ لیکن دربار خلافت کے ساتھ مدت تک ان کے تعلقات قائم رہے ۔ ہارون الرشید سے بہت پہلے ہندو طب اور دیگر علوم کی معتبر کتابوں کا ترجمہ عربی میں ہو چکا تھا ۔ لیکن ہارون الرشید نے ہندوستان سے بہت سے طبیب منگائے ۔ جو وہاں ہسپتالوں میں کام کرتے رہے ۔ سالی اور منکا دو ہندو طبیبوں کا نام بہت مشہور ہے ۔ (تفصیل کے لئے "ایلیٹ" ج اول ۔ بیرونی دیباچہ از سخاؤ) ۔

غزنوی خاندان اور ہند

محمود غزنوی کے حملے کے ساتھ تاریخ ہند کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے ۔ اس سے پہلے اگرچہ عربوں کی حکومت رہی ۔ اور محمود کے آبا و اجداد نے بھی متواتر حملے کئے ۔ لیکن ان حملوں کا اثر زیادہ تر پنجاب اور شمالی و مغربی علاقوں تک محدود رہا ۔ ملک کے اندرونی سیاسیات پر ان حملوں کا بہت کم اثر ہوا ۔ محمود نہایت سختی کے ساتھ وسطی ہندوستان تک جا پہنچا ۔ اور اپنے بعد فتوحات اور حملوں کا دروازہ ہمیشہ کے لئے کھول گیا ۔

محمود کی سیاسی زندگی کے متعلق ہمیں کچھ زیادہ غرض نہیں

کرنا۔ ہم صرف اس پہلو پر بحث کر سکتے ہیں جس کا تعلق ہندوؤں کے ساتھ ہو۔ اگرچہ اس کے نامۂ اعمال پر بہت سے داغ سمجھے جاتے ہیں۔ اس کا جذبۂ حرص و آز، اس کی بت شکنی اور وعدہ خلافی کو خاص شہرت حاصل ہے لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ گبن کے الفاظ میں محمود دنیا کے بہت بڑے بادشاہوں میں سے ہے۔ اور اس کے الزامات کو ایک ایک کر کے تحقیق کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ لین پول۔ ایشوری پرشاد۔ پروفیسر ویدیا۔ نزندرا ناتھ لا وغیرہ نے معترضین کے ہر اعتراض کا کافی و شافی جواب دیا ہے۔

سخاؤ علامہ البیرونی کی کتاب الہند کے دیباچے میں لکھتے ہیں۔ کہ محمود کے دربار میں ہر قسم کی مذہبی آزادی اور خیالات کی آزادی موجود تھی۔ صرف یہی چیز اس کی وضاحت کے لئے کافی ہے۔ کہ بیرونی جیسا فاضل جس نے عمر کا اکثر حصہ ہندو علوم کی تحصیل میں صرف کر دیا۔ محمود کے درباریوں میں تھا۔ اگر محمود ویسا ہی تھا۔ جیسا کہ معترضین کا خیال ہے۔ تو وہ البیرونی کے ساتھ حسن سلوک سے پیش نہ آتا۔

تاریخ یمینی کے اوراق مطالعہ کرو گے۔ تو معلوم ہو گا۔ کہ سلطان محمود غزنوی کا دربار ہندو جرنیلوں سپاہیوں اور دوسرے ہندوستانی اہلکاروں سے پُر تھا۔ ہندوؤں کی رفتہ رفتہ اس قدر کثرت ہو گئی۔ کہ غزنوی دربار کو ترجمان رکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی جس کا کام یہ تھا۔ کہ وہ دربار میں ہندوؤں کے ساتھ معاملات میں مدد دے۔ (بیہقی ص ۵۰۳)

محمود کی بدنامی کا ایک سبب یہ بھی ہے۔ کہ اُس نے ہندوؤں کے علاقے فتح کئے۔ اور وہاں ہندوؤں کے مذہبی جذبات کا استخفاف کیا لیکن ہم پروفیسر ویدیا کے اس قول کو پیش کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کہ دنیا میں ہمیشہ غالب اقوام نے مغلوب اقوام کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا ہے۔ محمود نے فوجوں کے ساتھ فوجوں پر فتح پائی۔ ہندوؤں کی اندرونی خرابیاں اتنی زیادہ ہو گئی تھیں۔ ان میں ذات پات کے رواج نے اور باہمی خانہ جنگی نے حالات کو اس قدر نازک بنایا ہوا تھا۔ کہ پورا ہندوستان مٹھی بھر سپاہیوں کے سامنے جھک گیا (ویدیا؛ ہندو سلطنت کا زوال اور خاتمہ؛ ج ۳)

محمود اور اس کے جانشینوں کے زمانے میں ہندوؤں کو بہت سی مراعات حاصل تھیں۔ آج تہذیب کا آفتاب نصف النہار پر ہے لیکن اس کے باوجود مظلوم ہندوستانیوں کے ساتھ انگریزوں کو کوئی خاص ہمدردی نہیں۔ غزنوی دور میں ہندوؤں کو اعلیٰ سے اعلیٰ مناصب مل سکتے تھے۔ ان منصبداروں کے ماتحت اکثر ہندو لوگ ہی ہوتے تھے۔ ان کی خوش حالی اور رفاہ کا خاص خیال خود ہندو منصبدار رکھتا تھا۔ آج شاید لوگ اس بات کو تسلیم نہیں کریں گے۔ لیکن یہ امر واقعہ ہے۔ کہ غزنویوں نے مسلمانوں کے مقابلے میں ہندو سپہ سالاروں کو روانہ کیا۔

محمود کی وفات کے ۵۰ دن بعد مسعود نے جرنیل سوندرائے کو ہندوؤں کی ایک کثیر جمعیت کے ساتھ اپنے دشمن امراء کی طرف روانہ کیا۔ کئی دنوں تک لڑائی ہوتی رہی۔ جس میں سوندرائے اور اُس کی فوج کے اکثر سپاہی کام آئے (ایلیٹ۔ ج ۲۔ ص ۵۹)

تلک بن جے سین

اس واقعہ کے ۵ سال بعد تلک بن جے سین کو لاہور کے باغی گورنر احمد نیالتگین کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ تلک بن جے سین غزنی کا ایک بہت بڑا شخص تھا۔ ہم اس کا حال ذرا تفصیل کے ساتھ لکھتے ہیں۔ تلک دراصل ایک حجام کا لڑکا تھا۔ وہ مدتوں تک کشمیر میں رہا۔ اور وہاں تعویذ اور علم سحر کی تحصیل میں مصروف رہا۔ شکل و شباہت میں اچھا ہونے کے علاوہ نہایت ہی فصیح اللسان تھا۔ احمد حسن میمندی وزیر نے اسے اپنے دفتر میں لے لیا۔ بیہقی کا بیان ہے۔ کہ میں نے اکثر اوقات اس کو وزیر اعظم کے سامنے کاغذات لئے ہوئے دیکھا ہے۔ وہ ہندی اور فارسی میں خوب ماہر تھا۔ اور یہی اوصاف تھے جن کی بنا پر وہ پہلے تو خواجہ حسن بن میمندی کا سیکرٹری بنا۔ اور پھر ترجمان مقرر ہوا۔

اس نے سلطان مسعود کے لئے بہت سی گراں قدر خدمات انجام دیں۔ اُسی کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ کہ اکثر ہندو سرکش غزنویوں کے سامنے جھکے رہے۔ سلطان محمود نے بھی اس کی قابلیتوں کا اعتراف کیا تھا۔ جب مسعود نے اس کو احمد نیالتگین کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ تو اس نے اپنے اثر و رسوخ کو استعمال کرتے ہوئے لاہور کے تمام جاٹ سرغنوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ پھر ان کو لے کر احمد نیالتگین پر ٹوٹ پڑا۔ مخالف کو انگریز کو شکست ہوئی۔ باغی سردار اور اُس کا بیٹا بھاگ نکلے۔ مگر بہت جلدی تلک کے بچھائے ہوئے دام میں پھنس گئے۔

بیہقی کا بیان ہے۔ کہ جب تلک نے احمد نیالتگین کا خاتمہ کر دیا۔ تو لاہور کی طرف واپس آیا۔ وہاں پہلی بد انتظامیوں کو دور کر کے پولیس اور ریونیو کا نیا سلسلہ قائم کیا۔ اور تلک کے انتظام کے پہلے سے بہتر طریقے اختیار کئے (بیہقی ایلیٹ۔ ج ۲۔ ص ۱۲۷)

یہ تلک بن جے سین تھا۔ جو غزنویوں کے دربار میں اعلیٰ منصب پر فائز تھا۔ طبقات اکبری میں اس کا نام تلک بن

حسین لکھا ہے لیکن بظاہر یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

محمود کے دربار میں نجے رائے ایک اور جرنیل تھا۔ جس کو نمایاں حیثیت حاصل تھی۔ (ایلیٹ۔ ج ۲۔ ص ۵۹)

عدیم النظیر حسن سلوک

ان حقائق کی بنا پر ہم اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ غزنویوں کے زمانے میں بھی سوائے ان حالات و ایام میں جبکہ لڑائی اور شورش بپا ہوتی تھی۔ ہندوؤں کے ساتھ مسلمان حکومت کا سلوک نہایت خوشگوار تھا۔ مذہبی اختلافات ان کی عزت میں مانع نہیں آسکتے تھے۔ قابلیت اور لیاقت کو ان کے درباروں میں کافی اثر حاصل تھا۔ اور ایک شخص کو باوجود قابلیت کے مذہبی تعصب کی بنا پر کسی مفاد دنیوی سے محروم نہیں کیا جاتا تھا۔ مندروں کے مسمار کرنے اور بتوں کو توڑنے کے جو واقعات دیکھنے میں آتے ہیں۔ وہ انہی ایام کے ساتھ وابستہ ہیں۔ جبکہ لڑائی کی آگ مشتعل ہوتی تھی۔ اور سیاسی ذہنیت ہر چیز پر غالب آتی تھی۔ عام ہندو لوگ جو دیہاتی آبادیوں میں جاگزین تھے۔ اپنی پرانی روش کے مطابق زندگی بسر کرتے تھے۔ اس لئے راجا اور دیہاتی پرجا کا مسلمانوں سے پہلے بھی آپس میں بجز رشتۂ اطاعت کے کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا۔ یہ چیز غزنویوں کے زمانے میں بھی موجود رہی۔ ہندوؤں میں جو جنگجو اقوام غزنویوں کے ماتحت آگئی تھیں۔ وہ اپنے اپنے ہندو جتھہ داروں کے ماتحت غزنوی فوج میں شامل ہوگئیں۔ اگرچہ ان کی بہادری اور شجاعت کوئی غیر معمولی نتائج پیدا نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن بعض مواقع ان کے طفیل حکومت کو بہت فوائد حاصل ہوئے یہ ہندو فوجیں خراسان اور دوسرے اسلامی ممالک میں جاتی تھیں۔ اور اس قسم کے متعدد واقعات بیہقی اور یمینی میں مل سکتے ہیں۔ اس اجمالی تذکرے سے اس زندگی اور خوش عہد حالت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ جب ہندو لوگ پہلے پہل غزنوی مسلمانوں کے ماتحت زندگی بسر کرنے پر مجبور کئے گئے۔

ترک بادشاہ اور ہندو

خاندان غزنوی کے زوال اور خاتمے کے بعد تاریخ ہندوستان کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔ اس آغاز کا انجام یہ تھا۔ کہ اسلامی سلطنت کابل اور ہندوکش کی وادیوں سے دکن تک اور قندھار و غزنی سے لے کر بنگالے اور برہما کی دیواروں تک جا پہنچی۔ غزنویوں نے ہندوستان کے ایک ایک گوشے پر اپنا اقتدار بٹھایا۔ لیکن اب نئے حملہ آوروں نے اپنی نبرد آزمائیوں کے ذریعے سے مملکت کی حدود بہت وسیع کرلیں۔ اور رفتہ رفتہ سارا ہندوستان مسلمانوں کے قبضے میں آگیا۔

یہ زمانہ زبردست فوج کشی کا زمانہ تھا۔ مسلمانوں کے مٹھی بھر آدمیوں کو کثیر التعداد ہندو فوجوں کے ساتھ مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔ اور حقیقت میں یہی زمانہ تھا۔ جبکہ ہندو اپنی قوت کے زوال کو محسوس کرنے لگے۔ اور یہی جذبہ تھا۔ جس سے متاثر ہو کر انہوں نے قدم قدم پر مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ اگر ان جذبات کا جو پرتھی راج کے زمانے میں ہی ہندوؤں کے وجود میں پیدا ہو گئے تھے۔ اندازہ کرنا ہو تو چاند بھاٹ کی پرتھی راج راسو پر نظر ڈالو۔ اگر فی الواقع یہ تصنیف اسی زمانے کی ہے۔ تو ہمیں تعجب ہے۔ کہ اسلامی فتوحات کے اس ابتدائی زمانے میں ہی ہندوؤں کے سینوں میں کس قدر جذبات منافرت پیدا ہو چکے تھے۔

ہندوؤں کی اعتبار کش حرکتیں

شہاب الدین غوری کا قتل بھی گھکروں کے ہاتھوں واقع ہوا تھا۔ اور اس کے علاوہ بے شمار واقعات نے ظاہر کر دیا تھا کہ ہندوؤں پر ملکی معاملات میں اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ سیاست ملکی میں ان کو دخیل بنانا اس امر کے مترادف تھا۔ کہ اپنے مفاد کو سخت نقصان پہنچایا جائے۔ اس بنا پر مسلمانوں کے سامنے بہترین حکمت عملی یہ تھی کہ ملک کی انتظامی حالت کو زیادہ بہتر بنانے کے لئے اس میں شر پسند عنصر کو داخل نہ ہونے دیا جائے۔ چنانچہ بلبن نے اپنے عہد حکومت میں ہندوؤں کو عہدے دینا بند کر دئے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ بلبن سے پہلے ہندوؤں کو باقاعدہ عہدے دئے جاتے رہے۔ اور بعض مواقع پر ہندوؤں نے اپنے ہم مذہبوں کے خلاف بھی لڑائی کی طرح ڈالی۔

لڑائیوں میں برہمنوں کے قتل اور ہندوؤں کے مارے جانے کے واقعات کو ہم صرف اسی نظر سے دیکھتے ہیں۔ کہ وہ لڑائی اور سیاسی مصلحت کا تقاضا تھا۔ اس لئے ہمیں تواریخ کے ان حالات کو زیادہ غم و اندوہ کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہیئے۔ ان واقعات کے ساتھ ساتھ اس امر کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ کہ مسلمانوں نے ملک کو جب فتح کیا۔ تو اس کے انتظام کا پورا حق ادا کیا۔ بلبن اور ایبک نے اپنے زمانوں میں ہندوستان کی سرحدوں کو جتنا مضبوط کیا۔ اور بیرونی دشمنوں کی قتل و غارت کا سلسلہ جس طرح بند کر دیا۔ وہ یقیناً اہل ہند کیلئے جن میں اکثریت ہندوؤں کی تھی نعمت غیر مترقبہ تھی اندرونی نظم و نسق بھی چھوٹی چھوٹی راجپوت ریاستوں کے مقابلے زیادہ بہتر تھا ان دنوں محصول بھی کوئی زیادہ نہ تھے۔ اور اتنے معمولی تھے۔ کہ ہر شخص ادا کر سکتا تھا۔ بلبن کی زبردست حکومت میں عام خوشحالی اور آبادی بہت زیادہ ہو گئی تھی۔ سید ہاشمی فرید آبادی تاریخ ہند میں لکھتے ہیں:-

> "ایک بات جس کے ثبوت میں بہت سے قوی قرائن اور تحریری شواہد پیش کئے جاسکتے ہیں یقینی نظر آتی ہے اور وہ یہ ہے۔ کہ گو اس وقت کا تمدن سادہ اور اس زمانے کے مقابلے میں دہقانی قسم کا تھا۔ بایں ہمہ متوسط اور ادنیٰ طبقہ کے لوگ جن کی تعداد کل آبادی میں ۷۰، ۸۰ فی صدی ہوتی ہے آج کل کی نسبت کہیں زیادہ

خوش حال اور آسودہ تھے"۔ (ج - ص ۲۸۱)

"تاریخ فیروز شاہی کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس وقت اجناس کی بے حد ارزانی تھی۔ ایک "ٹنکہ میں" جو آج کل کے روپے کے برابر تھا۔ موجودہ اوزان کے حساب سے ڈھائی من گیہوں بکتے تھے۔ اور جو، چنا، موٹھ، ماش وغیرہ اجناس اس سے بھی سستی تھیں۔ مصری ایک روپیہ میں تقریباً ۸ سیر۔ سفید شکر ۱۲ سیر اور سرخ شکر ۲۶ سیر فروخت ہوتی تھی۔" غرض یہ کہنا بے جا نہ ہوگا۔ کہ قیمت خرید کے اعتبار سے آج کل کے کوئی بارہ روپے اس زمانہ کے ایک ٹنکہ کے برابر ہوتے تھے۔ (دیکھئے ج ۳ - ص ۲۸۲) کثیر التعداد ہندو آبادی اس ارزانی، اس امنیت اور اس خوش حالی سے پورا پورا فائدہ اُٹھاتی تھی۔ تجارت بھی ہندوؤں کے ہاتھ میں تھی۔ اس لئے کہ مسلمان فوج پیشہ لوگ تھے۔ یا علم و فضل سے سروکار رکھتے تھے۔ اس لئے باقی چیزوں میں ہندو آبادی کے لئے میدان کھلا تھا۔ سلطنت کا محکمہ مال، شروع ہی سے ہندوؤں کے ہاتھ میں تھا۔ "پٹواری" کا عہدہ قدیم ہندو زمانے سے رائج تھا۔ اور اس پر کائستھ لوگ کام کرتے تھے۔ مسلمانوں نے اس کو قائم رکھا۔

علاؤالدین خلجی

علاؤالدین خلجی کا زمانہ، انتظام اور سخت حکمت عملی کی بنا پر نہایت زبردست زمانہ تھا۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس زمانے میں ہندوؤں کی طاقت اس قدر بڑھ گئی تھی۔ کہ عام آسودہ حالی اور فراغت کے باعث اُن میں بغاوت کے جراثیم پیدا ہو رہے تھے چنانچہ علاؤالدین خلجی کو خاص قوانین وضع کرنے پڑے۔ اور ان کے اندر جو فراوان تموّل آ رہا ہے۔ اس کو کم کرنے کی کوشش کی گئی اس کے یہ قوانین ہندوؤں تک ہی محدود نہ تھے۔ بلکہ خود مسلمان امرا کی بغاوت کو روکنے کے لئے بھی اس نے یہی تدابیر اختیار کیں اس لئے یہ کہنا کہ اس نے ہندوؤں کے استیصال کے لئے یہ کارروائیاں کیں۔ بالکل غلط ہے۔ اس کے قوانین و اصول کا نتیجہ نکلا۔ کہ غلّہ کی عام ارزانی اور خوشحالی پیدا ہو گئی"۔ برنی لکھتا ہے۔

"کہ ارزانیٔ غلات واقمشہ و اسباب معاش بودہ است کہ نرخ آں در امساک باراں کم و بیش نشد و تا سلطان زندہ بود استقامت ارزانی در تخلل نیفتاد"۔ (ص ۲۳۹)

اس سلسلے میں قاضی مغیث الدین کے فتوے کو عام طور پر درمیان میں لایا جاتا ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے۔ کہ اس فتوے کا حکومت علائی پر کوئی اثر پڑا یا نہیں؟ جب نہیں پڑا۔ اور ہم اس کو ثابت کرنے کے لئے دلائل رکھتے ہیں۔ تو قاضی صاحب کے فتوے کی کیا حیثیت ہے۔ ہم اس کے مقابلے میں کئی فتوے ایسے پیش کر سکتے ہیں۔ جو قاضی صاحب کے منشا کے بالکل خلاف تھے لیکن ہمیں وہ حالات بھی پیش نظر رکھنے چاہئیں۔ جن کے ماتحت قاضی صاحب نے یہ کہا۔ کہ ہندوؤں سے ٹیکس اس طریق سے وصول کئے جائیں کہ وہ اپنی ذلت کو محسوس کریں۔ حالات یہ تھے کہ اس زمانے میں ہندوؤں کے اندر اس قدر تموّل اور خوشحالی تھی کہ محصل جب ٹیکس لینے کے لئے جاتے تھے۔ تو وہ اپنے تمرد اور طغیان کے جوش میں ٹیکس دینے سے انکار کر دیا کرتے تھے۔ برنی لکھتا ہے:-

خولجان و مقدمان (یہ ہندو ہوتے تھے) بر اسپان
خوب سوار می شوند و جامہائے پاکیزہ می پوشند و
بر کمان فارسی تیر می فرستند و بایک دیگر جنگ می
کنند.. و شکار می دوند۔ اصلاً از خراج جزیہ و کری و چرائی
خود یک جیتل نمے دہند...... الخ (ص ۲۹۱)

اس صورت میں قاضی صاحب کا برہم ہو کر ایسا حکم دے دینا غیر قدرتی نہ تھا۔ اگرچہ ہم تسلیم کرتے ہیں۔ کہ اسلام کے منشا کے خلاف تھا۔ امیر خسرو کی قرآن السعدین سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس زمانے میں ایلچی، چوکیدار، باڈی گارڈ وغیرہ کے مناصب ہندوؤں کے ہاتھ میں تھے۔ دھنک اور پایک وغیرہ کے الفاظ اسی قسم کے مناصب کی تشریح کرتے ہیں۔ اس کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے۔ کہ علاؤالدین خلجی پر اس کے بھتیجے نے جب حملہ کیا تو علاؤالدین کی جان بچانے والا ایک "ہندو" ہی تھا۔

مسلمان نما ہندوؤں کی شرارتیں

لین پول میڈیول انڈیا میں لکھتا ہے کہ ہندوؤں نے اپنی طاقت اور وجاہت کو زیادہ کرنے کے لئے ایک اور ترکیب یہ اختیار کی۔ کہ ہندویت کا ظاہری جامہ اُتار دیا۔ اور مسلمان ہو کر بھی ہندو ہی رہے ان بظاہر مسلمان ہندوؤں کو علاؤالدین خلجی کے زمانے میں نہایت فروغ حاصل ہوا۔ اور ان کی طاقت اتنی بڑھی۔ کہ علاؤالدین خلجی کی وفات کے بعد خسرو خاں نامی ایک سردار نے تخت پر قبضہ کر لیا۔ اور شہاب الدین کے نام سے حکومت شروع کر دی۔ برنی کا بیان ہے۔ کہ اس خسرو خاں نے جو دراصل ہندو ہی تھا۔ تمام ہندوانہ مراسم شروع کر دیں۔ اس کے سارے رشتہ دار ہندو ہی تھے ان کو عہدے دئے۔ اور مسلمانوں کی طرف سے بے اعتنائی شروع کر دی۔ (دیکھو تاریخ فیروز شاہی برنی ص ۴۰۹ و مابعد)

"و آتش حنیف و شعلۂ تعدّی بر آسمان می رسید
و برداران و ہندواں غالب گشتہ مصاحف را
کراس می ساختند و در محرابہا بتاں می نہادند۔
و می پرستیدند و شعار کفر و کافری از استیلائے
برودراں و از غلبۂ ہندواں روز بروز از جلوس
آں نامرداں بلند می گرفت و خسرو خاں بالو نام
در قصد آنکہ برداران و ہندواں باقوت و شوکت
شوند...... فرمود تا خزینہ را بکشائند و زرہا
بریزید"

یہ اُن ہندوؤں کی داستان ہے۔ جن کی مظلومی کا ماتم انگریز اور ہندو مصنفین کیا کرتے ہیں۔ اگر ان کی بغاوت اور سرکشی کو فرو کرتے ہوئے کچھ خونریزی ہو جائے۔ تو یقیناً وہ خونریزی قدرتی اور معقول وجوہ کی بنا پر سمجھنی جانی چاہئے۔ اور اس فعل کو آج کل کی سیاسی ذہنیت کے مطابق ظلم نہیں کہا جائیگا۔

غیاث الدین تغلق

خسرو خاں کے اس اقتدار کو مسلمانوں کے مفاد کے منافی خیال کرتے ہوئے غازی ملک یعنی غیاث الدین تغلق اُٹھا۔ اور اس نے ملتان سے نکل کر خسرو خاں کا قلع قمع کیا۔ مؤرخ ایشوری پرشاد لکھتا ہے۔ کہ غیاث الدین نے اگر ہندوؤں کے ساتھ سختی بھی کی تو سیاسی وجوہ کی بنا پر کی۔ لیکن ہمارے پاس تو ایسی کوئی شہادت نہیں۔ جس سے ہم اس کے سیاسی مظالم کو بھی معلوم کر سکیں۔ غیاث الدین تغلق کی حکومت اگرچہ مختصر تھی۔ لیکن نہایت پُرامن تھی۔

محمد تغلق

غیاث الدین کے بعد اس کا بیٹا محمد تغلق تخت نشین ہوا۔ خدا کی قدرت ہے۔ کہ محمد تغلق جتنا اپنی رعایا کا خیرخواہ تھا۔ اتنا ہی قدرت نے اُسے بدنام کیا۔ کوئی اس کو "دیوانہ" کہتا ہے۔ کوئی اُسے "خونی" لکھتا ہے۔ لیکن حقیقت میں وہ "محمد عادل" کے لقب کا مستحق ہے۔ بلحاظ اپنے ارادے اور نیت کے نہ بلحاظ نتائج

کے۔ اس نے رعایا کی رفاہیت کے لئے زراعت اور مالیات کو ترقی دینا چاہی۔ اور خزانہ خالی کر دیا۔ کہ زمینداروں کی حوصلہ افزائی ہو۔ لیکن یہ زمیندار جن کو زراعت کی ترقی کے لئے حکومت سے روپیہ ملتا رہا۔ اس کو یونہی ضائع کرتے رہے۔ انگریز بھی اس بات کو لکھ جاتا ہے۔ کہ یہ رعایا کی خوش حالی کے لئے ہوا۔ لیکن اس چیز کو دانستہ یا نادانستہ فراموش کر دیتا ہے۔ کہ یہ زراعت پیشہ رعایا ہندوؤں پر ہی مشتمل تو تھی۔ مالیات کی ترقی کے لئے محمد تغلق نے سکے میں جو تبدیلی کی تھی۔ اس سے ملک کی کثیر التعداد ہندو آبادی کو بہت ہی فائدہ پہنچا۔ جب بادشاہ نے سونے کے سکے کی جگہ مِس کو رواج دیا۔ تو برنی کے صاف الفاظ میں ان ہندوؤں نے اپنے گھروں کو دار الضرب بنالیا۔ اور کروڑوں کی تعداد میں جعلی سکے تیار کر لئے۔ اس زمانے کی تاریخ میں رعایا کا لفظ بیشتر ہندوؤں پر ہی وارد ہوتا ہے۔

جب ملک میں عظیم الشان قحط پڑا۔ تو بادشاہ نے دو آبہ میں "سرگدواری" کو اپنا مستقر ٹھہرایا۔ اور رعایا کو اس قحط کی مصیبتوں سے نجات دلانے کے لئے بیشمار تدابیر اختیار کیں۔

اگر بادشاہ کے مظالم کو دیکھنا ہو۔ تو ابن بطوطہ کو اٹھا کر دیکھو۔ اس میں مسلمان ہی زیادہ تر تختہ مشق بنے رہے۔ ہندوؤں کا زیادہ ذکر نہیں۔ مورخ ایشوری پرشاد لکھتا ہے۔ کہ اس کے تعلقات ہندوؤں کے ساتھ اچھے تھے۔ (صفحہ ۲۳۷)۔ اس کے دربار میں رتن ایک عالم ریاضیات نہایت عزت کے ساتھ رہتا تھا۔ گنگو منجم بھی محمد تغلق کا ملازم تھا۔ اگرچہ فرشتہ کا یہ قول صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ کہ یہ سب سے پہلا ہندو ہے جس نے ملازمت اختیار کی۔ کیونکہ اس سے پہلے بھی ہم ہندوؤں کو بادشاہوں کی ملازمت میں دیکھتے ہیں۔ اگرچہ اُن کے نام مذکور نہ ہوں۔ ہم اس سے پہلے تلک بن جے سین کا حال بیان کر چکے ہیں۔ ان کوائف کے ہوتے ہوئے فرشتہ کا یہ بیان صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

فرشتہ لکھتا ہے۔ کہ ہندوؤں کا قاعدہ تھا۔ کہ دریاؤں کے گھاٹوں پر جا بیٹھتے تھے۔ اور وہاں علم نجوم کی تعلیم دیتے تھے۔ غالباً ہندوؤں سے فرشتہ کی مراد برہمنوں سے ہو گی۔ اس میں شبہ نہیں۔ کہ برہمنوں کے اشغال کا یہی حال تھا۔ اس لئے کہ سیاسی تاریخ میں زیادہ تر چھتری اور دوسری قومیں کام کر رہی تھیں۔ اور برہمن اس میدان سے الگ تھے۔

فیروز تغلق

محمد تغلق کے بعد فیروز تغلق کا زمانہ آتا ہے۔ یہ راجپوت ماں کا بیٹا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ مسلمان بھی تھا۔ اس نے اپنے زمانے میں دین کے قوانین کو نہایت سختی کے ساتھ رائج کیا۔ ہندو جو ہمیشہ ردعمل کے منتظر رہتے تھے۔ محمد تغلق کے بعد اس حرکت کے منتظر تھے۔ لیکن فیروز تغلق نے اپنی طاقت و قوت سے کام لے کر ان کو حرکت کا موقع نہیں دیا۔ ہیول اپنی کتاب "آرین رول ان انڈیا" میں لکھتا ہے۔ کہ فیروز تغلق نے ہندوؤں پر ظلم و ستم کو سختی سے روک دیا۔ اگرچہ اس کے عہد میں مندروں کو توڑنے کے واقعات بھی ملتے ہیں۔ (ہیول؛ ص ۳۱۷) اس سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ مسلمانوں کا حملہ علی العموم سیاسی ہوتا تھا۔ اور جب تک ہندو آبادی کی طرف سے کوئی خاص وجہ اشتعال نہ پیدا ہوتی تھی۔ وہ محفوظ و مامون رہتے تھے۔

فیروز تغلق آثار قدیمہ کی حفاظت کے طور پر اشوکا کے دو ستونوں کو اٹھوا کر دہلی لے آیا۔ نزندر ناتھ لا لکھتا ہے۔ کہ فیروز تغلق کے زمانے میں ہندو کتابوں کے فارسی میں ترجمے کئے گئے۔ اس زمانے میں ہندوؤں کو دفاتر میں ملازمت مل سکتی تھی۔ کیونکہ ریونیو ڈیپارٹمنٹ کا کام عرصے سے ان ہی لوگوں کے ہاتھ میں تھا۔ (لا: ۲۵۶)

خان جہاں جو فیروز تغلق کے درباریوں میں نہایت اعلیٰ پوزیشن رکھتا تھا۔ دراصل ہندو تھا۔ اس کا لڑکا بھی خان جہاں ہی کہلاتا تھا۔ ان کا رسوخ ہندوؤں کی ترقی کا بہت بڑا سبب تھا۔

تغلقوں کا زوال

فیروز تغلق کے بعد تغلقوں کی نالائقی، عیش پرستی اور کمزوری کا یہ نتیجہ ہوا۔ کہ تیمور نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ اور اس ملک میں سوائے سادات کے جن کی تیمور کو خاص طور پر خاطر منظور تھی۔ تمام اقوام پر ظلم کے پہاڑ توڑے۔ مورخ ایشوری پرشاد لکھتا ہے۔ کہ ہندوؤں کی سرکشی کا ایک سبب یہ بھی تھا۔ کہ مسلمانوں نے ہندو عورتوں کے ساتھ شادی بیاہ کے تعلقات قائم کر لئے۔ جن کی وجہ سے ملکی انتظامات میں بہت خلل واقع ہوا۔ اکثر امراء و سلاطین کو اپنے ان ہندو رشتہ داروں کی طرفداری کرنا پڑتی تھی۔ اور اس طرح ملک کا نظم و نسق ان طرفداریوں کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھ گیا۔

تیمور کے حملے کے بعد طوائف الملوکی کا سماں چھا گیا۔ اور ملک میں بدامنی اور فساد کا دور دورہ ہو گیا۔ لیکن ہمیں یہ فرض کر لینے

میں عجلت سے کام نہیں لینا چاہیئے۔ کہ اس بدامنی میں ہندوؤں پر ظلم توڑا گیا ہوگا ... یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ کہ ایک ملک کی کثیر التعداد اور بھاری اکثریت، اقلیت کے مظالم کا شکار ہوئی ہو۔ جبکہ ہر شخص اپنے پاس ہتھیار اور اس کے اسلحہ اٹھانے کے خلاف کسی کو شکایت نہ تھی۔ ایسے حالات میں راقم الحروف کو تو یہ شبہ ہے۔ کہ ان سرکش ہندوؤں نے مسلمانوں پر خاص طور پر ہاتھ صاف کئے ہوں گے۔

سکندر لودھی

تیمور کے حملے کے بعد لودھیوں کا خاندان سب سے زیادہ بارسوخ اور باثر تھا۔ معمولی حکومتوں کو تو ہندو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ البتہ زبردست حکومت کے سامنے انہیں جھکنا پڑتا تھا۔ ہندوؤں کی سرکشی اور باغیانہ سرگرمیوں کی وجہ سے ہم عصر مؤرخوں کے جذبات اس قدر تلخ ہوتے تھے۔ کہ وہ ان باغی اور فسادپسند عنصر کے خاتمے اور قلع وقمع کو نہایت استحسان کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اور بے احتیاطی سے ایسے الفاظ لکھ جاتے تھے۔ جن کو لے کر آج ہماری ہزار سالہ حکومت کو ایک غیر مختتم سلسلۂ فساد وظلم کہا جاتا ہے۔

لودھیوں میں سکندر لودھی سب سے زیادہ باجبروت پادشاہ تھا۔ فرشتہ کی روایت ہے۔ کہ سکندر نے متھرا میں گھاٹوں کے بالمقابل مساجد بنائیں۔ اور ہندوؤں کو ان گھاٹوں پر جانے سے روکا۔ ایک مسلمان عالم نے بادشاہ کے اس حکم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ اور کہا کہ حضور کا یہ حکم شریعت اسلام کے خلاف ہے۔ پھر سلطان اور اس عالم کے درمیان بہت دیر تک مباحثہ ہوتا رہا۔ آخر کار سلطان اپنی ہار مان گیا۔ اور اس نے اپنے حکم کو واپس لے لیا۔ (ہیول ص ۳۴۰)

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس امر کا کہ بادشاہ کی مطلق العنانیوں کو روکنے کے لئے علما وفضلا ہر وقت موجود رہتے تھے جو بادشاہ کو خلاف شرع کاموں سے روکتے تھے۔ اس روایت سے اس بات کی تردید بھی ہوتی ہے۔ کہ سکندر لودھی نے اپنے زمانے میں ہندوؤں پر ظلم توڑے۔ سکندر کے زمانے میں ہندو پہلے سے زیادہ شاہی ملازمتوں میں شامل ہوئے۔ بادشاہ نے ہندوؤں کو فارسی تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھی ترغیب دی۔ اس کے عہد میں ہندو طب کی کتابوں کے فارسی میں ترجمے ہوئے۔ فرشتہ لکھتا ہے:-

"بعہد فرخندہ او علم رواج یافت وامرا وارکان و سپاہیان بکسب فضائل اشتغال نمودند و ہندواں بخواندن و نوشتن خط فارسی کہ تا آں زمان درمیان ایشاں نبودہ، پرداختہ (ذکر سلطان سکندر)

"امرائے ہنود کا مصنف لکھتا ہے:-

سکندر لودھی کے زمانے تک عام طور سے ہندو فارسی یا عربی نہ پڑھتے تھے ساں کا نام ملکش ودیا رکھ چھوڑا تھا۔ جب سکندر کو فارسی خوانوں کی ضرورت محسوس ہوئی۔ تو اس نے ایک دن دربار میں کہا۔ "کہ کدام ہندو بچہ است کہ فارسی مے داند" جواب ملا۔ کوئی نہیں۔ اس پر بادشاہ نے برہمنوں، چھتریوں اور ویشوں اور کایستھوں کو باری باری بلا کر کہا۔ کہ فارسی پڑھو۔ سب نے انکار کیا۔ مگر کایستھوں نے آمادگی کا اظہار کر لیا۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں فارسی پڑھ کر ملکی عہدوں پر سرفراز ہونے لگے۔ پھر ان کی دیکھا دیکھی اور ہندوؤں نے بھی فارسی پڑھنا شروع کر دی"۔ (ص ۱۳۵)

سکندر لودھی کے بعد پھر اسلامی حکومت کی چولیں ڈھیلی ہوتی گئیں۔ تا آنکہ بابر نے ہندوستان پر حملہ کیا۔

سابق ہندو نظام کی حفاظت

مغلوں کی حکومت کے شروع ہونے سے پہلے ہم چاہتے ہیں۔ کہ گذشتہ دور کے بعض اور پہلوؤں پر روشنی ڈالیں۔ ہم نے گذشتہ بیان میں جو تبصرہ کیا ہے۔ اس کا تعلق صرف اس ہندو آبادی کے ساتھ ہے۔ جو مسلمان بادشاہوں اور اُن کے امرا کے دارالحکومتوں اور ملحقات میں بستی تھی۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو ہندوستان کی وسیع آبادی دیہات میں مقیم تھی اور ہے۔ دیہاتی گروہوں کا نظام ہندوستان میں ازمنۂ قدیمہ سے موجود تھا۔ راجا بھی دیہاتیوں کے داخلی معاملات میں کبھی تصرف نہیں کیا کرتا تھا۔ مسلمانوں نے اس نظام کو قائم رکھا۔ ان کے فیصلے ان کی پنچایتوں میں ہوتے تھے۔ وہ تعلیم میں آزاد تھے۔ ان کو اسلامی تعلیم حاصل کرنے کے لئے کبھی مجبور نہیں کیا گیا۔ ان دیہاتی آبادیوں میں جو لوگ ٹیکس وصول کرنے کے لئے جاتے تھے۔ وہ اکثر ہندو ہی ہوتے تھے۔ ٹیکس نہایت نرم تھے۔ یعنی وہی شرعی عشر۔ آج انگریزوں کے ماتحت ٹیکس اتنے زیادہ ہیں کہ حقیقت میں پہلا زمانہ عہد امن وآرام معلوم ہوتا ہے۔ ان آبادیوں کے ساتھ مسلمانوں کے اختلاط کے مواقع بہت کم تھے۔ لیکن مسلمان صوفی۔ اکثر تمدن۔ اور شہریت کی زندگی سے نفور ہو کر دیہات میں پناہ لیتے تھے۔ یہاں ان کو ہندوؤں کے ساتھ میل جول کا اتفاق ہوتا تھا۔ انہی صوفیوں کا اثر تھا۔ انہی علما وفضلا کی صحبت

کا اثر تھا- کہ ہندو سوسائٹی میں اصلاح کی طرف زبردست تحریک اس زمانے میں پیدا ہوئی- ہندوؤں میں بڑے بڑے مصلح اس زمانے میں پیدا ہوئے- توحید کا تخیل جو ہندوؤں میں نہایت کم تھا- اسی زمانے میں شروع ہوا- اسی زمانے میں کبیر، رامانند، نانک، دادو پنتھی- چیتن وغیرہ ظاہر ہوئے- ان میں بعض تو اوائل میں مسلمان تھے- مثلاً کبیر- داؤد کے متعلق تو مسلمان ہونے کی روایات بھی ملتی ہیں- نانک کی مسلمان مشائخ سے ملاقاتوں سے اور گرنتھ صاحب میں توحید کے عقیدے سے ان کے بھی اسلامی رجحان کا پتہ چلتا ہے-

ہمیں اس چیز سے ایک بات کا اندازہ لگانا چاہیئے- کہ انہی مسلمان بادشاہوں کے زمانے میں ہندوؤں میں اصلاح کا اس قدر غلغلہ بلند ہوتا ہے- لیکن ان مصلحین کو مسلمانوں کی طرف سے کوئی ایذا اور کوئی تکلیف نہیں پہنچتی- بلکہ ان کو اکثر مسلمان بادشاہ قدر اور عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں- نانک جی کے دولت خان لودھی کے ساتھ کتنے تعلقات تھے- رائے بولار نے نانک جی کو کتنی مدد پہنچائی- چیتن کو مسلمان بادشاہوں نے کوئی تکلیف نہیں دی- اس سے معلوم ہوا- کہ ہندو اپنے مذہبی امور میں کس قدر آزاد تھے- اور ان کی اندرونی زندگی کس طرح پرانے زمانے کے اسلوب پر چل رہی تھی- اور جب تک کوئی سیاسی وجہ پیدا نہ ہوتی تھی- ان کو ہرگز ستایا نہ جاتا تھا-

مغلوں کا طرزِ حکومت

آپ نے ترک یا پٹھان بادشاہوں کے حالات سُنے ہیں- اب ذرا مغلوں کی داستانیں بھی سن لیجئے- ہمیں تسلیم کرنا چاہیئے- کہ مغلوں کا نظام، پہلی سلطنتوں سے مختلف اصول پر رکھا گیا تھا- پہلے لوگوں نے ہندوؤں کی سرکشی کا علاج سلبی طریق پر کیا تھا- لیکن مغلوں نے ایجابی طریق اختیار کیا- یا یوں کہئے- کہ ترکوں کی حکمت عملی علاج بالضد اور مغلوں کی حکمت عملی علاج بالمثل- ہم اس دور و دراز کے فاصلے پر ان دونوں طریقوں کے حسن و قبح پر کوئی فیصلہ کن بحث نہیں کرسکتے- البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ مغلوں کی حکمت عملی اپنے اندر اچھی باتیں بھی رکھتی تھی- لیکن ہم اس کے بُرے عناصر سے بھی غافل نہیں ہوسکتے- اس میں شک نہیں- کہ اکبر کی پالیسی نے حکومت کے اندر اتنی جان ڈال دی تھی- کہ اس کی وفات کے بعد چار پشتوں تک ایک منظم و پرامن حکومت قائم رہی- لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ماننا چاہیئے- کہ اسی طرزِ حکومت کا اثر تھا- کہ ملک کے شر پسند عناصر کو تقویت حاصل ہوگئی- اور ان کے استیصال کا بروقت بندوبست نہ ہوسکا- تاآنکہ اورنگ زیب کو یہ کام اپنے ہاتھ میں لینا پڑا- لیکن وقت گذر چکا تھا- آخر وہی ہوا- جو ہونا تھا- یعنی ہندوستان سے اسلامیوں کی حکومت رخصت ہوگئی-

شیر شاہ سوری

اکبر نے جن بنیادوں پر، اپنی حکومت کی عمارت تعمیر کی تھی- اس کا معمار اوّل "شیر شاہ سوری" تھا- قانونگو ایم- اے- جنہوں نے شیر شاہ کی تاریخ مرتب کی ہے- لکھتے ہیں- کہ شیر شاہ کا طرزِ حکومت، قومیت متحدہ کے اصول پر مبنی تھا- موصوف نے شیر شاہ اور اکبر کا آپس میں مقابلہ کیا ہے- اور شیر شاہ کو زیادہ محتاط اور زیادہ باتدبیر ثابت کیا ہے- آپ لکھتے ہیں- کہ اکبر نے ہندوؤں اور دوسری قوموں کے ساتھ حسن سلوک کو روا رکھا- اس کے ساتھ اس کے لئے لازم تھا- کہ وہ مسلمانوں کو اپنی طرف سے بدظن نہ کردیتا- وہ ظاہر میں جتنا انصاف پسند اور بے تعصّب تھا اس کو اپنی ذاتی اور پرائیویٹ زندگی میں اتنا ہی زیادہ متدین ہونا چاہیئے تھا- ایک قوم کے ساتھ انصاف کرنے کی خاطر یہ لازم نہیں آتا- کہ دوسری قوم کے ساتھ بدسلوکی کی جائے- یہی اکبر کی حکومت کا نقص ہے- اور شیر شاہ میں یہی خوبی تھی- وہ جہاں متدین تھا- وہاں بے تعصّب بھی تھا- اس کے رفاہ عامہ کے کاموں سے ہندوستانیوں کو اور بالخصوص ہندو آبادی کو بے حد فائدہ پہنچا- اس کی سڑکیں، اس کی سرائیں، اس کے پل، اس کا نظام امن سب کے سب اس کے عہد کی برکات تھیں- اس کا سلوک ہندوؤں کے ساتھ نہایت اعلیٰ تھا- اکبر نے اپنی حکومت کو کامیاب بنانے میں جو کوشش کی- اس میں شیر شاہ کے نقش قدم پر چلنے کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے-

جلال الدّین اکبر

اکبر نے تخت سلطنت پر متمکن ہونے کے تھوڑے دنوں بعد، ہندو نوازی کا سلسلہ شروع کردیا تھا- اس نے راجپوتوں کو شادی بیاہ کے تعلقات سے مطمئن کرلیا تھا- جزیہ جو پہلے بھی اتنا زیادہ نہ تھا- منسوخ ہوگیا- ہندوؤں کے اور تہواروں پر جو پابندیاں تھیں- ان کو اُڑا دیا- ان کے اندرونی مراسم میں بھی دخل دیا- اور ستی وغیرہ کے خلاف قوانین بنائے- بیوہ کے نکاح پر زور دیا- اور بچپن کی شادی کو روکا-

اس کو ہندوؤں کے ساتھ اس قدر شغف پیدا ہوگیا تھا کہ اس نے ہندوؤں کی مذہبی رسوم کی پیروی شروع کردی گوشت کھانا چھوڑ دیا- رکھڑی باندھتا- اور ہندوؤں کے تہواروں میں شامل ہوتا- عبادت خانہ میں ہر جمعرات کے دن، مذہبی مباحثہ ہوتا- جس میں خود اکبر صدارت کے فرائض انجام دیتا- ان مباحث میں اکثر ہندو علما کے مقابلے میں مسلمان علماء کے ساتھ تمسخر کرتا- اس کا خیال تھا- کہ سنسکرت کی کتابیں، زیادہ اچھی اور زیادہ قابل مطالعہ ہیں- بہ نسبت ان فارسی کی کتابوں کے جن میں مبالغہ اور اغراق کے سوا کچھ نہیں ہوتا-

ہندوستان کی تاریخ میں پہلی دفعہ اس نے ایسے سکولوں کا افتتاح کیا- جن میں ہندو اور مسلمان اکٹھے پڑھا کرتے تھے- ایچ- جی- ویلز مشہور مؤرخ لکھتا ہے-

کہ اکبر نے تعلیم کو عام کرنے میں، انگریزوں سے بھی زیادہ کام کیا۔ اکبر نے ہندوؤں کے لئے علیحدہ نصاب مقرر کیا۔ اور اس طرح ملک کے طول و عرض میں مشترکہ سکول قائم ہو گئے۔

اکبر نے کاروبار سلطنت میں ہندوؤں کو پہلے سے زیادہ دخیل بنایا۔ راجہ ٹوڈرمل دیوان نے دفاتر میں ہندی کے بجائے فارسی کو جاری کیا۔ اور اس طرح ہندوؤں کے لئے اثر و رسوخ حاصل کرنے کے ساتھ زیادہ ہو گئے۔ اس کے عہد میں سنسکرت کی کتابوں کے فارسی میں بہت سے ترجمے ہوئے۔ جن میں مسلمانوں اور ہندوؤں نے مل کر کام کیا۔

بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے۔ کہ اکبر کے زمانے میں مسلمانوں کو اتنی مذہبی آزادی حاصل نہ تھی۔ جتنی کہ ہندوؤں کو حاصل تھی۔ اور مسلمان اتنے خوش حال نہ تھے۔ جتنے کہ ہندو تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ہندوؤں نے علوم و فنون میں بہت ترقی کی۔

مصوری و موسیقی میں ان کے طفیل خاص رنگ پیدا ہو گیا۔ جس کو عام طور پر "انڈو پرشین سکول" کہا جاتا ہے۔ اکبر کے درباری نقاشوں میں ہندوؤں کی تعداد زیادہ تھی اور اسی طرح موسیقی دانوں میں بھی ہندوؤں کو اکثریت حاصل تھی۔ گریرسن صاحب لکھتے ہیں۔ کہ اکبر کے عہد میں "ہندی" زبان کو اتنی ترقی ہوئی۔ کہ کبھی نہیں ہوئی ہو گی۔ اسی زمانے میں رامائن لکھی گئی۔ جو ہندی لٹریچر کی بہترین کتاب ہے۔ غرض اکبر نے ہندوؤں کے لئے وہ کیا۔ جو خود ہرش نے اور اشوکا نے نہیں کیا ہو گا۔

جہانگیر

اکبر کے بعد جہانگیر کا زمانہ آتا ہے۔ بیٹے نے باپ کی پیروی کی۔ اور سلطنت کا وہ نظام جس میں ہندو برابر کے شریک تھے۔ قائم رکھا، جہانگیر توزک میں جدروپ سنیاسی کی ملاقات کا حال لکھتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ ہندو سنیاسیوں کا تذکرہ عزت کے ساتھ کرتا ہے۔ ان کے تہواروں میں شامل ہوتا ہے۔ دیوالی۔ سلونو کے موقعوں پر دربار لگاتا ہے۔ ایک دفعہ جوتک رائے منجم کو سونے کے ساتھ تلوایا۔ اور وہ سونا اسی کو دے دیا۔ ایک دفعہ راجہ سورج سنگھ نے ایک ہندو شاعر کو دربار میں پیش کیا۔ جہانگیر نے اس سے ہندو نظم سنی۔ اور پھر ایک ہاتھی بطور انعام کے دیا۔ اس کے دربار میں بشنداس مصور نہایت معزز تھا۔ جہانگیر نے ایک موقعہ پر اس کو خان عالم سفیر کے ساتھ ایران بھیجا۔ تاکہ ایران کے بادشاہ کی شبیہ کھینچ لائے۔

شاہجہان

شاہجہان کے دربار میں بھی وہی سلسلہ اور وہی اسلوب قائم رہا۔ مہاپاتر اور رام داس اس کے دربار کے بہترین موسیقی دان تھے۔ شاہ جہان کے زمانے میں ہندوؤں نے پھر پر پرزے نکال لئے تھے۔ جس کا علاج اس کو کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ بعض بغاوتوں کے فرو کرنے کے حالات دستیاب ہوتے ہیں۔ شاہ جہان کا زمانہ "عمارتوں" کا زمانہ تھا۔ اس نے جتنی عمارتیں بنوائیں۔ ان میں ہندو معماروں اور کاریگروں سے فائدہ اٹھایا۔

دارا شکوہ

شاہ جہان کے بیٹوں میں سے ہم دارا شکوہ کا ذکر سب سے پہلے کرتے ہیں۔ دارا کے متعلق علامہ اقبال لکھتے ہیں:۔

تخم الحادے کہ اکبر پرورید
باز اندر فطرت دارا دمید

دارا اپنی طبیعت کے لحاظ سے اکبر سے زیادہ ہندو پسند تھا۔ اکبر زیادہ خواندہ آدمی نہ تھا۔ لیکن دارا شکوہ علم و فضل کے لحاظ سے یکتا تھا۔ اس لئے اس کا علمی رتبہ اپنے اندر بہت سی باتیں پنہاں رکھتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وید اور قرآن ایک ہی چیز ہے۔ اس میں شبہ نہیں۔ کہ اگر وید خدا کا کلام ہے۔ تو وہ قرآن کی طرح ہی کلام الٰہی ہو سکتا ہے۔ دارا شکوہ نے ہندو ویدانت کی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ اپنشد کا نام سر الاسرار رکھا۔ اس کے علاوہ بھگوت گیتا۔ جوگ بششت۔ رسالہ حق نما۔ مکالمہ بابا لال داس۔ اور مجمع البحرین وغیرہ کتابیں اس کی تصنیف ہیں۔ یہ سب کی سب ہندوؤں سے متعلق ہیں۔ مجمع البحرین میں ہندو تصوف اور اسلامی تصوف کے مقام اتصال پر بحث کی ہے۔ دارا برہمنوں اور جوگیوں کے ساتھ صحبت رکھتا تھا۔ وہ جب بنارس کا گورنر ہوا۔ تو اس نے برہمنوں کی بہت عزت افزائی کی۔ اور ان کی مدد سے وید کا ترجمہ شروع کیا۔ وہ اپنی انگشتری پر بجائے اسمائے الٰہی کے "پربھو" کے الفاظ کھدوایا کرتا تھا۔ اس کے باوجود جیسا کہ جادو ناتھ سرکار نے ثابت کیا ہے۔ وہ کافر نہ تھا صرف صوفی تھا۔ اور ہندو اس کے زمانہ گورنری میں ہر جگہ زیادہ رسوخ حاصل کر لیا کرتے تھے۔ اس کے دربار میں اکثر منشی ہندو ہی تھے۔ برہمن ولی رام اور رائے بہار امل وغیرہ کے ساتھ دارا شکوہ کے خاص تعلقات تھے۔ اور دارا شکوہ کی نظر عنایت کی وجہ سے وہ بہت خوش حال

عالمگیر اعظم

لیکن داراشکوہ کے اندر حکمرانی کی قابلیت نہ تھی جس کی وجہ سے وہ اورنگ زیب کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکا۔ اورنگ زیب کا نام ہندوستان کی تاریخ میں حد سے زیادہ غلط فہمیوں کا مرکز بنا ہوا ہے۔ علامہ شبلی نے جو کچھ اس کے متعلق لکھ ڈالا ہے۔ ہم اس پر اضافہ نہیں کر سکتے۔ آپ کے ارشادات کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ اورنگ زیب نے جو کچھ کیا۔ وہ سیاسی وجوہ کی بنا پر کیا اس لئے بدنصیب عالمگیر کو یاران وطن جتنا قابل نفرت سمجھتے ہیں۔ وہ اتنا قابل نفرت نہیں۔

راقم الحروف نے ہندوؤں کے فارسی لٹریچر کا خاص طور پر مطالعہ کیا ہے۔ اور اس نتیجے پر پہنچا ہے۔ کہ اورنگ زیب کے زمانے میں ہندوؤں نے بہت سا اچھا فارسی لٹریچر پیدا کیا۔ ان میں اچھے اچھے مورخ پیدا ہوئے۔ جن کی تاریخیں غالباً یکتا حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ ہندو منشی اور عالم اکثر حکومت کے ملازم تھے۔ اس لئے یہ کہنا نہایت نامناسب ہے۔ کہ اورنگ زیب نے ہندو ملازموں کو برطرف کر دیا تھا۔ ہم آخری وقت تک دیکھتے ہیں۔ کہ اورنگ زیب کی ملازمت میں ہندو موجود رہے۔

آرنلڈ صاحب نے اپنی کتاب "پریچنگ آف اسلام" میں اورنگ زیب کی ایک تحریر کا ذکر کیا ہے۔ جس کے رُو سے یہ ثابت کیا ہے۔ کہ عالمگیر ملکی معاملات میں تعصب کو جگہ نہیں دیتا تھا۔ اور بتلایا ہے۔ کہ اس کے عہد میں بھی نوکریاں لوگوں کی قابلیت کی بنا پر ملتی رہیں۔ نہ کہ کسی اور لحاظ سے (پریچنگ آف اسلام)

دکن اور کشمیر کے سلاطین

دکن میں بھی ہندوؤں کے ساتھ اکثر مسلمانوں کی طرف سے اچھا سلوک ہوتا رہا۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے۔ کہ ۱۶۱۰ء کے قریب میں کل دفتروں میں برہمن ہی برہمن نظر آتے ہیں۔ فیروز شاہ بہمنی نے اپنے عہد میں بہت سے برہمنوں کو معاملات ملکی میں دخیل بنایا۔ ابراہیم عادل شاہ والی بیجاپور نے ہندوؤں کی خاطر فارسی زبان کے بجائے ہندی زبان کو جاری کیا۔ اور برہمنوں کو بڑے بڑے عہدے دئے۔ ایک فرانسیسی سیاح تہیونو ۱۶۸۸ء میں جب بیجاپور آیا۔ تو اس کو ہندو ہی ہندو عہدوں پر قابض نظر آئے۔

سلطان زین العابدین والی کشمیر کے عہد میں ہندوؤں کے ساتھ بہت سی مراعات روا رکھی گئیں۔ اُس نے برہمنوں کے لئے خاص جاگیریں مقرر کیں۔ مذہب ... معاملے میں بالکل آزادی روا رکھی۔ مندروں کے ... کے لئے جاگیریں اور وظیفے مقرر کئے۔

خاتمہ

اس مختصر سے مقالہ سے یہ ثابت کرنا مق... مسلمانوں کا عہد، تہذیب، تمدن اور شائ... کسی زمانے سے کم نہ تھا۔ وقت اور تخیل کے م... اقوام کو ہر قسم کی جائز مراعات حاصل تھیں۔ ... کے زمانے میں گجرات میں ہندوؤں اور مسل... ایک فساد ہو گیا۔ قاضی نے اپنا فیصلہ ہندو... میں صادر کیا۔ اور اپنے ہم مذہبوں کے ظلم و عد... لئے شرع میں کوئی گنجائش نہ چھوڑی۔ یہ تھا وہ زما... جس میں ہندو اور تمام دوسری اقوام نے ایک ہزار سال تک خوشحالی کے ساتھ زندگی بسر کی۔ اور اگر کبھی اتفاق سے انقلاب بھی آئے۔ تو تمام قوموں نے مردانہ وار ہتھیاروں کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا۔ آج اس تہذیب کے زمانے میں اگر انقلاب نمودار ہو۔ تو تہذیب کی برکتوں سے ہم اپنی حفاظت بھی نہ کر سکیں گے۔ آخر میں میری انگریز مؤرخوں سے درخواست ہے ؎

عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو
نفیِ حکمت مکن از بہرِ دلِ عامے چند

سرودِ حیات!

(از حضرت اختر شیرانی)

بربطِ کائنات پر نغمہ سرا ہے زندگی! — مستِ نوا ہے زندگی!
وادیٔ مہر و ماہ تک بال کشا ہے زندگی! — جلوہ نما ہے زندگی!
جس کی کچھ ابتدا نہیں جس کی کچھ انتہا نہیں! — جس کو کبھی فنا نہیں
خوابگہِ سکوں میں وہ موجِ صدا ہے زندگی! — عکسِ صبا ہے زندگی!
سینۂ کاشتکار میں، دامنِ کشت زار میں! — موسمِ شعلہ بار میں
بن کے لہو کا اضطراب ہمہمہ زا ہے زندگی! — نغمہ سرا ہے زندگی!
جام ہیں مختلف تو ہوں ان میں شراب ایک ہے! — جوہرِ ناب ایک ہے!
سازِ فنا کے پردوں میں ایک صدا ہے زندگی! — ایک نوا ہے زندگی!
اس کی ہوائے کیف پر تیر رہی ہے کائنات — مستِ شرابِ حسیات!
طائرِ دہر کے لئے ایک فضا ہے زندگی! — ایک ہوا ہے زندگی!
رہ روِ راہِ ارتقا کے لئے ایک مقام ہے! — راہزنِ خرام ہے!
... — ... زندگی!

چچا چھکن نے ایک بات سنی

(از سید امتیاز علی تاج)

جاتا بھی تھا - چچا چھکن میں مسلسل دو منٹ کسی کی بات سننے کی تاب نہیں - مین میخ نکالنا ان کی عادت ہے۔ بات کاٹے بغیر ان سے رہا نہیں جاتا - لفظ لفظ پر ٹوکتے ہیں۔ مگر ہونی شدنی - ہو گئی حماقت - رات کو اپنے دوست پنڈت درگا پرشاد کو کھانے پر بلا رکھا تھا - کھانے سے فارغ ہونے کے بعد انگیٹھی بیچ میں رکھے - گاؤ تکیوں سے ٹیک لگائے مزے سے چاندنیوں پر نیم دراز تھے - سامنے چلغوزوں کے ڈھیر لگے تھے - کھا بھی رہے تھے - باتیں بھی کرتے جا رہے تھے - سرور سا جما ہوا تھا - اطمینان اور بے فکری سے بیٹھے ہوں - اور پنڈت جی کا دل بولنے کو چاہ رہا ہو - تو یوں سمجھئے - پھول جھڑتے ہیں منہ سے۔ جی چاہتا ہے صحبت جمی رہے - اور یوں ہی بیٹھے ان کی باتیں سنا کریں - جو بات ہو ایسے سلیقے اور شستگی سے کہتے ہیں - اور اپنے اندازِ بیان سے اس میں ایسی جان سی ڈال دیتے ہیں - کہ سماں بندھ جاتا ہے -

پنڈت جی ہمیں اپنے ایک سفر کا واقعہ سنا رہے تھے - کہ انہوں نے کس طرح ایک اسٹیشن پر گاڑی بدلتے وقت درجے میں آموں کی ایک گٹھڑی رکھی دیکھی - اور اسے لاوارث سمجھ کر اپنے اسباب میں شامل کر لیا - اس کے کچھ آم تو مزے مزے لے لے کر کھاؤ - اور کچھ آموں سے پیدل سڑک کے مسافروں کا نشانہ بناتے رہے - پھر بعض وجوہ سے ڈر کر کہ کہیں چوری کھل نہ جائے - باقی آم اور نئی دوہر جس میں وہ لپٹے ہوئے تھے - چلتی گاڑی میں سے باہر پھینک دی - یوں اپنی چوری کے تمام سراغ مٹا کر بڑی تسلی سے سفر کرتے رہے - لیکن منزلِ مقصود پر اپنے گھر پہنچ کر آیا - جب پہنچے کے تھوڑی دیر بعد کیا دیکھتے ہیں - کہ گھر کی ماما کسی چیز کو تلاش کرتی ہوئی باہر نکلی اور بولی میاں میں نے ریل میں سوار ہوتے وقت اپنی نئی دوہر جس میں سو قلمی آم بندھے تھے - آپ کے درجے میں رکھ دی تھی - وہ اسباب میں نظر نہیں آتی -

پنڈت جی نے یہ واقعہ ایسے مزے سے بیان کیا - اور آخر میں ایسی مضحکہ انگیز صورت بنا کر اپنی حماقت کا اعتراف کیا - کہ ہنسی کے مارے سب کے پیٹ میں بل پڑ پڑ گئے، ہماری ہنسی کی آواز کہیں چچا چھکن کے کان میں بھی پہنچ گئی، دروازہ کھول کر پوچھنے لگے، "ارے بھئی - کیا واقعہ ہوا - جو یہ قہقہے اُڑ رہے ہیں؟"

ہم سب کھڑے ہو گئے - پنڈت جی آداب بجا لائے - بجوب سے نظر آئے - تو چچا نے انہی سے پوچھا "ارے بھئی پنڈت - یہ کیا پھلجھڑیاں چھوڑ رہے ہو - کچھ ہمیں بھی تو بتاؤ؟"

پنڈت جی نے شرما کر جواب دیا "کچھ نہیں صاحب - یوں ہی اِدھر اُدھر کی باتیں ہو رہی تھیں۔"

بیٹھے بٹھائے میری جو شامت آئے - کہیں کہ بیٹھا "پنڈت جی - یہ ریل کا قصہ تو چچا میاں کو بھی سنا دیجیے۔"

چچا چھکن عام طور سے تو جلد ہی سو رہنے کے عادی ہیں لیکن اس وقت تو جیسے اشارے کے منتظر کھڑے تھے -

پنڈت جی ہاں یا نہیں بھی نہ کہنے پاتے تھے - کہ کواڑ کھول یہ کہتے ہوئے اندر تشریف لے آئے "ہاں پنڈت جی ہم بھی تو سنیں - وہ ریل کا کیا قصہ ہے؟"

یہ کہہ کر چچا انگیٹھی کے قریب پھسکڑا مار کر بیٹھ گئے - رضائی کو از سرِ نو تکلف سے اوڑھا - کندھوں پر ڈالا - زانوؤں کے نیچے دبایا - کنٹوپ پر ہاتھ پھیر کر اسے سر پر ٹھیک جمایا - ذرا دیر اس کے بند سے شغل کیا - باندھنا چاہا - نہ باندھے - پھر ذرا ہاتھ سینکے - پہلو کو جھک کر خاصدان کا جائزہ لیا - بولے "ہاں پنڈت جی - تو کیا قصہ ہے وہ؟"

پنڈت جی ابھی زبان بھی کھولنے نہ پائے تھے - کہ ارشاد ہوا "حقہ نہیں پیتے پنڈت جی؟" انہوں نے بمشکل "جی نہیں" کہا ہو گا کہ بولے "بھلا حقے کے بغیر بات چیت کا کیا مزہ؟"

زنان خانے کی طرف منہ کر بندو اور امامی کو آوازیں دینی شروع کر دیں - ارے یہاں آؤ - سنتے ہو - یہاں آؤ کوئی - ابے نہیں سنا؟ کان چر لے گئے کیا؟ او بندو! او امامی! کہاں مر گئے کم بختو! دیکھا - بس سو گئے دونوں کے دونوں - ان بدمعاشوں کو ایسی سرِ شام سونے کی عادت پڑی ہے - کہ فکر ہی نہیں رہی کسی بات کی - ابے آتے ہو یا میں آؤں؟ لاحول ولا - بھئی بڑے حرام خور ہیں یہ لونڈے - قصور سارا تمہاری چچی کا ہے - شام سے روٹی ڈال کر کم بختوں کو چھٹی کر دیتی ہیں - خیر - جی تو پنڈت جی - کیا تھا وہ قصہ؟ مگر کچھ مزہ نہیں بات چیت کا حقے کے بغیر - ارے بھئی للو - ذرا تم جا کر حقہ نہیں بھر لاتے؟ شاباش شاباش - جیتے رہو - مگر دیکھنا ذرا تازہ کر لینا حقہ - سمجھ گئے نہ؟ اور سننا تو ادھر آنا - اور بات تو سنو - بڑا عیب ہے تم لوگوں میں کہ آدھی بات سن کر چل پڑتے ہو - طاق میں سے خمیرہ لے لینا - آج ہی آیا ہے لکھنؤ سے - [illegible] سیر کے حساب سے کچھ سادہ تمباکو اس میں ملا لینا - بڑا مہنگا ہو گیا ہے خمیرہ صاحب - خود اپنے زمانے کی بات کہتا ہوں کہ [illegible] سیر کے حساب سے خریدا ہے میں نے - ایک دکان تھی لکھنؤ میں حسینے کی - سبحان اللہ کیا بناتا تھا خمیرہ - کش لگاتے ہی ارواح خوش ہو جاتی تھی - جب لکھنؤ جاتا - اس کے ہاں سے اکٹھا خرید لاتا تھا - اور اب تو وہ بات ہی نہیں رہی تمباکو میں - کہنے کو خمیرہ کہیے یا جو جی چاہے - نرا گوبر ہوتا ہے - خیر - تو ہاں وہ قصہ کیا تھا پنڈت جی؟

پنڈت جی اتنا ہی کہنے پائے تھے "اجی قصہ کیا ہوتا یوں ہی ایک بات سنا رہا تھا سفر کی - عرض کئے دیتا ہوں" کہ اتنے میں چچا کی نظر چھٹن پر پڑ گئی "ارے یہ چھٹن بھی ہے یہاں! کیسا دبک کر بیٹھا ہے - کہ نظر بھی تو نہ آیا مجھے - ارے سویا نہیں تو اب تک؟ صبح اُٹھے گا کیسے؟ ملاجی باہر کھڑے چیخا کریں گے -

اور پڑا چارپائی پر کرڑیں لیا کریگا - چل اندر - ہیں اوں اوں؟ یہ اوں اوں کیا معنی؟ اب اوں اوں کرو یا روں روں - جا کر سونا ہو گا - نہ صاحب عادت بگڑتی ہے بچے کی - چلو جا کر سوؤ - ... جی تو پھر؟ - میں نے کہا - خاصدان میں برابر کا ٹکڑا بھی ہے کوئی؟ ذرا تم جا کر نہیں لے آتے وہ تو؟ ساتھ ہی مرادآبادی تمباکو بھی رکھتے لانا - جی تو پنڈت جی پھر - غرضیکہ سفر کیا تھا آپ نے خوب؟"

پنڈت جی بولے "پچھلی گرمیوں مراد آباد میں ایک عزیز کی شادی تھی - سواریوں کو وہاں پہنچانے کے لئے میرٹھ سے میں اور میرا چھوٹا بھائی روانہ ہوئے - ہاپڑ جنکشن پر گاڑی بدلنی تھی - وہاں جو اُترے ..."

کہاں؟

"میرٹھ سے مراد آباد جاتے ہوئے گاڑی ہاپڑ جنکشن پر بدلنی پڑتی ہے؟"

"یہ میرٹھ اور مراد آباد کے راستے میں ہاپڑ کہاں سے آ گیا؟"

"صاحب مجھے تو یہی راستہ معلوم ہے؟"

"اور جو دوسرا راستہ ہو؟"

"کم از کم نزدیک کا راستہ تو یہی ہے؟"

"اے لیجیے - اب دور نزدیک پر آ گئے - یوں ہی سہی - ہماری آدھی عمر بھی ریلوں ہی کا سفر کرتے گذری ہے میں آپ کو سیل ٹرین کا راستہ بتاتا ہوں - پھر تو دور نزدیک کا مسئلہ بھی ہو جائیگا حل ہے سنئے - میرٹھ سے جائیے سہارنپور - سمجھ گئے - اور جناب سہارنپور سے لکسر - لکسر سے نجیب آباد ..."

"کلکتہ میل کا راستہ؟"

"اب بیچ میں نہ ٹوکئے - پورا راستہ سن لیجیے مجھ سے نجیب آباد سے نگینہ - نگینہ سے دھام پور - اور جناب دھام پور سے مراد آباد - آیا سمجھ میں؟ یہی گاڑی آگے شاہجہانپور - لکھنؤ، بنارس کی طرف نکل جاتی ہے، مگر اس موقع پر اس کے تذکرے سے کیا حاصل - ہمیں تو صرف مراد آباد کے راستے سے سروکار ہے۔"

پنڈت جی نے کہا "جی ہاں یہ راستہ تو میل ٹرین ہی کا ہے - مگر دور کا ہے - میں قریب ترین راستے سے روانہ ہوا تھا۔"

چچا نے فرمایا "یوں آپ کو ہر راستے سے روانہ ہونے کا اختیار تھا - لیکن یہ خیال آپ کا صحیح نہیں کہ ہمارا بتایا ہوا راستہ دور کا ہے - اور یقین نہ ہو - تو ٹائم ٹیبل دیکھ کر اپنا اطمینان کر لیجیے - ٹائم ٹیبل شاید موجود نہ ہو گھر میں - ورنہ ابھی طے ہو جاتی یہ بات بہر خیر - اگر بالفرض وہ راستہ دور کا بھی تھا - جب بھی یہ غلطی تھی آپ کی - کہ سواریوں کو ساتھ لے کر

ایسے راستے سے گئے - جدھر سے گاڑی بدلنی پڑتی تھی "۔

پنڈت جی دبی زبان سے بولے " اس راستے بھی سہارنپور پر گاڑی بدلنے کی ضرورت ہوتی -

چچا کنٹوپ کے بند باندھنے لگے " بدلنے کی ضرورت ہوتی ؟ یقین ہے ؟ اچھا ، پھر تو کچھ ایسی غلطی نہیں کی آپنے - خیر وہ کسی راستے ہی گئے آپ - اب اس بعد از وقت بحث سے کیا حاصل - آپ بات کہئے نہ "۔

پنڈت جی نے کہا " تو صاحب اسباب تھا ہمارے ساتھ زیادہ "۔

چچا نے حاشیہ آرائی کی " وہ تو ہونا ہی تھا - آخر شادی بیاہ میں جا رہے تھے - اور پھر ساتھ سواریاں - کچھ نہ پوچھئے - ایسے موقعوں پر یہ عورتیں کیا کچھ سامان ساتھ لے کر نکلتی ہیں - ٹرنک اور بکس اور گٹھڑیاں اور ٹوکریاں اور بستر اور جانے کیا کیا - اُف مجھے میرا تو سوچ سے دم اُلجھتا ہے "۔

پنڈت جی بولے " جی ہاں - تو ہاپڑ میں ہم آ تنے اپنے درجے سے اسباب اتاریں - ہاپڑ اُترنے والے مسافر اسٹیشن سے باہر چلے گئے - جب ہم سارا اسباب اُتار چکے تو کیا دیکھتے ہیں - کہ درجے میں اوپر کے تختے پر ایک گٹھڑی رکھی ہوئی ہے - جو ہماری نہ تھی "۔

ددو پان لے کر آ گیا - چچا پان کھانے میں مصروف ہو گئے - پنڈت جی ان کی توجہ دوسری طرف دیکھ کر رک گئے - تو تقاضا ہوا - آپ کہے جائیے - میں سن رہا ہوں - پان کھول کر کتھا چونا دیکھا - کتھا زیادہ تھا - زیر لب کچھ اُس پر تنقید ہوئی - " اب تک پان لگانے کا سلیقہ بھی نہیں آیا - اچھا خاصا پلستر ہے کتھے کا - لاحول ولا " کتھا پونچھا - پان کھایا - چھالیہ تماکو ہتھیلی پر رکھ کر پھنکی لگائی - پان کلّے میں دبایا - پنڈت جی کی دلداری کو مسکرا کر فرمایا " آپ تو خاموش ہو گئے پنڈت جی ؟

پنڈت جی بے صبری سے اس عمل کے تمام ہونے کا انتظار کر رہے تھے - چچا کو متوجہ دیکھ کر پھر شروع ہو گئے -

" ساری ٹرین خالی ہو گئی تھی - چنانچہ یقین تھا - کہ اب مالک نہ آئے گا - دل میں شوق پیدا ہوا - کہ گٹھڑی کھول کر دیکھئے تو اس میں کیا ہے - میں نے اُسے اُٹھا کر کھولا - تو کیا دیکھتا ہوں - کہ سہارنپور کے نہایت اعلیٰ درجے کے مالدہ آم قریب ایک سو کے رکھے ہیں "۔

چچا منہ اونچا کر کے پیک سنبھالتے ہوئے بولے " لے بھئی - ذرا اللہ دان یاد دلانا " پیک تھوکی - باچھیں پونچھیں بولے -

" یہ سہارنپور کے کیسے آم کہے آپ نے ؟ مالدہ آم ! اور سہارن پور کے ؟ بھلا سہارن پور میں مالدہ آم کہاں سے آیا ؟ اماں یہ تم پنجاب کی طرف کے اضلاع کے لوگ آموں کی قسموں کے صحیح نام بھی نہیں جانتے ؟ مالدہ آم ہوتا ہے بڑا سا - پھیکا پھیکا - ریشہ دار - جسے تم لوگ بمبئی کا آم کہتے ہو - اور یہ جو سہارنپور کا قلمی آم ہوتا ہے یہ ہے اصل میں بمبئی کا آم - دونوں میں بڑا فرق ہے - خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا - آپ اپنا قصہ جاری رکھئے "۔

پنڈت جی بے چاروں پر اب تک کچھ اوس سی پڑ گئی تھی - مگر تقاضا سن کر پھر شروع ہو گئے -

" اگرچہ وہ بیگانہ مال تھا - اور ہمیں کسی طرح اس کا کھانا مناسب نہ تھا - مگر عمر کا تقاضا - تنہائی کا موقع اور نہایت پکے آم - رہا نہ گیا - ہم نے سوچا - اب کون انہیں ریل والوں کے سپرد کرتا پھرے - اور ریل والے ہی ایسے کہاں کے ایماندار ہیں - کہ مالک کو واپس کر دیں گے چنانچہ وہ آم بھی ہم نے اپنے اسباب میں شامل کر لئے "۔

اس پر چچا نے ایک دلداری کا قہقہہ لگایا - اور بولے " غرضیکہ خوب آم ملے کھانے کو - نہایت دلچسپ واقعہ تھا " پنڈت بے چارہ حیران کہ یہ ادھ بیچ میں داد کیسی - دو تین دفعہ کہنے کی کوشش بھی کی - کہ صاحب باقی بات تو سُن لیجے - مگر چچا نے مربیانہ انداز میں سر ہلا ہلا کر انہیں بولنے کی مہلت ہی نہ دی - کہنے لگے " سمجھ گیا - سمجھ گیا - خوب آم اُڑائے پھر - نہایت خوب - ہمیں بھی ایک مرتبہ اسی قسم کا واقعہ پیش آیا - مراد آباد سے الہ آباد جا رہے تھے ہم - راستے میں پڑا وہ جنکشن - وہ ہے نہ - کیا نام ہے اس کا - وہ - اے توبہ - دیکھو اچھا سا نام ہے اس کا - زبان پر پھر رہا ہے - یاد نہیں آتا - اماں وہ ہے نہیں جنکشن جہاں سے وہ چھوٹی لائن کسی طرف کو جاتی ہے - تمہیں تو یاد ہو گا للّو - تم ہی تو تھے ہمارے ساتھ - نہیں کیسے ہوا ، ہم خود تمہیں لیکر گئے تھے ساتھ - یاد نہیں - وہ تمہارا آدھا ٹکٹ لئے لینے پر ٹکٹ بابو سے قصہ

ہوگیا تھا؟ اور نہیں تو کیا۔ اد بھی الہ آباد جاتے ہوئے ہی تو؟ فیطن آباد؟ اچھا؟ فیض آباد! ٹھیک ہے ہاں ٹھیک ہے۔ تم فیض آباد ہی کے سفر میں ساتھ تھے۔ خیر اُس کا اِس موقع پر کیا ذکر۔ تو وہ صاحب نہ معلوم کیا نام تھا اس جنکشن کا۔ خیر وہ کچھ ہی تھا۔ نام معلوم ہونا بھی ایسا کیا ضروری ہے۔ تو وہاں سے ایک لالہ ہمارے درجے میں سوار ہوئے۔ وہ بھی یوں ہی اپنی ایک کوری ہنڈیا جس میں پیڑے تھے۔ درجے میں چھوڑ گئے تھے۔ وہ بعد میں ہمارے ہاتھ لگے۔ تو اس قسم کے دلچسپ واقعات اکثر ریل کے سفر میں درپیش آتے رہتے ہیں۔"

چچا نے بات ختم کر کے خاصدان پر توجہ کی۔ محفل پر خاموشی طاری ہوگئی۔ پنڈت بیچارے کی حالت عجیب تھی۔ فیصلہ نہ کر سکتا تھا۔ کہ بات ختم کرے یا چپ ہو رہے آخر میں نے ان کی پریشانی رفع کرنے کے لئے کہا۔ "تو پنڈت جی بات تو ختم کیجئے"۔

چچا چونک کر بولے۔ "اچھا ابھی باقی ہی بات۔ لیجئے ہم تو سمجھے تھے ختم ہوگئی۔ تو بھلا آپ نے ادھ بیچ میں کیوں چھوڑ دی۔ فرمایئے نہ۔ میں ہمہ تن گوش ہوں"۔

پنڈت نے بے بسی کے انداز میں ہم سب کو دیکھا۔ اور پھر شروع ہوگیا "اتفاق سے ہم دوسری گاڑی کے جس درجے میں سوار ہوئے۔ اس میں اور کوئی مسافر نہ تھا بے فکری سے آم کھانے شروع کر دیئے"

"تراش کر کھائے ہوں گے؟"

پنڈت جی نے کہا "جی نہیں چوسے ہی تھے۔ غالباً چاقو جیب میں موجود نہ تھا"۔

چچا نے زیادہ تعرض نہ کیا۔ "خیر خیر۔ کیا مضائقہ ہے۔ سفر میں چھوٹی موٹی چیزیں ساتھ لے جانی کہاں یاد رہتی ہیں۔ پر چوسنے میں مزہ نہیں رہتا قلمی آم کا"۔

پنڈت جی نے ایک واضح وقفے میں انتظار کیا۔ کہ شاید چچا کچھ اور بھی فرمائیں۔ وہ خاموش رہے۔ تو بات آگے شروع کر دی "دس بارہ ہی آم کھا کر پیٹ بھر گیا دو چار اور زبردستی کھائے۔ جب دیکھا کہ لبوں اور حلق سے نیچے نہیں اُترتے۔ اور رسید کی ڈکار پر ڈکار آرہی ہے۔ تو ہاتھ منہ دھو اُٹھ کھڑے ہوئے۔ پیٹ پر ہاتھ پھیرا۔ اور اللہ کا شکر ادا کیا۔۔۔۔"

چچا جھکن نے پھر ایک حاشیہ چڑھایا "کہ بے مانگے ایسی مزیدار نعمت عطا فرمائی"۔

پنڈت جی اب ان حاشیہ آرائیوں سے ایسے خائف ہوگئے تھے۔ کہ چچا کی بات ختم ہو جانے کے بعد بھی ان کی زبان نہ کھلتی تھی۔ کچھ تو اُلجھن کی وجہ سے حواس غائب ہو جاتے۔ کچھ یہ اندیشہ ہوتا۔ کہ بات ابھی اور باقی نہ ہو۔ کچھ دیر کے توقف کے بعد انہوں نے ذرا تیزی سے داستان بیان کرنی شروع کی۔

"پیٹ بھرے پر سوجھی شرارت۔ ریل کی پٹڑی کے ساتھ ساتھ پیدل مسافروں کی سڑک تھی۔ اس پر مسافر آجا رہے تھے۔ ان پر آموں کی دُہری باڑ مارنی شروع کر دی۔ جس کے نشانہ ٹھیک بیٹھتا۔ وہ تو سر پکڑ کر سوچتا رہ جاتا۔ کہ یہ آسمانی گولہ کہاں سے آیا۔ جو وار خالی جاتا۔ اس کی بدولت مسافروں کو مفت کا آم کھانے کو ہاتھ آتا"۔

"بھئی واہ وا۔ لے آئے حقہ؟ بس رکھ دو یہیں پر۔ ۔۔۔تو غرضیکہ پنڈت جی ایک کھیل ہاتھ آگیا آپ کے ۔۔۔ تازہ کر لیا تھا نہ حقہ؟ ۔۔۔ جی تو پنڈت جی۔ اور کیا وہ گیا ۔۔۔ تو اندرکھ کر لائے۔ حالانکہ کہہ بھی دیا تھا میں نے۔ اور خود بھی دیکھ رہے تھے۔ کہ چار آدمی بیٹھے ہیں۔ محفل جمی ہوئی ہے۔ باتیں ہو رہی ہیں۔ بڑے نالائق ہو۔ خیر۔ آپ بات کہئے پنڈت جی ۔۔۔ چلم بجھ گئی۔ تو تم ہی کو پھر بھر کر لانی پڑیگی ۔۔۔ جی پنڈت جی؟"

پنڈت جی کھسیانے سے ہوگئے تھے۔ مگر ہم لوگوں کا لحاظ۔ ایک بار پھر حوصلہ کر کے بولنے کی ٹھانی "ہماری ان شرارتوں کو ریل کا گارڈ بھی بریک میں کھڑا دیکھ رہا تھا۔ آخر اس سے ضبط نہ ہو سکا۔ پائیدان پائیدان چلتا ہوا ہماری گاڑی میں آن پہنچا۔ اور ہم نشانہ تاک رہے تھے۔ کہ یک بیک آکر ہمیں پکڑ لیا"۔

چچا نے ذرا گردن اٹھا کر اور آنکھیں جھپکا جھپکا کر اپنا متاثر ہونے کا ثبوت دیا "ہیں ہے!"

"گارڈ نے ہم کو ڈانٹنا ڈپٹنا شروع کیا۔ کہ تم پیدل مسافروں کو تکلیف پہنچا رہے ہو۔ میں نے مجبوراً یہ بہانہ بنایا۔ کہ کچھ آم سڑ گئے تھے۔ اس لئے ہم انہیں پھینک رہے ہیں۔ ہم نے خیال نہ کیا تھا۔ کہ کوئی مسافر بھی پر جا رہا ہے"۔

چچا نے یک لخت ایسی بلند آواز میں ایک "واہ وا" کی جیسے کسی بوتل کا کاگ اچانک کھل گیا ہو "سبحان اللہ کیا بات پیدا کی آپ نے!"

کچھ دیر کو جیسے پنڈت جی کی زبان بند ہوگئی۔ حیرت

کے عالم میں ہمارا منہ تکنے لگے ۔ ہم سب کی یہ کیفیت کہ شرم سے پسینہ پسینہ ہو رہے ہیں ۔ غصّے کی لہریں اُٹھتی ہیں ۔ اور ٹھنڈی پڑ پڑ جاتی ہیں ۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں ان سے کہا ۔ جس طرح ہو ختم کیجئے اس داستان کو ۔ چنانچہ بھرّائی ہوئی سی آواز میں پھر شروع کر دی داستان ۔ بولے "میں نے گارڈ کو اطمینان دلا۔ کہ اب ایسی حرکت نہ ہو گی ۔ چنانچہ وہ ہم پر بگڑ بگڑا کر رخصت ہو گیا ۔ اب . . . ."

"چلا گیا ؟ تو یوں کہیئے رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت ۔ بعض اوقات تو یہ لوگ ایسا پریشان کر دیتے ہیں ۔ کہ ناک میں دم آ جاتا ہے ۔ اب دیکھیئے ۔ ایک اچھا واقعہ عرض کرتا ہوں ۔ سنہ ۔ خدا تمہارا بھلا کرے ۔ سنہ ۔ نو کا ذکر ہو گا یا دس کا ۔ یا گیارہ ہی ہو تو پتہ نہیں ۔ بہر حال کچھ ہی تھا وہ ۔ اسی زمانہ کا واقعہ ہے سنہ یاد آ گیا ہمیں ۔ سنہ ۱۰ ہی کی بات ہے ۔ ان ہی دنوں بادشاہ ایڈورڈ ہفتم کا انتقال ہوا تھا ۔ ہم سہارن پور سے مراد آباد جا رہے تھے ۔ گھر کے لوگ بھی ہمارے ہمراہ تھے ۔ بچوں میں بس یہ للو تھا گود میں ۔ یا شاید ددو بھی ۔ نہ ددو نہیں ہوا تھا پیدا ۔ بہر حال ۔ تو بات یہ تھی ۔ کہ ہماری خوش دامن کچھ —— غرضیکہ بعض عوارض تھے انہیں ۔ خطوط کے ذریعے ہمیں معلوم ہو چکا تھا ۔ کہ وہ علاج کروانے کے لئے شاہ جہان پور جانے والی ہیں ۔ ہم نے انہیں خط میں لکھ دیا تھا کہ ہم مراد آباد کا ٹکٹ لے کر روانہ ہوں گے ۔ اگر اس عرصہ میں آپ شاہ جہان پور چلی جائیں ۔ تو ایسا انتظام کر دی جائے گا ۔ کہ ہمیں اسٹیشن ہی پر اس کی اطلاع مل جائے ۔ اور اگر آپ رخصت ہو چکی ہوں ۔ تو ہم بجائے مراد آباد اترنے کے اسی گاڑی میں شاہجہان پور روانہ ہو جائیں ۔ لیجئے جناب ہمارے پہنچتے پہنچتے وہ شاہجہان پور روانہ ہو گئیں ۔ اسٹیشن پر ہمیں اس کی اطلاع ملی ۔ رات کا وقت تھا ۔ سردی کا موسم ۔ ہم نے سوچا ۔ کہ اب کون اُتر کر آگے کا ٹکٹ لے ۔ شاہجہان پور پہنچ کر مراد آباد سے وہاں تک کا کرایہ ادا کر دیں گے ۔ وہاں پہنچے تو ہماری شرافت ملاحظہ فرمائیے ۔ کہ ریل والوں کو صاف صاف کہہ دیا ۔ کہ بھائی لوگو ۔ ہمارا ٹکٹ مراد آباد تک کا تھا ۔ باقی تمہارا جو کچھ ہمارے ذمّے نکلتا ہو ۔ اب لے لو ۔ لیجئے صاحب وہ تو اکڑ گئے ۔ کہیں ۔ کہ ہم تو دُگنا کرایہ لیں گے ۔ ہمارا قاعدہ یہی ہے ۔ بہتیرا سمجھایا ۔ لڑے جھگڑے ۔ منت خوشامد کی ۔ مگر بے سود ۔ مجبوراً دُگنا کرایہ ادا کر کے خلاصی ہوئی ۔ تو میرا یہ بیان کرنے سے مطلب یہ ۔ کہ یہ ریل والے جب ستانے پر تل جائیں ۔ تو کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھتے ۔"

چچا حقّہ پینے لگے ۔ محفل پر ایک ناگوار سا سکوت چھا گیا پنڈت جی کی اب یہ کیفیت گویا کسی نشے سے دماغ سن ہو گیا ہے ہم سب کی عجیب حالت ۔ داستان جاری رکھنے کو کہیں ۔ تو قطع کلام کا ڈر ۔ خاموش ہو رہیں ۔ تو یہ شرمندگی کہ پنڈت جی کی بات ادھ بیچ میں رہ گئی ۔ اتنے میں چچا چھکن نے کہنیاں اُٹھا اُٹھا کر انگڑائیاں اور جمائیاں لینی شروع کر دیں ۔ اس سے کچھ ڈھارس بندھی ۔ کہ چچا اب زیادہ دیر نہ بیٹھیں گے اور بات شاید جلد ختم ہو سکے ۔ چنانچہ ہلکے سے کہہ دیا ۔ "جی پنڈت جی پھر !"

چچا نے ایک نئی جمائی لے کر کہا "ختم نہیں ہوئی ابھی بات ؟ تو پھر کہہ ڈالئے جلدی سے ۔ اب تو کچھ نیند آ چلی ہمیں ۔ کیا وقت ہو گیا ہو گا ؟ سوا گیارہ ۔ اُفوہ ۔ دیکھیئے تو بات چیت میں وقت کیسی جلدی گزر جاتا ہے ۔ ہاں تو کیا رہ گیا باقی اب ؟"۔

پنڈت جی کے لئے ایسی حالت میں یہ کہنے کے سوا چارہ نہ تھا ۔ کہ ایسی کون سی ضروری بات ہے ۔ کہ اسے ختم ہی کیا جائے ۔ نیند آ رہی ہے ۔ تو آپ اب آرام فرمایئے ۔ چچا چھکن نہ مانے ۔ بولے "نہ نہ ختم کر دیجئے آپ ۔ ختم کر دیجئے آپ ۔ ایسی جلدی نہیں مجھے ۔ وہ بات یہ ہے ۔ کہ جلد سو رہنے اور صبح جلد اُٹھنے کا عادی ہوں ۔ تاہم کیا ہوا ۔ آپ شوق سے فرمایئے ۔"

پنڈت جی بیچارے کھوئے کھوئے ایک مردہ تبسّم سے پھر گویا ہوئے ۔ بات شروع تو تفریح کے لئے کی گئی تھی ۔ پر حالت یہ تھی ۔ کہ کوئی باہر سے آتا ۔ تو اُسے قطعی طور سے یہ معلوم ہوتا ۔ کہ پنڈت سے کوئی بہت بڑا جرم ہو گیا ہے ۔ جس کے لئے یہ غریب چچا چھکن سے معافی مانگ رہا ہے ۔

"گارڈ کے جانے کے بعد ہمیں فکر ہوئی ۔ کہ اوّل تو چوری کا مال کھایا ۔ اور پھر اس پر یہ شرارت کہ اس کی خبر گارڈ تک پہنچی ۔ اب اگر کوئی جھگڑا اُٹھا ۔ اور باقی آم اور کپڑا ہمارے پاس سے نکلا ۔ تو خاصہ چوری کا مقدمہ بن جائیگا ۔ (چچا چھکن کی جمائی) چنانچہ یہ سوچا ۔ کہ جو آم باقی ہیں ۔ اُنہیں چپکے سے پھینک دیا جائے ۔ تاکہ کوئی سُراغ باقی نہ رہے ۔ چنانچہ ہم نے آم اور وہ نئی دوہر جس میں وہ بندھے ہوئے تھے ۔ لپیٹ کر چلتی گاڑی میں سے پھینک دی ۔ (چچا چھکن کی جماہی جس کے آخر میں کچھ اس قسم کا شور تھا ۔ جیسے منہ چڑھاتے وقت کیا جاتا ہے) ۔

تھوڑی دیر بعد ہمارا سفر ختم ہو گیا - اور ہم فرداً فرداً کر اپنے گھر پہنچے "......

چچا اُٹھ کھڑے ہوئے "بھئی ہمیں تو نیند آ گئی - پنڈت جی - قصہ تو بڑا دلچسپ تھا - مگر بقول آپ کے ایسی کونسی ضروری بات ہے - کہ اب اسے ختم ہی کیا جائے - میں تو معافی چاہتا ہوں - انہیں سنائیے آپ "

ذرا سی بات باقی رہ گئی تھی - ہم سب نے کہا -

"چچا میاں - بس ذرا سی تو بات باقی ہے - اب سن ہی لیجیے "

"نہ بھئی اب تو سوئیں گے ہی ہم"

"دو تین ہی تو فقرے ہیں"

"بس ایلکم ہی سنتے رہو"

"ہم تو سُن چکے تھے - آپ ہی کو تو سنا رہے تھے پنڈت جی "

"آنکھیں مچی جا رہی ہیں"

"ہاں ہاں آرام فرمائیے آپ "

"ہاں بس اب لیٹوں گا - وہ وہ وہ - تم پانی اور پانی ہمارے سرہانے رکھ دینا - اور للّو یہاں سے اُٹھ کر حقہ بھی ہمارے پلنگ کے ساتھ رکھ آنا - صبح ضرورت ہوگی ہمیں - مگر دیکھنا چلم باہر اُلٹ لینا - اور للّو وہ دوا ہماری رکھنا نہ بھول جانا - اور شاید یہ اُگالدان بھی تو ہمارے ہی کمرے کا ہے یہاں - یہ بھی اپنے ٹھکانے پر پہنچ جائے - سمجھ لیا نہ "

"چچا میاں اتنی دیر میں تو بات ختم بھی ہو جاتی "

چچا اصرار سے کچھ چڑ گئے - بولے "ہوتی تو ہو جاتی - پھر ہم کیا کریں - بات نہ ہوئی مذاق ہی ہو گیا "

مایوس ہو کر مجھے اس کے سوا چارہ نظر نہ آیا - کہ پکار پکار کر کہوں ! "وہ چچا میاں وہ آم کی گٹھڑی اصل میں پنڈت جی ہی کی مہکی تھی - گھر جا کر بھید کھلا - اور پھر یہ پچھتائے دوہرا اور آم پھینکنے پڑے "

"ہماری بلا سے "

یہ کہہ کر چچا زور سے دروازہ بند کر اندر چلے گئے - ایسا معلوم ہوتا تھا - ہمارے اصرار سے وہ اور سمجھ گئے ہیں - ان کے جانے کے بعد کمرے میں سناٹا طاری ہو گیا - پہلی مرتبہ ہمیں احساس ہوا - کہ کلاک چل رہا ہے

عدن پر انگریزی قبضے کی داستان

دُنیا کا ایک محیّر العقول قدرتی حصار

انگلستان سے ہندوستان تک جو بحری راستہ ہے۔ اس پر جا بجا نہایت اہم جنگی مقامات ہیں جن میں سے جبل طارق جزیرہ مالٹا نہر سویز۔ خلیج عقبہ۔ باب المندب۔ مع جزیرہ پرم اور عدن کو بالخصوص بے حد اہمیت حاصل ہے۔ ایک زمانہ تھا۔ جب یہ تمام مقامات مسلمانوں کے قبضے میں تھے۔ لیکن اب سارے کے سارے انگریزوں کے قبضے میں ہیں۔ اور ان کی وسیع سلطنت کی حفاظت کے مایۂ ناز مراکز ہیں۔ ایک خلیج عقبہ اب تک باقی تھی۔ لیکن شریف حسین اور اس کے بیٹے عبداللہ کی غداری و اسلام فروشی نے ۱۹۲۵ء میں یہ محفوظ بحری مقام بھی انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ یہاں ان تمام مقامات کے مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل کر انگریزوں کے تسلط میں جانے کی داستان بیان نہیں کی جا سکتی۔ نہر سویز کی تاریخ الگ مضمون میں درج کی جا چکی ہے۔ یہ مضمون صرف عدن کے زوال سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اس میں ضمناً پرم کا ذکر بھی آ جائیگا

قدرتی استحکامات

عدن کے قدرتی استحکامات کی حقیقی حیثیت الفاظ میں واضح نہیں ہو سکتی۔ اس کی اہمیت کا صحیح اندازہ صرف دیکھ کر کیا جا سکتا ہے۔ اختصاراً یہ سمجھ لیجئے۔ کہ خشک بے آب و گیاہ اور جلے ہوئے پہاڑ کا ایک ٹکڑا سمندر کا سینہ چیر کر آگے نکل آیا ہے! اور اس نے جزیرہ نما کی شکل اختیار کر لی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ قدرت نے خود ایک نہایت مضبوط و مستحکم حصار تعمیر کر کے اسے سمندر کے کنارے پر رکھ دیا ہے۔ تاکہ بحیرۂ قلزم کے جنوبی دہانے یعنی باب المندب اور بحیرۂ عرب پر قاہر ی، و فرمانفرمائی کے ایک محفوظ مرکز کا کام دے سکے۔ اور عرب سے ہندوستان تک کے بحری راستے کی حفاظت کرے۔ خلیج ... میں داخل ہوں۔ تو دائیں ہاتھ پر پہاڑ کا ایک مضبوط اور ... نظر آتا ہے۔ جو جزیرہ نمائے عدن کے بالکل سامنے کے حصے پر مشتمل ہے۔ بظاہر یہ ہر قسم کی سبزی سے خالی اور سیاہی مائل رنگ کا پہاڑ ہے۔ لیکن بیان کیا جاتا ہے کہ اس کے نیچے بہت سے زمین دوز اور پوشیدہ ذخائر حرب و ضرب ہیں۔ اس کے بالمقابل اسی قسم کا ایک اور پہاڑ ہے۔ یہ دونوں پہاڑ خلیج عدن کے بیرونی پھاٹک کے دو بازو ہیں۔ اس پھاٹک کے اندر آ جائیں۔ تو کچھ عمارتیں نظر آتی ہیں۔ لیکن یہ عمارتیں بندرگاہوں سے متعلق ہیں۔ اصل شہر عدن جہازوں کے ٹھہرنے کی جگہ سے کم از کم تین میل کے فاصلے پر ہے۔

شہر عدن

عدن کے بیرونی استحکامات کی مجمل سی کیفیت اوپر بیان ہو چکی ہے۔ اندرونی استحکامات اس سے کم نہیں ہیں اصل شہر عدن ایک خاموش آتش فشاں پہاڑ کے دہانے میں واقع ہے اس کے بعد غالباً یہ بتلانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ کہ اس کے چاروں طرف قدرت نے ایک نہایت اونچی اور ناقابل شکست جبلی دیوار کھڑی کر رکھی ہے جس میں سے ایاب و ذہاب کے صرف تین راستے ہیں یا بالفاظ صحیح تر دو تنگ دروازے اور ایک سرنگ ہے۔ ساحل کی طرف سے شہر میں داخل ہونے کا دروازہ بلند جبلی دیوار کو کاٹ کر بنایا گیا ہے جس میں سے صرف دو موٹر لاریاں گزر سکتی ہیں۔ دوسرے دروازے کی بھی یہی کیفیت ہے۔ تیسرا راستہ پہاڑ کے نیچے سے ہو کر باہر گیا ہے۔ اگر دشمن شہر پر حملہ کرے۔ تو وہ جب تک سارے پہاڑوں کو توڑ کر فنا نہ کر دے۔ شہر تک نہیں پہنچ سکتا بلا شائبہ مبالغہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ اس حصار کو ساز و سامان جنگ کے ساتھ مسخر کرنا تقریباً غیر ممکن ہے۔ انگریزوں نے حصار میں جا بجا چھوٹے چھوٹے قلعے بنا دیئے ہیں جن میں ہر وقت سامان جنگ کا ذخیرہ موجود رہتا ہے۔ شہر کی عمارتیں اچھی ہیں۔ بازار عمدہ ہیں۔ قہوہ خانوں کی کثرت ہے۔ پانی یہاں کمیاب ہے۔ آج کل لحج سے پانی لایا جاتا ہے۔

گرد و پیش کا علاقہ

عدن کے ساتھ مختصر سا خطۂ زمین براہ راست انگریزوں کے ماتحت ہے۔ اس کی حد شیخ عثمان تک ہے۔ جو عدن و لحج کے درمیان ایک مشہور مقام ہے۔ یہاں نمک بکثرت بنایا جاتا ہے باقی گرد و پیش کا علاقہ معاہدات کے ذریعہ سے یا تو انگریزوں کا حکمبردار ہے۔ یا وظیفہ خوار۔ اس علاقہ میں متعدد قبائل آباد ہیں۔ ہر قبیلے کی مستقل امارتیں ہیں۔ بعض قبائل کی دو دو تین تین امارتیں ہیں۔ ان تمام امارتوں نے مدت سے انگریزوں کے ساتھ تعلقات پیدا کر رکھے ہیں۔ مثلاً قبیلہ الواحدی جس کا صدر مقام حبان ہے۔ قبیلہ العوالق کے دو حصے ہیں۔ ایک کا صدر مقام انصاب ہے۔ دوسرے کا یشبوم قبیلہ العواذل جس کا صدر مقام و ثینہ ہے۔ قبیلہ یرافع۔ قبیلہ قطیبی۔ قبیلہ حواشب۔ قبیلہ عقارب۔ قبیلہ صبیحہ۔ وغیرہ۔ قبیلہ الفضلی اور قبیلہ العبادلہ کی عمارتیں زیادہ مشہور ہیں۔ اول الذکر امارت۔ امارت شقرہ کے نام سے مشہور ہے۔ اور آخر الذکر امارت لحج کے نام سے۔

اُمرائے قبائل کی حیثیت

انگریزوں نے ان امارتوں کے ساتھ جو معاہدے کر رکھے ہیں۔ ان کے رو سے ہر امیر قبیلہ کو ماہانہ وظیفہ ملتا ہے جن کے وظائف کی مجمل سی کیفیت درج ذیل ہے۔ اس کے ساتھ ہر امارت کی باقاعدہ فوج کے اعداد بھی دے دیئے گئے ہیں:۔

نام امیر و امارت	تعداد فوج	وظیفہ
عبدالکریم سلطان لحج	دو ہزار	۳۲۸۰ روپے
عبدالقادر بن حسین سلطان شقرہ	ایک ہزار	۳۶۰ ″
صالح بن عبداللہ سلطان عوالق علیا	ایک ہزار	۲۵۰ ″
محسن بن فرید شیخ عوالق علیا	ایک ہزار	۳۵۰ ″
محسن بن اویس ″ ″	ایک ہزار	۱۵۰ ″
ابوبکر بن ناصر سلطان عوالق سفلی	ایک ہزار	۱۶۰ ″
سلطان محسن بن علی (یرافع)	تین ہزار	۲۰۰ ″
صالح بن عمر		۸۰ ″
شیخ سالم بن صالح		۸۰ ″
″ ابوبکر علی		۱۰۰ ″
شیخ محمد علی محسن		۵۰ روپے
″ عبدالرحمن المفلحی		۸۰ ″
محسن بن علی سلطان حواشب	ایک ہزار	۴۰۰ ″
نصر بن شائف امیر ضالع	ایک ہزار	۳۰۰ ″
محمد صالح الافرم شیخ القطیب	پانچ سو	۱۰۰ ″
عبدالنبی العلوی شیخ قبیلہ صہیب	پانچ سو	۱۰۰ ″

گویا یہ پندرہ سولہ شیوخ و امراء و سلاطین انگریزوں سے ماہانہ چھ ہزار چالیس روپے لیکر اپنی آزادیوں کو فروخت کئے بیٹھے ہیں۔

عدن پر ترک کی قبضہ

ترک پہلے پہل سلطان سلیمان اعظم کے زمانے میں عدن پر قابض ہوئے۔ یہ ۱۵۳۸ء کا واقعہ ہے۔ ۱۵۳۹ء میں عرب کے سارے جنوبی ساحل پر ترکوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس وقت ترک گورنر صنعا میں رہتا تھا۔ بعد میں زیدی اماموں نے بغاوت کی۔ اور دیر تک کشمکش ہوتی رہی۔ تاآنکہ ترکوں کی مرکزی حکومت کمزور ہو گئی اور کپتان خیرالدین پاشا نے جو عظیم الشان جنگی بیڑا تیار کر دیا تھا۔ وہ تباہ ہو گیا۔ نتیجہ یہ نکلا۔ کہ ۱۶۳۳ء میں ترک یمن کو خالی کر گئے۔ اس کے ساتھ ہی عدن بھی ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔

یورپی قوموں کی آمد

اس کے بعد پرتگیزوں نے عدن پر قبضہ جما لیا۔ اور یہاں بڑے عجیب و غریب قلعے بنائے جس کے آثار اب تک باقی ہیں بیان کیا جاتا ہے کہ یہ قلعے پہاڑوں کے اندر ایسے عجیب طریقے پر بنائے گئے ہیں کہ اگر کوئی ناواقف انسان ان میں داخل ہو جائے تو پھر اس کے لئے باہر نکلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ پرتگیزوں کے بعد فرانسیسوں کا تسلط ہو گیا لیکن ان میں سے کوئی قوم بھی یہاں جم کر نہ ٹھہر سکی۔

عدن پر لحج کا قبضہ

۱۷۲۸ء میں لحج کے شیخ نے امام یمن کے خلاف بغاوت کا علم بلند کر دیا اور گرد و پیش کے امراء و شیوخ کو ساتھ ملا کر ایک مختصر سی مستقل امارت قائم کر لی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے عدن پر بھی قبضہ جما لیا۔ ۱۷۲۸ء تک عدن بہرحال یمن کے ماتحت سمجھا جاتا تھا۔ لیکن شیخ لحج کی بغاوت کے بعد یہ لحج سے متعلق ہو گیا

انگریزوں کی آمد

انگریزوں کا سب سے پہلا جہاز عدن ۱۶۰۹ء میں پہنچا تھا لیکن اس جہاز کے کپتان شارپی کو قید کر لیا گیا اور جہاز کا سارا سامان قبضے میں لے لیا گیا۔ ۱۶۱۰ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے سرہنری مڈلٹن کو تین جہاز دے کر بھیجا۔ اس کے ساتھ بھی اچھا سلوک نہ ہوا اور اسے یہ تنبیہ کر کے واپس بھیج دیا گیا کہ انگریزوں کو پھر سواحل عرب کا رُخ نہیں کرنا چاہیئے۔ لیکن ۱۶۱۲ء میں پھر ایک انگریز تین جہاز لے کر مخا پہنچ گیا۔ اور ۱۶۱۸ء میں سر ٹامس رو نے جو جہانگیر کے دربار میں بھی آیا تھا مخا میں ایک انگریزوں کا کارخانہ قائم کر دیا۔



نقشہ عدن

سلطان لحج سے تعلقات

۱۷۹۹ء میں نپولین نے مصر پر حملہ کر دیا اس وقت انگریزوں کو یہ اندیشہ تھا کہ کہیں مصر سے فرانسیسی فوج ہندوستان پر نہ چڑھ آئے اور چونکہ ٹیپو سلطان شہید اور نپولین میں مفاہمت ہو چکی تھی اس لئے انگریز چاہتے تھے کہ بحیرہ قلزم سے فرانسیسیوں کو آگے نہ بڑھنے دیں۔ چنانچہ کرنیل مرے کو اس مہم پر روانہ کیا گیا جس نے ۱۷۹۹ء میں باب المندب کے مشہور جزیرے پرم پر قبضہ کر لیا۔ لیکن بعد ازاں اسے بے آب سمجھ کر چھوڑ دیا گیا۔ اس زمانے میں سلطان لحج سے انگریزوں کے تعلقات پیدا ہو گئے۔ ۱۸۰۲ء میں سلطان لحج اور انگریزی حکومت کے مابین دوستانہ معاہدہ ہو گیا جس کے رو سے انگریزوں کو عدن میں تجارت کرنے کی اجازت مل گئی۔

یمن کے ساتھ معاہدہ

۱۸۱۷ء میں حکومت یمن نے مخا میں انگریزی کوٹھی پر گولہ باری کی جس کے جواب میں انگریزوں نے ۱۸۲۱ء میں ایک بیڑا انتقام گیری کے لئے بھیجدیا۔ ۱۸۲۱ء میں انگریزوں اور یمن کے مابین معاہدہ ہو گیا۔ اگرچہ امام یمن نے اس کی تصدیق نہ کی۔

سلطان ترکی کا پروانہ

جب محمد علی پاشا والی مصر اور سلطان ترکی کے درمیان لڑائی شروع ہو گئی تو انگریزوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر سلطان ترکی سے سلطنت عثمانیہ میں آزادانہ تجارت کا پروانہ حاصل کر لیا۔ اور عدن کی بندرگاہ بھی لے لی۔ بعد ازاں کمانڈر ہینز کو تحقیق حالات کے لئے بھیجا گیا۔ ہینز نے جزیرہ سقوطرہ پر قبضہ کر لیا۔ اور کوشش کی کہ سلطان سقوطرہ یہ جزیرہ انگریزوں کے ہاتھ فروخت کر دے۔ مگر سلطان نے انکار کر دیا۔ انگریزوں نے بجبر قبضے کی ٹھانی مگر وہاں ان کی فوج بیماری سے تباہ ہو گئی لہٰذا وہ اسے چھوڑ آئے اگرچہ بعد ازاں یہ مقام پھر انگریزوں کے قبضے میں آ گیا۔ اور اب تک انہی کے قبضہ میں ہے

عدن پر قبضے کی تیاری

اس کے بعد پھر عدن کی طرف توجہ مبذول ہو گئی۔ اسی زمانے میں ایک جہاز عدن کے ساحل پر لوٹ گیا تھا۔ جس کا مال و اسباب سلطان لحج کے آدمیوں نے لے لیا تھا۔ ہینز کو حکومت بمبئی نے عدن بھیجا اور اس نے سلطان لحج سے بارہ ہزار ڈالر ہرجانہ کا مطالبہ کیا۔ سلطان نے جہاز کے متعلق علم سے بھی انکار کیا۔ لیکن آخر کار بحث و تمحیص کے بعد اس نے آٹھ ہزار سات سو اشرفیاں ماہانہ لے کر عدن کی حوالگی پر آمادگی ظاہر کی۔

لڑائی اور قبضہ

لیکن بعد ازاں سلطان کو اس قرارداد کی پابندی میں تامل ہوا۔ اس پر ہینز فوج لے کر عدن پہنچ گیا۔ اور معمولی سی کشمکش کے بعد ۱۸۳۹ء میں عدن پر قابض ہو گیا۔ وہی اس علاقے کا پہلا گورنر بنا۔ اس وقت عدن ایک معمولی سا گاؤں تھا۔ اور اس کی آبادی زیادہ تر یہود پر مشتمل تھی۔

ہینز کا انجام

ہینز ۱۸۳۹ء سے کر ۱۸۵۳ء تک عدن کا گورنر رہا۔ اس اثنا میں وہ گرد و پیش کے امرائے قبائل سے معاہدے کرتا رہا اور انگریزی اقتدار کو تقویت دیتا رہا۔ ۱۸۵۳ء میں معلوم ہوا کہ عدن کی انتظامی حالت اچھی نہیں ہے۔ ایک کمیشن مقرر کیا گیا۔ ہینز کے خلاف بہت سی شکائتیں ہوئیں جن کی بنا پر اسے بمبئی میں بلا کر عدالت کے روبرو پیش کیا گیا۔ عدم ادائے رقم کے جرم میں اسے جیلخانے میں بھیجدیا گیا اور وہ چھ سال قید رہا آخر ۱۶ر جون ۱۸۶۰ء کو اس کا انتقال ہو گیا اور وہ بمبئی میں دفن ہوا۔

تسلط کی توسیع

اس کے بعد انگریز آہستہ آہستہ اپنا حلقۂ اقتدار بڑھاتے رہے۔ لحج سے انہوں نے شیخ عثمان لے لیا۔ اور باقی علاقے پر بھی قبضہ کر لیا۔ آج کل عدن کے گرد و پیش کا کافی حصہ یا تو براہ راست ان کے زیر اقتدار ہے یا بالواسطہ ان کے زیر اثر ہے۔ اور خود منصف مزاج انگریز بھی تسلیم کرتے ہیں کہ انگریزوں نے فوجی اغراض کو ہر دوسری شئے پر مقدم رکھا۔

جنگ یورپ

جنگ یورپ کے دوران میں انگریزوں کو ترک حملے سے سابقہ پڑا۔ ۱۲-۱۱-۱۹۱۱ء تک یمن کو اپنے ساتھ ملا چکے تھے۔ دنومبر ۱۹۱۴ء میں ترک شریک جنگ ہوئے اور یمن میں ان کی فوجیں جمع ہو گئیں۔ انگریزوں نے اس کے جواب میں شیخ سعید پر گولہ باری کی۔ اس پر امام یمن بگڑ بیٹھا اس وقت علی سعید پاشا ترکی افواج کا جرنیل تھا۔ اس نے ماویہ سے اپنی فوجیں آگے بڑھائیں۔ ضالع کے امیر نے انگریزوں سے امداد طلب کی مگر امداد نہ ملی۔ اور معمولی سی کشمکش کے بعد ترک لحج پر قابض ہو گئے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی پیش قدمی جاری رکھی اور شیخ عثمان پر بھی قبضہ جما لیا۔

علی سعید پاشا کا حسن انتظام

ترک متارکہ تک اس علاقے پر قابض رہے لیکن عدن کو فتح نہ کر سکے۔ علی سعید پاشا نے قلیل سی مدت میں سارے علاقے کا انتظام درست کر دیا۔ سڑکیں بنا دیں۔ ہسپتال کھول دیئے۔ اور رفاہ عام کے دوسرے بہت سے انتظامات کئے۔ متارکہ کے بعد علی سعید پاشا عدن آ گیا اور یہاں چند روز ٹھہر کر ترکی چلا گیا۔ ہیرلڈ جیکب نے اپنی کتاب "ملوک عرب" میں اس کی بے حد تعریف کی ہے۔

موجودہ حالت

عدن اس وقت ایک بہت بڑا شہر ہے اور اس کی آبادی ۴۴ ہزار سے زائد ہے۔ شیخ عثمان میں نمک کے تین بڑے کارخانے ہیں۔ شہر کی آبادی بہت بڑھ گئی ہے۔ عمارتیں اچھی ہیں۔ بندرگاہ کے پاس اعلےٰ درجے کی دکانیں ہیں۔ تجارت خوب ہوتی ہے۔ عدن سے لحج تک چھوٹی ریل بنی ہوئی ہے جو شیخ عثمان سے ہو کر جاتی ہے۔ عدن میں اگر کوئی نقص ہے تو یہ ہے کہ وہاں پانی کا انتظام اچھا نہیں اور موجودہ حالت میں پینے کا پانی لحج سے آتا ہے۔ یہ ایک اعلےٰ درجے کا جنگی مقام ہے۔ جس پر قبضہ انگریزوں کے لئے باعث صد ہزار فخر و مباہات ہے

افغانی بغاوت

(از حضرت ضیاء الملک مُلّا رموزی)

آج جبکہ مملکت اسلامیہ مستقلہ افغانستان میں بغاوت رونما ہو چکی ہے، اور ہندوستان اپنی جغرافیائی قربت کی وجہ سے اس بغاوت سے بہت کافی متاثر ہو رہا ہے، اور حادثہ کے وقت دماغی توازن اور تحمل کھو دینے والے اخبارات اسی ایک موضوع پر دماغ وقلم کی ساری قوتیں ختم کر رہے ہیں، تو ضرورت ہے، کہ اس موضوع کی اصل وصورت اور اس کے مقاصد ونتائج پر یوں طبع آزمائی کر لی جائے کہ ایک مرتبہ یا تو بغاوت "نہایت صفائی سے سمجھ میں آجائے، یا پھر اس کے وجود ہی سے انکار کر کے اطمینان حاصل کر لیا جائے:،

اب اگر اس موضوع پر عربی مدارس کے طلبہ کی طرح بحث کی جائے، تو پہلے لفظ بغاوت ہی کی صرف ونحو، لغت، فصاحت اور بلاغت کے ذریعہ تحلیل کرنا لازم آئے گا، اور خدا جھوٹ نہ بلوائے تو کوئی دس بارہ صفحات نہایت لیاقت سے اسی بحث کے نذر ہو جائیں گے، اور جو علی گڑھ والوں کے رنگ میں کچھ لکھا جائے تو اس صورت میں صرف "لیڈیز اینڈ جنٹلمین" کے بعد ہی سے بحث کا آغاز ہو جائے گا، اور جو اُن قوانین کے رو سے بحث ہو جن کے ذریعہ برطانوی حکومت ہندوستان میں قائم ہے تو اس صورت میں ہر جگہ لفظ "ہرگاہ" لانا پڑیگا، نتیجہ یہ ہوگا کہ ان تمام صورتوں سے علم منطق کی ایک کتاب تو تیار ہو جائے گی، مگر اصل معاملہ کسی کی سمجھ میں نہ آئے گا، اس لئے آپ یوں سمجھ لیجئے، کہ بغاوت کہتے ہیں اصل میں تانگے کے اُس گھوڑے کو جو سیدھا چلتے چلتے یکایک نالی کی طرف چلنے لگتا ہے، یہ گویا آغاز بغاوت ہے، پھر جب تانگے والا اس کے ہنٹر رسید کرے اور اس طرح کہ ہنٹروں کا تار ہی نہ ٹوٹے تو پھر یہ گھوڑا اپنی دونوں ٹانگیں تانگے والے کے رسید کرتا ہے، مگر وہ بجائے تانگے والے کے تانگے کی لکڑیوں پر پڑتی ہیں: یہاں سے بغاوت میں وہ نازک سا اشتعال پیدا ہوتا ہے جسے ہم نظر محسوس نہیں کر سکتے، لیکن جب گھوڑا الٹا چلتے چلتے تانگے کو نالی میں دے مارے اور تانگے کی سواریاں کود کود کر دور جا کھڑی ہوں اور تانگے والا تانگے سے اتر کر گھوڑے پر پھر ہنٹروں کی بارش شروع کر دے تو گھوڑا خوب خوب کودے اُچھلے، پھاندے، اور پھر اسی حال میں وہ بغیر سواریوں کے سوار کئے جدھر منہ ہو اُسی طرف مع تانگہ یوں بھاگے کہ تانگے والا اس کے پیچھے "ہیٹا صاحب" اور "بچا صاحب" کہتا ہوا بھاگا چلا جائے، مگر گھوڑا ٹھہرنے کا نام بھی نہ لے اور پھر تانگا کسی درخت، دکان کی چھت، یا کسی گلی کوچے میں یوں اُلجھ جائے، یا پھنس جائے، یا اَڑ جائے، یا رُک جائے، کہ گھوڑے کا تمام چرمی سامان ٹوٹ جائے، اور یہاں سے گھوڑا پھر بے تحاشہ بھاگے اور دو چار آدمی زخمی کر کے کسی جگہ خود ہی ٹھیر جائے، یا پولیس والے کے ہاتھ آجائے، اور اب تانگے والا اُسے بجائے مارنے اور گالی دینے کے چمکارتا ہوا گھر لے آئے تو سمجھو کہ بغاوت مکمل ہو گئی اور مقصدِ بغاوت بھی پورا ہو گیا،

ایک بغاوت یہ ہے کہ کوئی "ننھے میاں" اپنی والدہ سے لڈو کے لئے پیسے طلب کریں اور جو والدہ پیسہ نہ دیں، تو ننھے میاں زمین پر دھڑام سے گر پڑیں پھر روئیں، چلائیں، ایڑیاں رگڑیں، کپڑے پھاڑیں اور اُٹھیں تو برتن توڑیں تو سمجھو کہ بغاوت کا آغاز ہو گیا، پھر جب ننھے میاں کی والدہ چھوٹی سی رسی لیکر آئیں اور ننھے میاں کے دونوں ہاتھ باندھ کر کسی کھم سے لٹکا کر دو چار چانٹے بھی رسید کریں، پھر تھوڑی دیر میں خود ہی ہاتھ کھول کر منہ دھلائیں اور پیار کر کے کہیں کہ "رونا بند کر دو تو پیسہ دیتے ہیں" لیکن ننھے میاں اس پر بھی رونا بند نہ کریں تو اُن کی والدہ اُنہیں دروازہ سے باہر نکال کر دروازہ بند کر لیں، تو ننھے میاں دروازہ پر بیٹھ جائیں اور روتے جائیں، پھر وہ غصہ سے دروازہ توڑنے کی کوشش بھی کریں اور روتے بھی جائیں، پھر وہ کبھی بہت ہی زور سے رونے لگیں، اور کبھی بالکل ہی آہستہ، کبھی اُٹھ کر گھر پر پتھر بھی پھینکدیں اور روتے بھی جائیں اتنے میں ننھے میاں کے والد صاحب دفتر سے آئیں اور وہ "ارے کیوں بیٹے" کہہ کر انہیں گود میں لیں اور دروازہ کھلوا کر اندر جائیں، اور انہیں پیسہ دے کر ننھے میاں کی والدہ کو زور سے ڈانٹ دیں، اور جھوٹ موٹ کو مارنے بھی دوڑیں تو سمجھو کہ بغاوت پوری ہو گئی اور مقصد بغاوت بھی پورا ہو گیا،

ایک بغاوت یہ ہے کہ ابتدائی عمر میں اسکول جانے اور تعلیم حاصل کرنے کو آپ اور آپکے ساتھی جہالت، حماقت اور مصیبت سمجھیں مگر والدین آپ کو اسکول جانے پر برابر مجبور کریں، پھر اسکول میں سبق یاد نہ ہونے اور روزانہ وقت سے وقت تک حاضر نہ رہنے پر ماسٹر صاحب کلاس ہی میں آپ سے کہیں،

کیوں بے نالائق،

اچھا تو لانا ذرا بید،

کھڑا ہو بنچ پر،

لا ہاتھ لا ہاتھ،

اچھا تو کان پکڑ،

ابے ایمان سے نا کہ نہیں،

اچھا تو اُٹھ بیٹھ کئے جا ورنہ کھال نکال دونگا،

اچھا تو پرسوں کہاں تھا، اور کل کا پرچہ اپنے باوا سے کیوں نہیں لایا؟

اس کے بعد آپ کو اس طرح پیٹا جائے، کہ آپ کی ناک سے تھوڑا سا خون نکل آئے تو سمجھ لیجئے کہ بغاوت ہونے والی ہے، پھر آپ یہاں سے سیدھے گھر جائیں، اور قمیص پر ناک کا لگا ہوا خون والدہ صاحبہ کو دکھائیں تو وہ روتی ہوئیں آپ کے والد کے پاس جائیں اور کہیں کہ خدا سمجھے اس ماسٹر کو میرے بچہ کو مار ڈالا

چولھے میں جائے ایسی تعلیم وایم :،

اس پر آپکے والد صاحب ہیڈ ماسٹر کو ایک خط لکھیں اس میں علاوہ اس ماسٹر کی برائی اور شکایت کے یہ بھی لکھ دیں، کہ میں اپنے لڑکے کو آپ کے اسکول میں اب پڑھانا نہیں چاہتا، اس لئے آپ جواب دیجئے کہ کیوں نہیں میں آپ کے ماسٹر پر حسب دفعہ فلاں قانون تعزیرات ہند مقدمہ دائر کروں؟ جبکہ ماسٹر نے میرے لڑکے کو ڈانٹا بھی اور پیٹا بھی، اس پر ہیڈ ماسٹر اسکول کی کتاب اعلان پر یہ اعلان لکھ کر سارے ماسٹروں کے اُس پر دستخط لے کہ

چونکہ فلاں ماسٹر نے علیگڈھ والوں کی ایجاد کے خلاف فلاں لڑکے کو جسمانی سزا دی ہے اور یہ آج کل کے "مدبرین تعلیم" کے اصول کے خلاف ہے اس لئے اُس ماسٹر کو آج سے برخاست یا معطل یا موقوف یا برطرف کیا جاتا ہے، امید ہے کہ آئندہ جملہ مدرسین ایسی سزا دینے سے احتیاط کریں گے،

جب معاملہ یہاں پہنچے، تو سمجھو کہ بغاوت پوری ہو گئی، اسکول سے اس طرح آزادی حاصل کر لینے کے بعد اب آپ کا تعلق چند آوارہ لوگوں سے ہو جائے، جیسا کہ کالجوں میں ہوا کرتا ہے، اور آپ روزانہ بال سنوارنے اور سائیکل پر اِدھر اُدھر گھومنے کی مشق بڑھاتے بڑھائیں یا کسی تھیٹر کمپنی یا آگرہ کے کسی شاعر کے ساتھ بھاگ جائیں، تو سمجھ لیجئے کہ اب "مقصد بغاوت" بھی پورا ہو گیا،

یہ تمام مثالیں عملی بغاوت کی ہیں، لیکن اگر آپ نہ سمجھے ہوں تو اس سے پہلے کہ خدا آپ کو سمجھے، آپ یوں سمجھ لیجئے، کہ فارسی زبان کی تمام کتابوں میں لکھا ہے، کہ بغاوت کے جامع معنی اگر ہیں تو صرف یہ کہ "تنگ آمد بجنگ آمد" لیکن عربی زبان کی ان کتابوں میں جنہیں اسکولوں اور کالجوں کی وجہ سے آپ کے ۹۵ فی صدی افراد پڑھ ہی نہ سکے، بغاوت کے معنی ہیں انسان کا وہ جذبہ یا خیال جو اُسے کسی کے خلاف اس طرح آمادہ عمل کرے کہ اب وہ اس سے اپنا مطالبہ منوا کر رہے گا، یا منوا کر اُٹھیگا یا منوا کر بیٹھے گا، یا منوا کر چھوڑے گا، یا منوا کر دکھائے گا، یا نہ منوایا تو اپنا نام ہی نہیں:،

اس کے بعد بغاوت کی اقسام ہیں جن میں سے صرف دو بیان کی جاتی ہیں، ایک "بغاوت شخصی" دوسری "جماعتی بغاوت" "شخصی بغاوت" تو یہ ہے کہ جو کسی مطلق العنان بادشاہ، صدر جمہوریہ، یا وزیر اعظم کے خلاف کی جائے، گو یہ بغاوت شخصی ہونے پر بھی شخصی نہیں ہوتی مثلاً مصطفےٰ کمال یا اٹلی کے وزیر اعظم سائینور مسولینی کے خلاف بغاوت کو شخصی بغاوت تو کہیں گے، لیکن اصل میں یہ بغاوت اُن تمام افراد واشخاص کے خلاف ہوگی، جو مصطفےٰ کمال یا مسولینی کے معاونِ کار ہیں:،

جماعتی بغاوت وہ ہے جو اقوام اور حکومتوں کے خلاف کی جائے، اور یہ بغاوت وہ ہے جسے دنیا کے مشہور "بغاوت دان" "بغاوت شناس" "بغاوت آگاہ" "بغاوت بین" اور بغاوت نگار حضرت سر مائیکل اوڈوائر بالشویک بغاوت کہتے ہیں، یعنی مملکت روس میں رہ کر ہندوستان میں بغاوت کرانا یہ ہے جماعتی بغاوت ایسی بغاوتیں جب ہوتی ہیں، تو ان میں اور جنگ عام میں بہت نازک سا فرق رہ جاتا ہے، اس کی مثال میں ارمن قوم کی بغاوتیں پیش کی جاسکتی ہیں، جو وہ ساری ترکی قوم کے خلاف کرتی رہی مگر اُس کی یہ وسیع بغاوتیں کبھی جنگ عام نہ کہلائیں،

تعریفات کے بعد بغاوت کی اصل صورت یہ ہے، کہ لوگ باگ اپنے مخالف کی تباہی کے لئے تحریر، تقریر، تصویر، تھیٹر، سینما، تصنیف، اخبار، رسالے، اور لالٹین وغیرہ سے جذبات کو ابھارتے ہیں، مثلاً کوئی اپنے مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کو لکھدے کہ

چونکہ آپ نے بغاوت افغانستان کے متعلق کوئی اعلان نہ فرمایا نہ کوئی خدمت انجام دی اس لئے مسلمانان ہند آپ سے ناراض ہیں"،

اور اس پر حضرت مولانا کو تاؤ آجائے، اس طرح جذبات کو مشتعل کرنے کے بعد مخالف کے لئے اینٹ، پتھر، لاٹھی، سوڈے کی بوتلیں، بم، گنڈاسے، کرپانیں، لالٹین میں جلانے کا تیل، اور دیا سلائی یوں استعمال کرتے ہیں، کہ لوگ کہتے ہیں کہ ارے ہائے رے وہ آگ لگی آگ:،

اس قسم کی بغاوتوں کی سزا، دھول دھپا، چانٹا، لاٹھی ایک درجن بید، سے لیکر کال کوٹھری، کالا پانی اور توپ کے ذریعہ ایک دم والا معاملہ بھی داخل ہے:،

لیکن ان عام بغاوتوں کے ساتھ ہی چند خاص بغاوتیں بھی ہیں مثلاً ہم اپنی اُون سے کہیں کہ

گرانی کا زمانہ ہے اس لئے اس عید پر پمپ جوتا نہ پہنو دیسی جوتا ہی پہن لو گی تو کیا ہو جائے گا۔

اس پر وہ ہمیں جواب دیں کہ

شرم تو نہیں۔ آ فی۔ میں نے اسی دن کے لئے اسکول سے مڈل پاس کیا تھا۔ میں ایسی بے تمیز ہوں۔ کہ دیسی جوتا پہن کر اس تہوار پر اپنے میکے جاؤں گی ہوش کی دوا کیجیے۔

اس پر ہم نے تمام شہر میں قرض روپیہ لینے کی کوشش کی مگر نہ ملا تو آکر اُون سے کہا۔ ۔ ۔ ۔

خدا کی قسم سب میں پھر آیا۔ کہیں سے روپیہ کی سبیل نہ ہوئی ولبس اب میں موجود ہوں مجھے فروخت کردو۔

اس پر وہ منہ سے تو کچھ نہ کہیں۔ مگر دل ہی دل میں کوئی فیصلہ کرلیں تو سمجھ لیجیئے کہ بغاوت ہو کر رہے گی۔ چنانچہ کچھ دیر بعد ہم اون سے کہیں۔ کہ

ذرا اوہ لوٹا اٹھا دینا۔

اس پر وہ لوٹا تو اٹھا دیں مگر ہمارے پاس لاکر اُدھ سے اس زور سے رکھیں کہ تمام محلہ اس کی آواز سن لے۔ پھر ہم کہیں۔ مجھے ذرا تکیہ تو اٹھا دو تو بغیر تلاش کے کہدیا جائے کہ۔ مجھے نہیں ملتا۔ کل سے خدا جانے کہاں کھو گیا ہے؟ پھر ہم کہیں۔ یہ گھر میں جھاڑو کیوں نہیں دی گئی۔ ننھے کے کپڑے دھوبی کے ہاں کیوں نہیں بھیجے گئے؟ تو جواب ملے کہ۔ ملازمہ کیوں نہیں رکھ لی جاتی؟ میں ایسے کام نہیں کرسکتی۔ اور نہ مجھ سے آیندہ ایسے کاموں کا کہنا۔ پھر ہم کہیں کہ یہ پانی کے برتن دھوپ میں کیوں رکھے رہتے ہیں انہیں سایہ میں کیوں نہیں رکھا گیا؟ تو جواب ملے ایسے کام کرتی ہوں گی تمہارے ہاں کی بہو بیٹیاں ہمارے گھرانے کی بیبیاں تو ایسے کام نہیں کرتیں۔

لیجیے یہاں سے وہ شخصی بغاوت شروع ہو گئی جس میں خاندان کے بقیہ ارکان بھی داخل ہو گئے۔ اس پر ہم نے کہا۔ کیوں جی یہ تم نے کیا کہا کہ تمہارے ہی گھرانے کی بہو بیٹیاں ایسے کام کرتی ہونگی تو گویا ہم لوگ کوئی بہت ہی گھٹیا قسم کے ہیں اور بس تمہارا ہی خاندان کہیں کا اعلیٰ خاندان ہے مگر اس خاندان کے لوگوں کو اس زمانے میں تو موت بھی نہیں ملتی پھر اکڑتی ہو تو کس بات پر۔ اس پر انہیں بھی تاؤ آگیا تو انہوں نے بھی کہدیا کہ جیسا جو ہوتا ہے اسے دوسرا بھی ویسا ہی نظر آتا ہے اس پر ہم نے کہا کہ بس بس اب کوئی بات اور نہ سنوں ورنہ . . . .

اب یہاں سے گفتگو بھی درہم برہم ہو گئی۔ پس جب معاملہ اس حد تک پہنچ جائے تو سمجھ لیجیے کہ اخبارات میں اس حالت کو کہیں گے کہ "شورش بڑھ رہی ہے" اور "شورش" بغاوت کا ابتدائی نام ہوتا ہے۔

چونکہ ہمارے اندر یہ صلاحیت نہیں۔ اس لئے ہم نے بھی اُون سے بات چیت جو بند کی تو انہوں نے دوسرے ہی دن ننھے میاں سے ڈولی منگا کر اپنے میکے میں جا کر قیام فرما لیا اور ہمارے گھر میں کسی سے کہہ گئیں کہ اب کی عید ہم اپنے میکے میں کریں گے اُن سے کہدینا کہ ہمارے کپڑے بھیجدیں۔ جب معاملہ اس حد تک پہنچے تو کہیں گے کہ "شورش پھیل رہی ہے"۔

ادھر انہیں چونکہ اسکول کی تعلیم پر اپنی روشن خیالی اور پھر مالدار ماں باپ پر گھمنڈ ہے اس لئے اب عید آکر چلی گئی مگر انہوں نے ہمارے ہاں آنے کا نام بھی نہ لیا۔ البتہ ننھے میاں کبھی کبھی خود ہی ہمارے پاس آگئے تو اُن سے حالات دریافت کرلئے اتنا کہہ گئے کہ

نانی اماں آپ سے بہت خفا ہیں۔

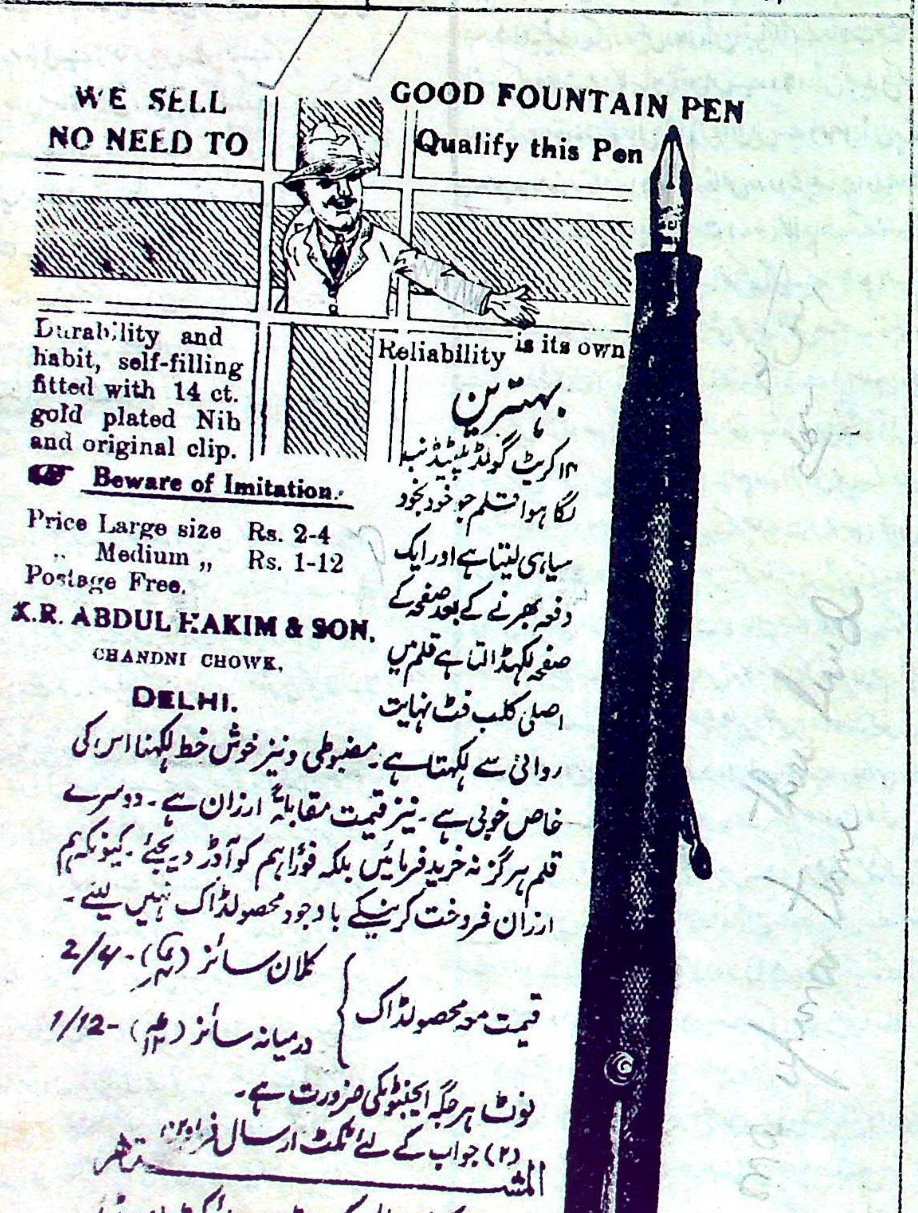
اور ماموں جان آپ پر بہت غصہ ہوئے تھے۔

اور اماں کہتی ہیں کہ اب ہم کبھی نہ جائیں گے۔ اور نانا میاں کہتے ہے کہ اب دیکھیں تمہارے ابا میاں تمہاری والدہ کو کیسے بلاتے ہیں؟

ان حالات کے بعد محلے کے لوگوں تک یہ باتیں پہنچتی ہیں تو بعض بدطینت محلے والے اُٹھتے ہیں اور ہمارے پاس آکر ان کی کچھ برائیاں کہہ جاتے ہیں اور کچھ ہمارے محلے والے اُن کے عزیزوں سے جا کر ہماری برائیاں بیان کر دیتے ہیں۔ ادھر ہماری طرف کی عورتیں ہم سے سوال کرتی ہیں کہ کیا وجہ ہے جو دلہن اب تک نہیں آئیں۔ عید کب کی گذر چکی؟ تو ہم کہتے ہیں بس بس رہنے دیجیے اب مر بھی جائیں گے تو ہم نہ بلائیں گے تو اس پر ایک آدھ عزیز صاحب فرما دیتے ہیں۔ بے شک ایسا ہی کرو۔ آخر اُن لوگوں نے سمجھا کیا ہے؟ دیکھو آج ہم فلاں صاحب کو اُن کے باپ کے پاس اور بھیجتے ہیں ورنہ میاں اور دس لڑکیاں موجود ہیں۔ یہاں تک معاملہ پہنچے تو کہتے ہیں کہ "شورش پسندوں سے سلسلہ گفت و شنید شروع ہو گیا ہے"۔ کچھ دن کے بعد اُون کے عزیز و اقارب ہمارے "ننھے میاں" کو بھی ہمارے ہاں آنے سے روک دیتے ہیں اور محلے والے ایک دوسرے کے خلاف درپردہ خوب خوب شکائتیں کرتے ہیں جسے کہتے ہیں کہ "ہوائی جہاز سے کابل پر اشتہار گرا کر مطلع کیا جا رہا ہے کہ عید کے بعد بغاوت کا سر کچل دیا جائے گا۔ اس حد تک معاملہ پہنچنے کے بعد ہمارے اور ان کے دل میں خلوص

دلوص، محبت و چاہت، اتفاق و تفاق انس و لس، تعلق و علق علاقہ و لاقہ، خیال و یال، لحاظ و حافظہ پاس و اس، یاد و اد۔ غرض کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ کہتے ہیں کہ "سلسلہ گفت و شنید منقطع ہو گیا" اس لئے فیصلے کے لیئے ایک دن فریقین کے نمائندے مع چند عزیزوں کے ایک جگہ جمع ہوتے ہیں تو ننھے میاں کے نانا میاں عرف خسر صاحب کہتے ہیں۔

"بس بس میاں دیکھ لیا۔ اب میری لڑکی گھر ہی میں سفید ہو جائے گی مگر اُن کے ہاں قیامت تک نہ جائے گی۔ میں نے اپنی بیٹی کو اس لئے نہیں بیاہا تھا کہ اس سے خادمہ کا کام لیا جائے۔ اب تو اسی میں خیر ہے کہ اس کے مہر کا تصفیہ کر دیا جائے۔ اور وہ جو اپنا زیور اور کپڑے چھوڑ آئی ہے وہ واپس کر دیئے جائیں۔ اماں غضب خدا کا اس کے تن پر ایک تار نہ چھوڑا۔ یہاں حاضرین کہتے ہیں بجا ہے بے شک۔ ہاں ہاں صاحب آخر کو آپ کی اولاد ہے تو ہماری طرف کے ایک آدھ صاحب کہتے ہیں مگر قصور معاف آپ کی صاحبزادی کی زبان بھی تو ہاتھ بھر کی ہے۔ اس نے بھی کبھی اپنے شوہر کو شوہر اور خسر کو خسر نہ سمجھا۔ یا ذرا سی بات کہی اور ڈولی منگالی۔ جہاں کچھ کہا اور ڈولی منگالی۔ کیا شریف زادیوں کا یہی شیوہ ہے کہ وہ اُلٹ کر شوہر کو جواب دیں۔ آپ اپنے گریبان میں تو منہ ڈالکر دیکھئے



بھلا غضب خدا کا یہ عید سا مبارک دن اور آپ کی صاحبزادی کا شوہر کے گھر کو خیرباد کہکر چلا آنا دیکھئے اچھا اچھا تو آپ ہی بے قصور مگر اب تو آپ بھی اپنی صاحبزادی سے مہر معاف کرا دیجئے پھر لائیے ہم بھی لڑکے سے طلاق دلا دیتے ہیں۔ تو خسر صاحب کہتے ہیں مہر تو معاف نہ ہو گا قیامت تک اب اگر ہمارے اندر کچھ ہے تو ہم وصول کر کے دکھا دیں گے۔ اس پر ہماری طرف کے خسر صاحب کہتے ہیں۔ اچھا اچھا تو میر صاحب اب آپ ایسا ہی کیجئے"۔

یہ کہکر جب سب لوگ اپنے اپنے گھر پہنچ جاتے ہیں تو اخبارات اس موقع پر کہتے ہیں کہ "سفرا بھی واپس بلا لئے گئے" دوسرے دن ہمارے خسر صاحب کسی "خالص مسلمان بالسٹر صاحب" کے پاس جاتے ہیں تو "بالسٹر صاحب" قرآن پاک کی قسم کھا کر یقین دلا دیتے ہیں کہ بس دعوے دائر کرتے ہی آپ جیت جائیے گا۔ لڑکی کو انہیں ہر حال میں مہر ادا کرنا ہوگا اس لئے تیسرے دن ہمارے خسر صاحب کی طرف سے عدالت میں تین لاکھ روپیہ کا دعوےٰ بابت "دلا پانے زرمہر" کے دائر ہو جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں ہماری طرف کے وکیل بھی ہمیں روزانہ جیت جانے کا یقین دلا کر محنتانہ وصول کرتے جاتے ہیں۔ پھر عدالت میں ہزاروں آدمیوں کے سامنے ہمارے اور ان کے حالات پیش ہوتے ہوتے وہ بھی عدالت میں ڈوبی کے اندر طاب ہوتی ہیں۔ اور یہ کارروائی کوئی تین چار سال تک جاری رہتی ہے تو کہتے ہیں کہ جمعیۃ الاقوام نے اس معاملہ کو "ہیگ کی عدالت کے سپرد کر دیا ہے"۔ دو چار سال کے طویل عرصہ میں جب فریقین کی تمام جائیداد ختم ہو جاتی ہے تو معاملہ یوں طے پاتا ہے کہ:

"مسمیٰ فلاں مسماۃ فلاں کو مبلغ تین لاکھ روپیہ زرمہر ادا کرے۔ بصورت عدم ادائے رقم مذکورہ اس کی جائیداد منقولہ و غیر منقولہ سے فریق غالب قرق کرا سکتا ہے۔

خرچہ غالب ذمہ مغلوب آج بتاریخ فلاں کو میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری ہوا۔"

جب معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے تو سمجھو کہ بغاوت اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

یہ ہے وہ اصل بغاوت جو مسلمانوں میں اس وقت سے پھیلی ہوتی ہے جب سے اُن کی "عورتیں" ان اصل اسلامی تعلیمات سے بے خبر رکھی جا رہی ہیں جن سے عہد سعادت یا صحابہ کرام کی عورتوں کے دماغ منور تھے عہد حاضر میں "آزادی" اور "حقوق" کی طالب وہ سوتی ہوئی ہیں جنہیں علوم دینیہ اور اصول فقہ میں سے فقط تقریر کرنا تو یاد ہے باقی سب خیریت ہے پھر لطیفہ یہ کہ حصول حقوق کے لئے ازواج مطہرات اور صحابیات کے حوالے دیئے جاتے ہیں پس وہ گھرانے جن کے اندر سے تعلیمات قرآنی اور آداب شریعت کا درس در واج اٹھ گیا ہے۔ مذکورہ ... ات میں گرفتار ہیں اور ایسے ہی ہوتے ہیں جن کے ہاں عین عید کے زمانے میں ایسی بغاوتیں رونما ہوتی ہیں۔ اور اس کا انسداد اسی وقت ممکن ہے۔ جب ہمارے مردوں اور ہماری عورتوں میں تعلیمات اسلامی اور آداب اسلامی کو رواج حاصل ہو۔ دعائے گنج العرش۔ آداب وضو۔ مسائل طہارت، اور دلائل الخیرات پڑھا دینے کے معنی دینی تعلیم نہیں ہے۔ اور اسی لئے تو لڑتی پھرتی ہیں اور لڑتے پھرتے ہیں۔ خدا ہمیں اور ہماری اولاد کو ان حرکتوں سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

ان حالات کے بعد اندازہ کیجئے کہ افغانستان میں بغاوت ہو بھی سکتی ہے یا نہیں؟

ترکش اسلام کا آخری خدنگ

ٹیپو سلطان شہید رحمۃ اللہ علیہ

(ایک "دردمند مسلمان" کے قلم سے)

ذیل کا مضمون درحقیقت نہایت اہم مقاصد کو ملحوظ رکھ کر وسیع لائینوں پر لکھنے کا ارادہ کیا گیا تھا، جس میں علامہ اقبال کے تصور "سوار اشہب دوران" اور تصور "امام و رہبر منتظر" کے مختلف پہلو آشکار کرنے کے بعد یہ دکھانا مقصود تھا، کہ ٹیپو سلطان شہید کی سیرت اس تصور کے ساتھ کس حد تک منطبق ہوتی ہے، مگر افسوس کہ فاضل مضمون نگار کو یہ مضمون حسب دلخواہ مکمل کرنے کے لئے وقت نہ مل سکا، یہ خیالات کا محض ایک ابتدائی خاکہ ہے، ہم فیصلہ کر چکے ہیں کہ سلطان شہید کی شہادت کے دن یعنی ۴ مئی کو اس مبارک ہستی کی یاد میں ایک خاص نمبر نکالیں.... خدا کو منظور ہوا تو اس میں سب کچھ بصورت مکمل آئے گا، چونکہ دل نہیں چاہتا تھا کہ سالگرہ نمبر لسان العصر ہند کے اس عظیم مجاہد کے تذکرے سے خالی رہ جائے، اس لئے یہ مضمون اسی حالت میں چھاپا جاتا ہے، تاہم اس میں ارباب غور و فکر کے لئے بہت سا سامان ذوق و درد ہے، اور وہ اس ابتدائی خاکے کے مطالعہ سے بھی انشاء اللہ وہ چاشنی حاصل کریں گے، جو انہیں کسی دوسری جگہ نہیں ملے گی۔

(مدیر)

اقبال ہی سے مخصوص نہیں، کہ اپنے آپ کو "نخل سینا" تصور کرے اور تمام عمر "کلیم" کے انتظار میں صرف کر دے، دنیا کے ہر حقیقی "اسوہ آفرین" (Idealist) کو خواہ وہ گوئٹے ہو، یا نٹشا، رومی ہو، یا اقبال یہ لگن ہر وقت رہی، کہ وہ اپنے تخیلی اسوہ (Ideal) کو نہ صرف خود عالم شہود میں دیکھ سکے، بلکہ تمام دنیا جہاں کو دکھائے، اور اگر ممکن ہو، تو ہر فرد کو اس کا مقلد بنا کر اسی کی شکل دیدے۔ یہ الگ مسئلہ ہے کہ رومی و اقبال کا "اسوہ" آج سے تیرہ سو سال قبل عالم امکان سے عالم موجودات میں آچکا۔ خالق کون و مکاں کی نگاہ میں وہ "اسوہ" "اسوہ حسنہ" تھا، اور بقول اقبال وہ اس وقت پیدا ہوا، جب سینکڑوں اور ہزاروں بہترین سے بہترین اسوے اپنی ہستیوں کو اس کے سامان خلقت کی نذر کر چکے ؎

شعلہ ہائے او صد ابراہیم سوخت
تا چراغ یک محمدؐ بر فروخت

دعوت اتباع اسوۂ حسنہ

جس "اسوۂ آفرین" کا "اسوہ" اس کی پیدائش سے قبل دنیا میں پیدا ہو چکا ہو، اس کی قلبی کیفیت و اضطراب کا اندازہ مشکل ہے، تخیل مشاہد چاہتا ہے، اور تمام مستقبل کو ان امیدوں سے معمور رکھتا ہے، کہ "وہ" نہیں "اس" کا ہم پایہ نہیں، تو کمتر درجہ کا مثیل ہی سہی، تاریخی واقعات کا علم دل کو ٹھیس لگاتا ہے، کہ "وہ" آچکا، دوبارہ آنے کا نہیں، زندگی ہر روز ایسے وجود پیدا نہیں کرتی، عشق و ناامیدی کی جنگ کیا کیا ہنگامے دل کے اندر نہ پیدا کرتی ہوگی، اقبال کے متعلق کہنا پڑے گا، کہ اس کا عشق اس کی ناامیدی پر ہمیشہ غالب رہا، اتنا غالب کہ ناامیدی کو کبھی ابھرنے کا موقعہ نہ ہوا، اس کی تمام تر سعی اس ایک نقطہ پر مرکوز رہی کہ اگر باعتبار وجود میرا اسوہ آنکھوں کے سامنے نہیں آسکتا، تو نہ آئے، میں افکار و الفاظ کی دنیا میں، ہر صاحب بصر، ہر صاحب سمع، ہر صاحب قلب کے سامنے اس ہستی کی حقیقی حیات پیش کر سکتا ہوں اس کی زندگی کے ہر خط و خال کو اس خوبی سے انسان کے لوح قلب پر کندہ کر سکتا ہوں، کہ وہ خود ویسا بننے کا متمنی ہو، "اسوۂ حسنہ" کے مقلد پیدا کرنے میں جو کام اقبال نے کیا، اور کر رہا ہے، وہ شاید دنیا کے اور کسی اسوہ آفریں یا اسوہ پرست نے نہ کیا ہوگا۔

اقبال اور ٹیپو سلطان

جس دن اخبارات میں یہ خبر شایع ہوئی، کہ علامہ اقبال سفر مدراس کا قصد رکھتے ہیں، احباب و عوام سب میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں، کہ اقبال اور مدراس تک جانے کا قصد!! ؟ کئی حضرات کو روانگی کے لمحہ تک یقین نہ آیا، کہ علامہ موصوف واقعی جنوبی ہند کے لئے گھر سے نکلیں گے، حقیقت بھی یہی ہے، کہ اقبال کے جنوبی ہند کے سفر کے لئے آمادہ ہو جانے اور لاہور سے الہ کرچل دینے کا محرک محض لکچروں یا دوسرے تبلیغی مقاصد ہی نہ تھے بلکہ جو خیال ایک مدت سے اس آرزوئے سفر کو دل میں محکم کر رہا تھا، وہ "اسوہ آفرین" کا ایک گزشتہ صدی کے "اسوہ" کی تربت کو دیکھنے کا شوق اور اس کے اعمال کی جولانگاہ کو معائنہ کرنے کا ولولہ تھا، ٹیپو کے حالات زندگی اس کے جنگی، اور سیاسی کارنامے خواہ کسی صورت میں بھی عہد حاضر کے مورخین پیش کریں، ایک نکتہ رس مسلم کے دل پر یہ نقش چھوڑے بغیر نہیں رہ سکتے، کہ اورنگ زیب کے بعد سرزمین ہند میں اگر نیابت حقہ کے مقام تک کسی فرد نے رسائی کی سعی کی، تو وہ ٹیپو ابن حیدر علی تھا، اورنگ زیب کے مرقد کو خلد آباد میں اقبال اپنے پہلے سفر حیدر آباد میں دیکھ چکے تھے، اندازہ لگاؤ، کہ نائبین حق کی تربتوں کے طواف کے خواہشمند کو (اور ایسے خواہشمند کو جو گھر سے چار قدم باہر نکلنا نہ جانتا ہو، اور اس مقصد کے لئے ہزارہا میلوں کا سفر برداشت کرے) ایسے نائبین کے زندہ دیکھنے کا کس قدر شوق و اضطراب ہوگا، اس کی زندگی کن تمناؤں میں بسر ہوئی ہوگی، وہ تمام دنیا کی صحیح راہنمائی کے لئے کیسے عظیم القدر امام و رہبر کے ظہور کا منتظر ہوگا۔

روایات ملت کا تحفظ

جس قوم یا جس ملت کو نائب حق کے اسوہ کی پیروی کرنا ہو، وہ اس وقت اس جادۂ مستقیم پر گامزن نہیں ہو سکتی، جب تک "فرد" کی طرح اس کے اندر بلحاظ ملت احساس خودی پیدا نہ ہو، وہ یہ نہ جان لے، کہ مجھے باعتبار ملت زندہ رہنا ہے، باعتبار ملت قوائے عالم کو تسخیر کرنا ہے، بحیثیت ملت اسوۂ حسنہ کے رنگ میں رنگا جانا ہے، اعلائے نصب العین کے لئے نشر و اشاعت مقاصد کے لئے، جد و جہد حیات دوام کے لئے زندگی کی کشمکشوں سے دوچار ہونا ہے، تو میرا اولین فرض یہ ہوگا، کہ اسوۂ حسنہ کے اقوال و اعمال اور روایات کو محفوظ رکھوں، تاکہ زیست کی پرورش میں، انہیں دلیل راہ بنا سکوں، اسوۂ حسنہ کے مخلص و جری متبعین اور ملت کے ناموَر نائبین حق کے سچے کارناموں کی یاد ہر وقت اپنی ہر نسل کے پیش نظر رکھوں، تاکہ گمرہی کے مواقع کم ہوا کریں، اور اگر ہوں، تو اصلاح حال میں دقتیں اندازۂ ہمت سے بڑھ نہ جائیں، یہ احتیاطیں ملت کے اس گروہ کے لئے اور بھی لازم ہیں، جو اتفاقات زمانہ سے محکومی و مغلوبی کی زندگی میں مبتلا ہو، ایسا گروہ اگر ایک لحظہ کے لئے اس احتیاط سے غافل ہوگا تو "صد سال" کے لئے صحیح رستہ سے دور جا پڑے گا، روایات ملت کا تحفظ سواد مغلوب کا اولین و اہم ترین فرض ہے، اقبال ایک مدت سے قوم کو اس کی غفلت پر متنبہ کر رہا ہے ؎

قوم روشن از سواد سرگزشت ✤ خود شناس آمد ز یاد سرگزشت
سرگزشت او گر از یادش رود ✤ باز اندر نیستی گم می شود

ٹیپو سے غفلت

قوم نے سلطان ٹیپو کے حالات زندگی اور اس کے کارناموں کے تحفظ سے جس قدر تغافل روا رکھا ہے، اس کی نظیر تمام دنیا کی غافل ترین بلکہ مردہ ترین قوموں کی تاریخ میں نہ ملے گی، ٹیپو ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو شہید ہوا، ۱۲۹ سال ہونے کو آئے، آج تک ایک مستند کتاب اس کے سوانح پر قوم خود نہ تیار کر سکی، امرتسر یا اور ایک دو جگہ بعض کو یہ خیال پیدا بھی ہوا، تو ان کی تگ و دو مخالف مورخین سے اقتباسات نقل کر شایع کر دینے تک ہی محدود رہی، دکن اور جنوبی ہند بلکہ خود میسور کے مسلمان آج تک یہ توفیق نہیں پا سکے، کہ شہید کی ان روایات ہی کو کتابی صورت میں منضبط کر سکیں، جو سرنگاپٹم اور اس کے نواح کے بسنے والے لوگوں کے پاس سلطانی دستاویزوں یا خطوط وغیرہ کی صورت میں اب تک موجود ہیں، سلطان کے کارنامے جس طرح علاقہ میسور کے بوڑھے لوگوں کو اب تک یاد ہیں ان کو ضبط تحریر میں لے آئیں، ۱۲۹ سال کا کیا عرصہ ہے، ٹیپو کی زندگی زید، بکر کی زندگی نہ تھی، خاک دکن کے ذرہ ذرہ کو شیر دکن کی جولانیوں اور جستوں کی داستانیں اب تک یاد ہیں، جہاں شمالی ہند کے سلطان "الناس علیٰ دین ملوکہم" کے مصداق بننے کے یہاں تک خواہشمند ہیں، کہ گھروں میں کتوں کے نام "ٹیپو" رکھتے ہیں، اور اس حقیقت سے بے خبر چال ہوتے ہیں، کہ یہ نام ان کے کسی اسوۂ عالیہ یا نائب حق کا ہے، وہاں دکن کے عوام اور نہ صرف مسلمان عوام بلکہ غیر مسلم بھی بہت شاذ اپنی گفتگو میں "ٹیپو" کو "ٹیپو" کہتے ہیں، جب ذکر آئیگا "سلطان شہید" کہیں گے برہمن ہو یا غیر برہمن، آئر ہو یا نائر، "شہید" کا کلمہ نہ بھی موہنہ سے نکلے، مجال نہیں، کہ "سلطان" کو "سلطان" نہ پکار

جنوبی ہند میں عرف عام میں "سلطان" کا نام یا لقب ہے، ہی صرف ٹیپو کے لئے، ہندوستان کے اس حصہ نے "سلطان" ایک ہی دیکھا، اور وہ ٹیپو تھا، کاش شمالی ہند کے وہ مسلمان جو کتوں کا نام ٹیپو رکھتے ہیں، اس ادنی سی حقیقت سے آشنا ہوتے، کہ مسلمان ہندوستان میں سات سو سال نہ سہی پانچ سو سال مسلسل حکومت کرتے رہے، مگر ان پانچ صدیوں میں صرف ایک ٹیپو تھا، جس نے خلافت مرکزیہ اسلامیہ سے اپنے لقب فرمانروائی کے لئے استصواب کیا، اور خلیفہ کے ارشاد کے مطابق اپنے آپ کو "سلطان" کہا، ان معنی میں تمام ہندوستان میں آج تک

سوائے "ٹیپو" کے اور کوئی "سلطان" نہیں گزرا، شاہ تھے، "شہنشاہ" تھے، مگر "سلطان" کوئی نہ تھا، بلبنوں، خلجیوں، تغلقوں نے اپنے آپ کو سلطان کہا، مگر اپنے طور پر، خلافت وقت سے سند نہ لی۔

بیگانگی اور اجنبیت

اقبال ان حقیقتوں سے آشنا تھا۔ اور اپنی آشنائی سے مرقد ٹیپو کی زیارت کے شوق میں کشاں کشاں دو ہزار میل سے زائد سفر پر لے گئی۔ تعجب انگیز امر ہے کہ شمالی ہند کے مسلمان ٹیپو کے حالات سے اس قدر بے خبر ہیں۔ یوں شمالی ہند اور جنوبی ہند کے مسلمانوں میں قطعاً کوئی فرق و امتیاز نہیں۔ دین محمد عربی کے کرشمے ہیں۔ کہ پشاور سے

راس کماری تک تمام مسلمانوں کے اوضاع و اطوار یکساں، صورتیں، قطع و لباس۔ خیالات و افکار۔ گفتگو۔ بولی۔ اخلاق۔ معاشرت اتحاد احساسات۔ جذبات۔ سب ایک جیسے ہیں سب میں یکرنگی ہے۔ ظاہری باطنی اخوت کا یہ نظارہ کوئی دوسری قوم پیش نہیں کر سکتی۔ کسی قوم کے شمالی ہند اور جنوبی ہند کے افراد کو دیکھ کر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ایک ہی جماعت سے وابستہ ہیں۔ نسل۔ رنگ۔ خیالات۔ زبان۔ تمدن کوئی اس کا شاہد نہیں۔ مگر "لا الٰہ الا اللہ" ہے کہ اس نے اسے پکارنے والوں کو مکان و زمان کی سب لعنتوں سے نجات دے رکھی ہے لیکن جس بعید کی کوئی گرہ نہیں کھلتی۔ اور جس کی کوئی توجیہ میرے پاس نہیں وہ یہ ہے۔ کہ شمالی ہند کا مسلمان جنوبی ہند کے اسلامی عہد



... ن وجاہل ہے۔ اس لحاظ سے
یوں معلوم ہوتا ہے۔ کہ شمالی ہند اور جنوبی لیسے دو ملک ہیں جن کے مسلمانوں کو کبھی باہم ایک دوسرے کو جاننے کا اتفاق نہیں ہوا۔ مگر ... ہے اخوت و یگانگتی کی وہ روح جس کا ہیں نے اصرار کر کیا ... تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کا قرآن ہر جگہ پیدا کر رہے ہیں۔ تاریخ وروایات کے حفظ واحترام کا فرض نہ رسول بجا لا سکتا ... نہ قرآن۔ مسلمانوں پر لے دے کر اتنی بات چھوڑی گئی تھی اور ان کے احساس کا یہ مظاہرہ ہے کہ "سلطان شہید" کا نام ان کے کتوں کا نام بن کر رہ گیا۔

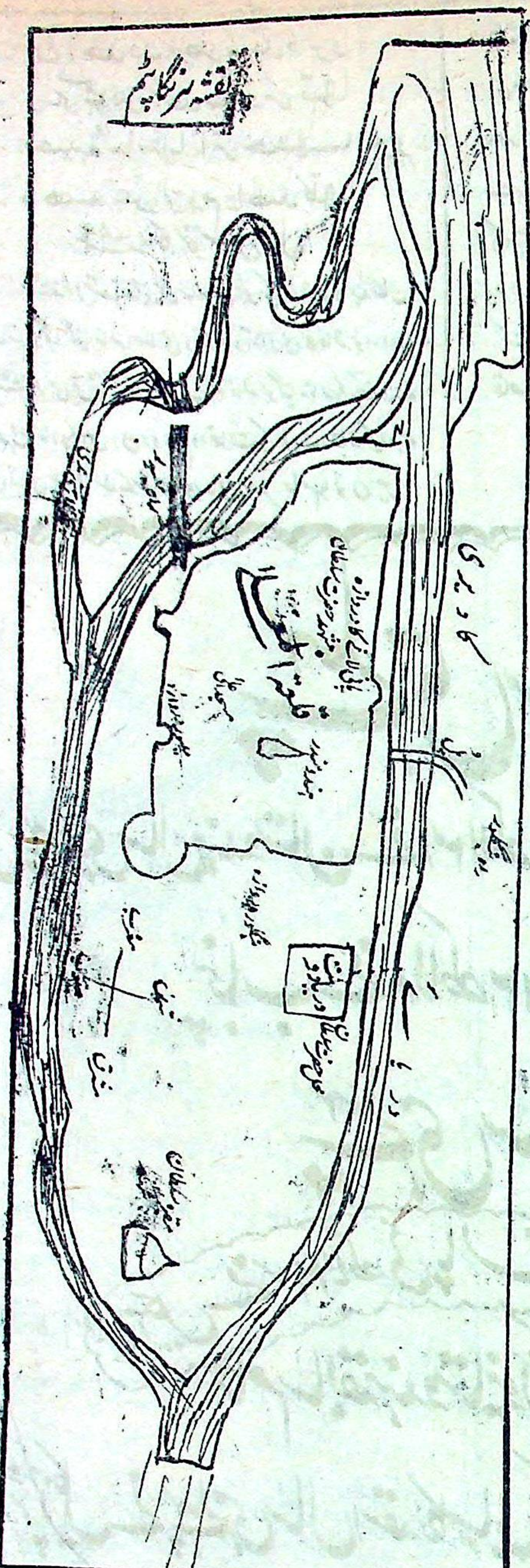
سلطان اور اس کا دار الحکومت

۱۱ر جنوری ۱۹۲۹ء کا دن علامہ اقبال کی زندگی میں خاص دن تھا۔ اس دن آپ نے سرنگا پٹم پہنچکر سلطان شہید کے مقبرہ کی زیارت کی۔ "اسوہ آفرین" نے ایک "اسوہ عالیہ" کی آخری آرام گاہ کو دیکھا۔ اس تربت کو دیکھا جو ۴ر مئی ۱۷۹۹ء سے "سرخ پوش" چلی آتی ہے اور تا قیام قیامت "سرخ پوش" چلی جائیگی۔

جو مسلمان "ٹیپو" اپنے کتے کا نام رکھتے ہیں۔ ان سے یہ توقع رکھنا کہ "سرنگا پٹم" کے نام سے آشنا ہوں گے۔ اپنی نادانی کا ثبوت بہم پہنچانا ہے۔ اے کاش ان کو یہ معلوم ہوتا کہ "سرنگا پٹم" ان کی کسی دہلی۔ کسی کابل۔ کسی قاہرہ سے کم نہیں۔ اگر سلطان شہید کی دو نسلیں اور سرنگا پٹم پر سلطانی علم کو سلطانی شان سے لہرا تا رکھ سکتیں تو دلی۔ کابل اور قاہرہ درکنار آج بغداد و ... قسطنطنیہ کا نام بھی سرنگا پٹم کے بعد مسلمانوں کے لب پر آتا۔ مگر قدرت کو وہی منظور تھا جو ہوا۔ جس طرح کئی کلیاں ناشگفتہ مرجھا جاتی ہیں جس طرح انسان کے بچے اوائل عمر میں داغ مفارقت دے جاتے ہیں۔ اسی طرح شہر اور قریے بھی اپنی ابتدائی منازل تمدن میں برباد ہو کر رہ جاتے ہیں۔

سرنگا پٹم

سرنگا پٹم اصل میں "سری رنگا پٹن" ہے "پٹن" وہی ہمارے ہاں کا "پٹن" ہے بابا فرید کے "پاک پٹن" کو جانتے ہیں جنوبی ہند پہاڑی علاقہ ہے۔ اس میں ندیاں اور دریا بہت ہیں۔ جس قدر دیہات اور قصبے ان ندیوں اور دریاؤں کے کناروں پر آباد ہیں۔ ان کے نام کے پیچھے عام طور پر "پٹن" آتا ہے۔ "سرنگا پٹم" "سری رنگا پٹم" کا گاؤں یا قصبہ تھا۔ یہ قصبہ میسور کے جنوبی حصہ میں ہے۔ اور ایک ایسے مقام پر جہاں دریائے کاویری دو شاخوں میں تقسیم ہو کر ایک تین میل لمبا اور قریباً ایک میل چوڑا جزیرہ بنا کر پھر ایک ندی بن کر مشرق کی طرف کو نکل گیا ہے یہی جزیرہ ہے جس میں سرنگا پٹم کا قلعہ ہے اور جو ٹیپو کی "سرکار خداداد" کا پایۂ سلطنت تھا۔ اس جزیرہ میں نویں صدی عیسوی سے ایک دیشنو کا مندر چلا آتا ہے جو "سری رنگا ناتھ" کے نام پر تعمیر ہوا اور جس کے ارد گرد ایک شہر آباد ہو گیا۔ سرنگا پٹم کا قلعہ اس جزیرہ کے جنوبی کونے میں تعمیر ہوا اس مقام پر قلعہ کی شکل ایسی ہے جیسی مثلث کی دو اطراف کے اندر کی جگہ۔ کاویری کی شمالی اور جنوبی شاخیں قلعہ کی دونوں طرف کی فصیلوں کے باہر بہ رہی ہیں۔ تیسری جانب کی فصیل جزیرہ کے اندر ہے۔ قلعہ کو چھوڑ کر باقی جزیرہ کے تمام رقبہ میں سلطان شہید کے زمانہ میں شہر ہی شہر آباد تھا قلعوں کی بنیاد موجودہ تاریخوں کے مطابق میسور کے راجوں کے اجداد ہی نے رکھی۔ جنہوں نے اس قصبہ کو اپنی راجدھانی بنایا۔ لیکن وہ عظمت واستحکام جس کے آثار اب تک سیاح کے دل پر ہیبت و رعب کا سکہ بٹھائے بغیر نہیں رہتے۔ اسے حیدر علی اور ٹیپو کے ہاتھوں ہی نصیب ہوا۔ سرنگا پٹم پر حیدر علی نے ۱۷۶۱ء میں قبضہ کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب حیدر علی کا اقتدار روز افزوں تھا۔ دس سال بعد مرہٹوں



نے سرنگا پٹم کا محاصرہ کیا۔ مگر پندرہ ماہ ڈیرے ڈالے رہنے کے بعد حیدر علی سے صلح کر کے محاصرہ چھوڑ گئے۔ سرنگا پٹم کی تاریخ طویل فرصت کی مقتضی ہے۔ کئی محاصرے اس قلعہ کے ہوئے اور کئی ناکام رہے۔ مگر یہ مقام اس طویل داستان میں پڑنے کا نہیں ہے۔ ۴ر مئی ۱۷۹۹ء کو ٹیپو شہید ہوا اور اسی دن سرنگا پٹم انگریزوں کے ہاتھ آیا۔ ایک انگریز مورخ جس نے سرنگا پٹم کو ۱۸۰۴ء میں دیکھا یعنی سلطان کی شہادت سے قریباً پانچ سال بعد، اس نے لکھا ہے کہ اس وقت اس شہر کی آبادی اڑھائی لاکھ ہے۔ حیدر علی اور پھر سلطان کے اپنے زمانہ میں سرنگا پٹم کس شان وعروج میں ہوگا اور اس کی آبادی کتنی ہوگی اس کا اندازہ قارئین خود لگا سکتے ہیں۔

سلطانی یادگاریں

قلعہ سرنگا پٹم اور اس کے باہر تمام جزیرہ میں شہر ہی شہر آباد تھا۔ شکستہ آثار قدم قدم پر زبان حال سے اپنی قدیم شان وشوکت کا پتہ دیتے ہیں۔ لیکن قلعہ کو چھوڑ کر سلطان شہید کی اگر کوئی یادگار اب جزیرہ میں باقی ہے تو وہ اس کا ایوان عام ہے جو "دریا دولت" کے نام سے معروف ہے۔ "دریا دولت" شمالی کاویری کے کنارہ سے تین چار سو گز کے فاصلہ پر واقع ہے۔ عدل وانصاف اور سلطنت کے انتظامی امور کا فیصلہ سلطان اسی ایوان میں بیٹھکر فرماتے۔ عمارت عظیم الشان ہے۔ اور دو منزلہ۔ دوسری منزل سے ایک کشادہ جھروکہ ہے جس کے نیچے ایک وسیع ہال ہے سلطان خود بیٹھتے تھے سامنے برآمدہ ہے۔ جس میں اعیان و وزراء کی نشستیں مخصوص ہوتیں۔ "دریا دولت" کا اندرونہ و بیرونہ منقش ہے۔ بیرونہ کے نقش بے معنی نقش نہیں اور نہ کسی خاص صنعت کا نمونہ ہیں۔ بلکہ ان جنگی میدانوں کے نقشے اور تصویریں ہیں جن میں سلطان نے انگریزوں مرہٹوں اور نظام کے خلاف لڑکر فتح حاصل کی۔ ایک جانب یہ جنگی تصویریں ہیں اور نہایت معنی خیز دوسری جانب کی دیوار پر سلطان کے زمانہ کی تمدنی اور معاشرتی زندگی تصاویر کی شکل میں پیش کی گئی ہے۔ حیرت انگیز تصویریں ہیں بعض کا خیال ہے کہ ان میں سے اکثر سلطان کی شہادت کے بعد مہاراجہ میسور نے بنوائیں۔ افسوس ہے کہ اس مختصر سی صحبت میں ان تصاویر کے تفصیلی ذکر کی گنجائش نہیں۔

گنج عام

قلعہ سے لیکر "دریا دولت" تک اب بھی ایک بے رونق سادہ وضع جھونپڑوں کا لمبا بازار نظر آتا ہے۔ کوئی مکان آباد ہے کوئی برباد سطح زمین کے نشیب و فراز زمانہ کے نشیب و فراز کا پتہ دیتے ہیں۔ قلعہ کی جانب سے اس آبادی کے ساتھ کی سڑک پر "دریا دولت" کو جائیں تو شروع ہی سے ایک بورڈ نصب کیا ہوا نظر آ جاتا ہے۔ جس پر اس آبادی کا نام "گنجام" لکھا ہوا ہے۔ یہ سلطان کے زمانہ کا "چاندنی چوک" یا "انار کلی بازار" تھا جس کا نام "گنج عام" تھا۔ آہ! سلطان اور اس کی سلطنت! افغانستان کی آزادی کے بعد افغانستان کے اخباروں میں "سلطنت خداداد افغانستان" کے الفاظ پڑھکر دل پر اسلامی سلطنت کے مفہوم کا ایک عجیب اثر تحت الشعوری سی کیفیت پیدا کرتا تھا۔ معلوم نہ تھا کہ سلطنت کا یہ نام افغانستان نے کسی اور جگہ سے لیا ہے۔ ٹیپو کی "نیابت الہیہ" کی ایک دھندلی سی جھلک صرف یہی سنکر آپ کی آنکھوں کے سامنے پھر جائے گی۔ کہ اس کی سلطنت کا نام "دولت خداداد" تھا۔ اس کے ایوان عدالت کا نام "دریا دولت" تھا۔ اور پایۂ "دولت خداداد" سے لیکر "دریا دولت" تک جو بازار اور آبادی تھی وہ "گنج عام" تھا۔

مشہد مبارک

"دریا دولت" سے مغرب کی سمت تھوڑے فاصلہ پر شہید کا مقبرہ ہے یہ مقبرہ دراصل شہید کا اپنا تعمیر کرایا ہوا ہے۔ اس کے اندر حیدر علی خاں اور اس کی بیگم صاحبہ کی قبریں پہلے موجود تھیں۔ تیسری قبر کی جگہ خالی تھی۔ خدا جانے والد کی قبر بنواتے وقت شہید کو اپنی موت کا بھی خیال رہا۔ مقبرہ سادہ ہے۔ مگر سطوت وجلال کا عبرت افزا مظہر۔ چاروں طرف برآمدہ سیاہ مرمر کے سوگوار ستونوں پر کھڑا ہے۔ جنوبی برآمدہ میں اعزہ واقربا کی قبریں ہیں۔ سلطان کے مرقد پر سرخ غلاف شہادت کے نشان کے طور پر ہر وقت پڑا رہتا ہے۔ مقبرہ "گنبد" کے نام سے مشہور ہے۔ ساتھ ایک خوشنما مسجد ہے جسے احدی کہتے ہیں۔ "گنبد" اور "مسجد احدی" ایک وسیع چار دیواری کے اندر ہیں۔

جس کے اندر سایۂ دار درخت اور روشنیں ہیں۔ چار دیواری کے شمالی دروازہ ہیں جہاں سے زائر داخل ہوتے ہیں نوبت و نقارہ اب تک دن میں دوبار بجتے ہیں۔ عام روایت کے مطابق نوبت و نقارہ کے ہمیشہ بجتے رہنے کا ذکر معاہدات میں بھی ہے۔ شکر ہے کہ سلطانی عظمت کی اتنی شان اس کی شہادت کے بعد ہمیشہ کے لئے باقی ہے۔ یہ نوبت و نقارہ سلطان کے پیر کی قبر پر بھی اب تک بجتے ہیں۔ مہاراجہ میسور کے حسن انتظام اور احساس احترام سلطان کی داد دینا چاہیئے کہ گنبد اور اور مسجد اعلیٰ (جو قلعہ کے اندر واقع ہے) اور مسجد احدی کے انتظام و تحفظ کے لیے ایک مجلس منتظمہ اکابر مسلمانوں کی مقرر ہے۔ یہ تینوں مقام ایک خاص جاگیر کی حیثیت ہیں۔ جس کے لئے ریاست کی طرف سے اسی ہزار روپیہ سالانہ مقرر ہے۔ مجلس منتظمہ اس سالانہ رقم کو بہتر سے بہتر طریق پہ صرف کرتی ہے۔ قرآن خوان امام۔ جاروب کش نقلرچی خدام سب کے سب تنخواہیں پاتے ہیں۔ اور اوقات کی پابندی سے سارے فرائض بجا لاتے ہیں۔ ریاست اس انتظام میں بہت کم دخل دیتی ہے۔ ہر سہ مقام کے منصب داروں اور خدام کے فرائض کا نظام نامہ مطبوعہ صورت میں مسجد احدی میں آویزاں ہیں۔ اے کاش مسلمانوں کی تمام بڑی مساجد و اوقاف کا انتظام اسی پیمانہ پر ہو۔

دکن میں شہید کا احترام

مزار شہید عام مزار نہیں۔ سلطان کو جنوبی ہند کے مسلمان یہ نہیں سمجھتے کہ وہ عام دنیاوی بادشاہ تھے۔ شمالی ہند کے مسلمان اس محبت و احترام اور اعتقاد و ارادت کا اندازہ ہی نہیں لگا سکتے جو میسور کے مسلمانوں کو اب تک سلطان شہید سے ہے۔ اس طرح بچے بچے کی زبان پر اب تک سلطان کا نام ہے۔ اس شوق اور اس حسرت سے ہر بات میں سلطان شہید کا ذکر ہوتا ہے۔ کہ مسافر سیاح کو یہ دھوکا ہو کہ یہ قصہ کسی ایسے شخص کا نہیں جو آج سے ۱۴۹ سال قبل دنیا سے رخصت ہو چکا ہے۔ شہید کے مزار پر سالانہ عرس ہوتا ہے۔ اور علاقہ میسور کا کوئی مسلمان ایسا نہ ہوگا جو اس عرس میں کبھی شریک نہ ہوا ہو۔ سلطان کی فتوحات اس کے جنگی کارنامے۔ اس کی تدبیر سلطنت کی باتیں۔ اس کی قابلیت اس کے اخلاق اس کی شہادت کے واقعات بعینہٖ اس طرح بیان کئے جاتے ہیں۔ جس طرح ہمارے ہاں بڑے بڑے مشہور اولیا و اقطاب کی کرامات کے قصے۔ بارہا دل میں خیال آتا ہے کہ اگر "پیر پرست" ہونے کے بجائے کبھی مسلمان "مجاہد پرست" ہوتے تو شاید یہ روز بد نہیں دیکھنا نصیب نہ ہوتا جو اب دیکھ رہے ہیں۔ یہ غیر ممکن ہے کہ آپ میسور کے مسلمانوں سے ملیں اور محسوس نہ کرنے لگ جائیں۔ کہ سلطان ابھی زندہ ہے۔ اور یہ لوگ اسی کی رعایا اور اس کی فرمانبرداری کے نشہ میں سرشار ہیں۔

اہم قطعاتِ تاریخ

"گنبد" کی چاروں جانب چار دروازے ہیں۔ ہر دروازہ کے سر پر حیدر علی یا ٹیپو کی وفات کا تاریخی قطعہ یا بیت ہے۔ مشرقی دروازہ پر حیدر علی کے متعلق یہ اشعار ہیں۔ ؎

در ملک حجاز کنز علی حیدر :. مفتوح شدہ ہفت قلاع خیبر
زیں حیدر دکنی و ملک کرناٹک :. گشتند مطیع یک فدیو کشور

سلطان کی شہادت کے قطعاتِ تاریخ نہایت اچھے ہیں۔ تاریخ کا ایک شعر یہ ہے ؎

چو آں مرد میدان نہاں شد ز دنیا
یکے گفت تاریخ "شمشیر گم شد"

لیکن جو قطعہ تاریخ نہایت معنی خیز اور کسی بالغ نظر کا لکھا ہوا ہے وہ ابیہ لگا ہم معرکہ کا عربی میں ہے اور یہ ہے۔

ان اخذت مصر کما قد ذکروا
وسکر نجم فلتٔ اخذت وربها
مصیبةً ما مثلها اترختها (سن ہجری)
ذهب عز الروم والهند كلها

۱۷۹۹ء کا منحوس سال

۱۷۹۹ء (۱۲۱۳ھ) میں سلطان ٹیپو کی طاقت کا ہندوستان میں خاتمہ ہوگیا گویا تمام اسلامی اقتدار و آزادی کا خاتمہ ہوا۔ اور ادھر ۱۷۹۹ء ہی میں ٹرکی کی بحری طاقت کا خاتمہ ہوگیا۔ تاریخ کہنے والے نے مصرع تاریخ میں ان دو اہم واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے علامہ اقبال جنوبی ہند کے سفر سے کئی سال پیشتر عام باتوں میں اکثر اس کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ کہ سلطان ٹیپو کی شہادت کا سال ہی وہ سال ہے جس میں ٹرکی کی بحری طاقت بالآخر فنا ہوگئی۔ اور اس لحاظ سے جس قدر ۱۷۹۹ء کا سال اسلامی تاریخ میں منحوس سال ہے۔ ایسا اور کوئی نہ ہوگا۔ کیونکہ مشرق و مغرب دونوں میں مسلمانوں کی رہی سہی طاقت و عظمت اس سال برباد ہوگئی۔ سلطان شہید کے مزار پر اس مصرعۂ تاریخ کو پڑھ کر حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ اس نکتہ کے سمجھنے سے سلطان کے اپنے زمانہ کے ذہین و فہیم مسلمان بھی قاصر نہ تھے۔

مسجد اعلیٰ

قلعہ کے اندر سلطان کی سب سے بڑی یادگار صرف

مسجد اعلیٰ ہے ۔ میگزین ۔ فوجی ہسپتال ۔ ٹکنیک شاف کی عمارتوں کے کھنڈر ۔ موجود ہیں محل شاہی کی بنیادوں کے آثار کے سوا اور کوئی نشان باقی نہیں ۔ ایک حیرت انگیز تعمیر اینٹوں اور چونے کی ایک بہت بڑی محراب ہے جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے ۔ کہ سلطان کا ارادہ کاویری پر پل بنوانے کا تھا ۔ اور یہ محراب نمونے کے طور پر بنوائی تھی ۔ محراب تیس چالیس فٹ کی لمبائی میں ہوگی ۔ چھوٹا بچہ بھی اس کے اوپر چڑھ کر کود پڑے ۔ تو تمام کی تمام لرزنے لگتی ہے ۔ سیاح جاتے ہیں ۔ یہ بات سنتے ہیں ۔ تو باور نہیں کرتے ۔ مگر جب محراب کے اوپر چڑھ کر (یہ عرض میں اڑھائی تین فٹ ہوگی) ۔ ہلتے ہیں ۔ تو وہ بھی ساتھ ہی ہلنے لگتی ہے ۔ کوئی شخص اس تعمیر کے معمہ کو حل نہیں کر سکتا ۔

حیرت انگیز رواداری

جہاں سلطان کا محل واقع تھا ۔ مغرب کی سمت اس کے بیرونی دروازہ سے پندرہ بیس گز کے فاصلہ پر سری رنگا ناتھ کا قدیم مندر اپنی قدیم شان و شوکت کیساتھ کھڑا ہے ۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا آج ہی تعمیر ہوا ہے ۔ مسلمان اس کے اندر نہیں جا سکتا ۔ اسی طرح محل کے مشرق کی طرف بھی مندر ہے ۔ یہ اس سلطان ٹیپو کے گھر کا پڑوس ہے ۔ جس کے مذہبی تعصب کے متعلق داستان طرازوں نے زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے ہیں ۔ محل اگر آج تک باقی رہتا ۔ تو دنیا سلطان کے گھر کی زندگی کو بھی شائد کچھ نہ کچھ سمجھنے کے قابل ہو سکتی ۔ لکھا ہے ۔ کہ تمام محل ایک عظیم الشان عمارت تھی ۔ مگر نہایت سادہ ۔ وسط میں ایک نہایت کشادہ اور وسیع کمرہ تھا جس میں سلطان خود اکثر رہا کرتے ۔ اس کمرہ کے اندر چاروں طرف ایک سنہری کارنس سی بنی تھی ۔ جو در اصل ایک ایک فٹ چوڑے اور لمبے عربی الفاظ میں قرآنی آیات لکھی ہوئی تھیں ۔ اور ان کے اوپر سونے کا پانی پھیرا ہوا تھا ۔ سلطان کو جو شغف اور محبت قرآن پاک سے تھی ۔ وہ قرون اولیٰ کے بعد شائد ہی کسی مسلمان کو نصیب ہوئی ہوگی ۔

"مسجد اعلیٰ" ایک بلند مگر سادہ مسجد ہے ۔ سلطان محل سے نکل کر اسی میں پانچ وقت نماز پڑھتے ۔ مسجد کا نام غالباً "مسجد اقصےٰ" کی رعایت سے "مسجد اعلیٰ" رکھا گیا ۔ یہ ۱۲۰۲ھ کی تعمیر ہے ۔ محراب کے اوپر ایک پانچ اشعار کا قطعہ تاریخ کتبہ کی صورت میں نصب ہے ۔ پہلے دو شعر یہ ہیں ۔

گر حضرت سلیماں اندر زمان ماضی ﴿ تعمیر مسجدے کرد نامش نہاد اقصےٰ

در ایں زمان فرخ سلطان دیں بنا کرد ﴿ ایں مسجدے کہ نامش بلہم گذاشت اعلیٰ

آیات و احادیث جہاد

لیکن "مسجد اعلیٰ" میں جس بات کو دیکھکر ایک چودھویں صدی ہجری کے مسلمان کے دل میں بھی اسی دینی حرارت کا جذبہ موجزن ہو جاتا ہے ۔ جس کے امین قرون اولیٰ کے مومن تھے ۔ وہ سلطان کے اس مجاہدانہ ایمان کا مظاہرہ ہے ۔ جو قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ کے پتھر کے کتبوں کی شکل میں شمالی اور جنوبی دیواروں میں جلوہ گر ہے ۔ ان کتبوں کے لیے قرآن سے وہ آیات انتخاب کی گئی ہیں ۔ جو جہاد فی سبیل اللہ کے احکام کے بارہ میں قرآن حکیم میں درج ہیں ۔ سلطان کا سب سے بڑا مقابلہ اور معرکہ چونکہ ایک ایسی قوم سے تھا جو مذہباً اہل کتاب تھی اسلئے کتبے کے لیے سورۃ "الاحزاب" سے وہ آیت لی گئی ہے ۔ جو ان اہل کتاب کے احوال میں وارد ہوئی تھی جو کفار کی مدد پر مسلمانوں سے نبرد آزما ہوئے ۔ وہ یہ ہے ۔ وانزل الذین ظاهروهم من اهل الکتاب من صیاصیهم وقذف فی قلوبهم الرعب فریقاً تقتلون وتاسرون فریقاً واورثکم ارضهم ودیارهم واموالهم وارضاً لم تطؤها وکان الله علی کل شیء قدیراً ۔

قرآن پاک کی اس آیت کو سمجھنے والے اور سلطان کی زندگی کے حالات سے واقف لوگ بھی اس کی اس غرض و غایت کو سمجھ سکتے ہیں ۔ جو سلطان کے دل میں ہوگی ۔ جنوبی دیوار پر غزوات پیغمبر کے متعلق معتبر احادیث درج ہیں ۔ اور وہ جن میں جہاد سے اعراض کرنے والوں کے لیے سزاؤں کا اور ان کی عاقبت کا ذکر ہے ۔ دائیں بائیں مسجد کے اندر ان کتبوں کو ہر روز پڑھکر نمازیوں کے دلوں میں خدمت اسلام اور اعلائے کلمۃ اللہ کیلئے کیا کیا ولولے نہ پیدا ہوتے ہوں گے ۔ تمام ہندوستان کی مسجدیں پھر جایئے ۔ کیا شہنشاہوں کی بنائی ہوئی ۔ اور کیا عوام کی ۔ کیا اسلامی عہد کی ۔ اور کیا محکومی کے زمانہ کی ۔ سوائے "مسجد اعلیٰ" کے آپ کسی میں یہ بات نہ پائیں گے ۔ شاہجہان کی مسجد دلی میں آیہ

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ الخ پڑھکر بے شک دل خوش ہوا کرتا ہے ۔ کہ اتنی عظیم الشان بناؤں کو تعمیر کرتے وقت شاہجہان کے دل سے مسجد نبوی کا احترام نہیں گیا ۔ مگر "مسجد اعلیٰ" کو دیکھ کر شاہجہان کی مسجدوں کی خصوصیت بھی اتنی اہم نہ رہ گئی ۔

طریق داخلہ مسجد

سلطان "مسجد اعلیٰ" میں عام رستہ سے داخل نہیں ہوتے تھے ۔ اس خیال سے کہ مبادا میری آمد پر نمازیوں کو مسجد میں میرے ادب و احترام کا احساس سکون قلب اور توجہ الی المعبود سے

محروم کردے۔ مسجد کے بڑے کمرہ میں شمالی جانب ایک چھوٹا سا دروازہ تھا۔ جواب بند کر دیا گیا۔ یہ دروازہ سلطان کے محل سے نکل کر مسجد میں داخل ہونے کا تھا۔ نمازیوں کے سکون کو مسجد میں بے خلل رکھنے کا سلطان کو اتنا خیال تھا۔ کہ اس دروازہ سے داخل ہو کر پہلی جگہ پر ہی فی الفور مشغول عبادت ہو جاتے۔ کسی ایک غازی کے دل میں بھی یہ وسوسہ نہ گذرتا کہ سلطان انسانی طبائع سے کسقدر آشنا تھا۔ اتنا گوارا نہ تھا۔ کہ لوگوں کی اضطراری کیفیات احکام الہی کی انتشار کی تکمیل میں حائل ہوں۔ اخلاقی اسلامی کے اقتضا سے عوام کا اس مقام پر کھڑے ہونا۔ ابھی بہت دشوار تھا۔ کہ بادشاہ مسجد میں داخل ہو۔ اور خدا کے گھر میں کوئی اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے۔

غداران دولت خداداد

ایک قلعہ کے اندر ایک باہر دو جگہیں اور ایسی ہیں۔ جنکی طرف سیاح کو مسجد اعلیٰ یا گنبد کے خدام یا دوسرے وہاں کے رہنے والے مسلمان خاص طور پر متوجہ کرتے ہیں۔ اور وہ جگہیں سلطان شہید کے دو غدار عہدہ داروں کی ہیں۔ جنہوں نے آخری محاصرہ سرنگاپٹم کے دفاع کے وقت سلطان سے نمک حرامی کی۔ مشہور ہے کہ ایک ہندو دیوان اور ان دو مسلمان اعیان سلطنت کی بدولت سرنگاپٹم کی فتح میں محاصرین کامیاب ہو گئے۔ ان دو مسلمانوں میں سے ایک کا نام میر صادق ہے اس کی خام قبر قلعہ کے مشرقی دروازہ کے ساتھ ہی اندر کی جانب ہے۔ میسور کے تمام مسلمانوں کا معمول ہے۔ کہ جب "قلعہ" اور "مسجد اعلیٰ" کو دیکھکر باہر اس دروازے سے نکلتے ہیں تو بجائے فاتحہ خوانی کے میر صادق کی قبر پر تھوک کر چلتے ہیں کہا جاتا ہے۔ کہ میر صادق علی بلحاظ مذہب شیعہ تھے۔ قلعہ سے باہر نصف میل پر غلام علی لنگڑے کا مقبرہ ہے۔ اس کا بھی یہ حال ہے۔ کہ جو مسلمان اس پر فاتحہ کے لیئے ہاتھ اٹھائے۔ تو اُسے کافر نہیں تو کم از کم سلطان کا غدار یا حالات سے بے خبر ضرور سمجھا جاتا ہے۔ غلام علی لنگڑے کے متعلق مشہور ہے۔ کہ جب شہادت سلطان کے بعد حریف سرنگاپٹم پر قابض ہو گئے۔ اور یہ سوال پیش ہوا۔ کہ ریاست میسور اب کس کے حوالے کی جائے یعنی شہید کا کوئی شہزادہ گدی سنبھالے۔ یا موجودہ مہاراجہ کے دادا جو اس وقت چھ سال کے نوخیز بچے تھے۔ تو سب سے پہلے مسلمانوں ہی سے استصواب کیا گیا۔ اس استصواب میں سب سے پہلا مسئول بحیثیت یکے از اعیان دولت خداداد "غلام علی لنگڑا" تھا۔ جب اس کی رائے دریافت کی گئی۔ تو اس نے سعدی رح کا ایک قول حریفوں کے سامنے رکھکر تمام جھگڑا ہی چکا دیا۔ یعنی یہ کہا کہ:-

"افعی را کشتن و بچہ اش را نگہداشتن کار خردمندان نیست"

سلطان کی شخصیت

سلطان کس شخصیت کا مالک تھا۔؟ کیسا مسلمان تھا۔ کیسا حکمران تھا۔ کیسا سپاہی اور مجاہد تھا۔ کیسا مدبر تھا۔ کیسا فاضل اجل اور اخلاق کا مالک تھا۔ اس کی خانگی زندگی کیا تھی؟ غیر مسلم رعایا سے کیا سلوک تھا۔؟ نظام مرہٹوں اور انگریزوں سے جو لڑائیاں ہوئیں۔ ان کے متعلق صحیح واقعات کیا ہیں؟ سرنگاپٹم کا قلعہ کیوں چند دن پر مسخر ہو گیا۔؟ شہادت کن حالات میں ہوئی؟ تمام سوالات ہیں جن کے صحیح جوابات کے بغیر ہندوستان کی اسلامی تاریخ محض ناقص اور نامعلوم ہی ہے۔ کوئی باہمت مورخ۔ کوئی علمی ادارہ اس اہم قومی کام کو ہاتھ میں لے سکتا ہے جس نے سلطان کو "حضرت عالیہ" اور "نائب حق" کے خطابات سے پکارا ہے۔ اور مجھے پختہ یقین ہے۔ کہ اگر کچھ صحیح حالات اس وقت بھی جمع کر کے مسلمانوں اور باقی دنیا کے پیش نظر کر دیئے جائیں۔ تو مخالف مورخین کی غلط روایات اور جانبدارانہ بیانات کی قلعی خود بخود کھل جائے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو علم ہو جائے کہ اس ملک میں بھی رسول عربی کا کوئی سچا متبع اور سچا نائب ہو گذرا ہے۔ اورنگ زیب بڑی عظیم الشان شخصیت کا مالک تھا۔ لیکن میرا اعتقاد ہے۔ کہ واقعات کے اصلی آئینہ میں دیکھنے کے بعد علامہ اقبال کو بھی شاید "رموز بیخودی" کا یہ شعر بجائے اورنگ زیب کے سلطان شہید کی طرف منسوب کرنا پڑ جائے۔ ؎

درمیان کارزار کفر و دیں ✤ ترکش ما را خدنگ آخریں

جن جانبدارانہ اور مخالفانہ اغراض و مقاصد کو مدنظر رکھکر سلطان شہید کی زندگی کے حالات اور کارنامے غیر مسلم مورخین نے قلمبند کیے ہیں۔ ان کے بعض اقتباسات سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ سلطان کس اخلاق کا انسان تھا۔ اور کس بلا کا جوانمرد و حکمران اور مجاہد تھا۔ سہ سالہ (سلطان مرہٹوں) و نظام اور انگریزوں کی لڑائیوں کی تفصیلات میں پڑنے کا یہ محل نہیں۔ نہ راقم الحروف مورخ ہے۔ کہ ان واقعات کی چھان بین میں زیادہ محنت و وقت سے کام لے۔ مخالف مورخوں نے سلطان کی روزانہ زندگی اور عام اخلاق کی بعض باتیں جو لکھی ہیں۔ ان کا مختصراً قارئین کے سامنے پیش کرنا شاید کسی محقق کے ذوق تحقیق کو تازیانہ ہو۔

نسب سلطان!

لارڈ ویلنشیا لکھتا ہے۔ کہ یہ بیان قرین اعتبار ہے۔ کہ حیدر علی کا خاندان دراصل عرب سے ہندوستان میں آیا اور ان کے اجداد اس ملک کا معزز و موقر نسل سے تھے۔ اس لیئے۔ کہ اس خاندان کا پہلا رکن جو ۱۶۶۰ء کے قریب ہندوستان پہنچا وہ دہلی کی مسجد کا "ملّا" مقرر کیا گیا۔ پھر جب اسے گلبرگہ شریف بھیجا گیا تو اس نے وہاں کے مشہور بزرگ کے خاندان میں شادی کر لی۔ اس خاندان کی چھوٹی شاخ گلبرگہ سے سیرا (میسور) چلی گئی۔ اور وہاں کے صوبہ دار کی ملازمت اختیار کر لی۔ یہ صوبہ دار جب کولار میں تعینات ہوا تو حیدر علی کے باپ فتح محمد نے اس کی ملازمت میں نمایاں حیثیت پیدا کر لی۔ اور بالآخر راجہ سرنگاپٹم کی ملازمت میں آ گیا۔ فتح محمد کی وفات کے بعد اس کے لڑکے حیدر علی کو تدریجاً باپ کے تمام مناصب سپرد کر دیئے گئے۔

ذاتی حالت

ٹیپو سلطان ۱۷۴۹ء میں پیدا ہوا۔ اس کا اصل نام فتح علی خان تھا۔ مگر چونکہ حیدر علی خان کو سرنگاپٹم کے مشہور ولی اللہ ٹیپو مستان شاہ سے خاص عقیدت تھی۔ اس لیئے جسطرح شیخ سلیم چشتی کے نام پر جہانگیر کا نام سلیم پڑ گیا تھا۔ اسی طرح حیدر علی خان کے نامور فرزند کا نام ٹیپو مستان شاہ کے نام پر ٹیپو مشہور ہو گیا اس کا قد پانچ فٹ آٹھ انچ تھا۔ اعلیٰ درجہ کا شہسوار تھا۔ پالکیوں اور ایسی تمام سواریوں کو ناپسند کرتا تھا۔ جو عورتوں کے لیئے مخصوص ہیں۔ اس کا لباس بے انتہا سادہ تھا۔ تلوار اور خنجر ہر وقت زیب کمر رہتے۔ ہمیشہ جنگی تدابیر سوچتا رہتا۔ بارہا لوگوں نے اس کی زبان سے سنا کہ شیر کی طرح دو دن زندگی بسر کرنا بھیڑ کی دو سو سالہ زندگی سے بہتر ہے۔ اس کی سلطنت کا نشان شاہی شیر کی تصویر تھی۔ اس کے تخت کی آرائش کا سامان بھی "شیر کا سر" اور اس کے بدن کی "دھاریاں" تھیں۔ اور قریباً

اس کی ہر چیز میں آرٹ کا سامان یہی شیر کا سر اور اس کی دھاریاں تھیں۔

تخت گاہ عالی

سلطان کا تخت نہایت عالیشان تھا۔ ایک جیتے جاگتے عظیم الجثہ شیر کے قد کے مطابق ایک لکڑی کا شیر بنا ہوا تھا۔ جس کے بدن پر سونے کے پترے تھے۔ شیر کے قاہرانہ انداز میں اسے کھڑا کیا گیا۔ سر اور ساگلی دو ٹانگیں آگے کو تھیں۔ اور تخت اس کی پیٹھ پر رکھا گیا تھا۔ تخت ہشت پہلو وضع کا تھا۔ اردگرد چھوٹا سا جنگلا تھا جس میں چھوٹے چھوٹے شیروں کے دس سر لگے ہوتے تھے۔ جو سونے کے تھے۔ اور ان میں قیمتی پتھر جڑے ہوتے تھے تخت کے پیچھے ایک سات فٹ اونچا گلٹ کیا ہوا ستون جس پر نہایت خوبصورت چھتری تھی چھتری کی جھالر قیمتی موتیوں سے بنی ہوئی تھی۔ تمام تخت لکڑی کا تھا جس پر سونے کی چادریں چڑھی تھیں نشست کی صنعت و زینت کا سامان یا قرآنی آیات تھیں۔ یا شیر کی دھاریاں، شیر کی دھاری کا نام سلطان نے "ببری" رکھا تھا۔ چھتری کے سر پر کبوتر کے قد کے برابر سونے کا جانور تھا جسے سلطان ہما کہتے۔ اس کی دم بہت لمبی تھی۔ اور پر و بازو پھیلے ہوتے تھے۔ "ہما" تمام تر سونے کا تھا۔ اور ہیرے جواہرات زمرد وغیرہ سے مرصع تھا۔ تسخیر سرنگاپٹم کے بعد یہ وقت لارڈ ویلزلی نے ایسٹ انڈیا کمپنی کورٹ آف ڈائرکٹرز میں بھیج دیا۔ اور اب وہ انگلستان کے شاہی محل میں موجود ہے۔ ببری سے بڑھکر سلطان کے لئے زینت و صنعت کے لئے اور کوئی چیز نہ تھی۔ ہر در و دیوار پر "ببری" کے نقش دیکھنا چاہتا تھا۔ اس لئے کہ خود شیر تھا

شیرانہ خصائص سے محبت

علم پر بھی ایک طرف شیر کی تصویر بنی ہوئی تھی اور دوسری جانب اسداللہ الغالب لکھا ہوا تھا۔ آج ٹیپو کے مسلمان اسے "شیر دکن" کہتے ہیں۔ شیر کی سیرت اور شیر ہی کی شکل اسے پسند تھی۔ اندر باہر آگے پیچھے ہر جگہ شیر دیکھنا چاہتا تھا۔ گویا چاہتا تھا۔ کہ اس کی تمام رعایا اسے شیر نظر آئے۔ شیر کی دھاریوں والی ایک مخمل ایجاد کی تھی۔ اس کا نام ہی "ببری" تھا۔ سلطان ہمہ گیر جوہر قابلیت کا مالک تھا۔ دماغ اسقدر مخترع واقع ہوا تھا۔ کہ زندگی کے ہر شعبہ کو اپنی ایجادات سے ترتیب دینا چاہتا تھا۔ تلواریں بنوائیں پستول۔ توپیں سب اپنے ایجاد کردہ نمونے کی آہنوائیں نئی سوسائٹی۔ نئی طرز زندگی۔ پیدا کرنے کی خواہش جسقدر اس کے سینہ میں بے تاب تھی۔ بہت کم انسانوں میں دیکھی گئی ہوگی۔ ۲ مئی ۱۷۸۲ء کو ہیور کی دوسری لڑائی کے دوران میں تخت پر بیٹھا۔ اٹھارہ برس حکومت کی لڑائیوں سے ایک دم فارغ نہ بیٹھ سکا۔ اور آخر ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو لڑائی ہی میں شہید ہوا۔ اسقدر جنگی مصروفیتوں اور مشکلوں کی زندگی اور اس کے ساتھ زندگی کے تمام شعبوں میں اصلاح انتظام دولت میں اصلاح۔ علوم و فنون کی خدمت۔ شعر و ادب کا شوق رسائل فقہی میں اجتہاد۔ غیر مذہب کی رعایا پر حکومت۔ جنگوں کا خاتمہ دیکھنے کے لئے مرہٹوں سے قوم پرستانہ تعلقات کی خواہش، نظام سے رشتہ داری کی تجویز، خلافت عثمانی سے نیابت کا تعلق، نپولین سے نامہ و پیام، بحری طاقت پیدا کرنے کے خیالات غرض اس ۱۸ سالہ حکومت میں کیا کیا مقاصد اس کے سامنے آئے اور اس نے کیا کیا ذرائع ان کے حصول کے لئے اختیار کئے اور کس حد تک کامیاب ہوا۔ عام انسان کو

حیرت میں ڈالنے کی باتیں ہیں، کاش کوئی محقق ان سب امور پر کوئی مستند کتاب لکھ سکے، ٹیپو نے تمام مسکرات دولت خداداد کے اندر ممنوع قرار دے رکھی تھیں،

روزانہ زندگی

سلطان ہر روز صبح صادق سے پہلے بیدار ہوتا، اور غسل سے پہلے مالش کراتا، نماز صبح کے بعد نصف گھنٹہ "جمعدار خانہ" کا ملاحظہ کرتا جس میں جواہرات اور دیگر سامان دولت ذخیرہ رہتا۔ پھر تین چھوٹے بیٹوں اور ایک منشی کے ساتھ چاشت کا کھانا کھاتا، چاشت پر ہی سر پہلے لکھتا تا، چاشت کی خوراک پھل، بادام، دودھ، مکھن وغیرہ ہوتی، چاشت کے بعد شاہانہ لباس سے آراستہ ہو جاتا، اور گورنمنٹ کے کاروبار کی انجام دہی کے لئے دربار منعقد

کرتا، جس کئی گھنٹے فوج کے رنگروٹوں کو ملاحظہ کرنے میں صرف ہوتے رنگروٹوں سے ان کی ذات ان کے ملک اور ان کے مذہبی علم کے متعلق سوال کرتا، شام کے وقت اسپ سوار ہو کر نکلتا، اور فوجوں کی تعلیم و تربیت کی نگرانی کو جاتا محل میں واپس آکر رپورٹوں پر غور کرتا، دن بھر کی خبریں سنتا، مختلف صوبوں سے جو درخواستیں اور خطوط موصول ہوتے ان پر احکام صادر کرتا، شام کو تین بڑے شہزادوں کو ساتھ رکھتا، اور اعیان دولت میں سے ایک دو کو ساتھ لے کر شام کا کھانا تناول فرماتا، شام کے کھانے پر سلطان کو تاریخی واقعات اور اشعار سننے کا بیحد شوق تھا کھانے کے بعد چہل قدمی ہوتی، اور پھر نیند آنے تک مذہب یا تاریخ کی کتابیں مطالعہ کرتا رہتا۔

ٹیپو کو اپنی رائے پر بیحد وثوق تھا کسی کی باتوں پر اسی وقت کان

دھرنا چنانچہ اس کے خیالات اس کے اپنے خیالات کے مطابق ہوتے، خود اعلیٰ درجہ کا ادیب، انشا پرداز اور شاعر تھا، اور انتظامی امور اور کاروبار کی غیر معمولی قابلیت کا مالک تھا۔

غیرت و حمیت

تمام عمر اس نے خود کسی کو ہاتھ اُٹھا کر سلام نہ کیا اور نہ کسی دوسرے کو سلام کی اجازت دی، دن میں صرف دو وقت کھانا کھاتا، تمام امراء اور شہزادگان اس میں شریک ہوتے، کہتے ہیں، کہ جس دن ۱۷۹۲ء میں میسور کی تیسری لڑائی کے بعد سلطان کو محصور ہو کر صلح کرنی پڑی، اور لارڈ کارنوالس کو بڑا علاقہ اور دو بیٹے بطور یرغمال دینے پڑے، اس دن سے لیکر شہادت کے دن تک سلطان چارپائی پر نہیں سویا، زمین کے فرش پر کھدر کے ایک موٹے کپڑے پر سوتا تھا، اور قسم کھالی تھی، کہ جب تک انتقام نہ لے لوں گا، چارپائی پر سونا میرے لئے حرام رہے گا، وہ تضحیک و تمسخر کی باتیں سخت ناپسند کرتا تھا اور کسی کو ایسی باتوں کی اس کے سامنے جرأت نہ ہوتی تھی، عمامہ کے اوپر سفید رومال ہمیشہ باندھتا، گلے میں بھی عموماً سفید رومال ہوتا، احساس قلب اس قدر نازک کہ دنیا میں اپنی مثال شاید آپ ہی تھا، اس کی فطرت میں حیا کا مادہ اس حد تک تھا، کہ تمام عمر میں کسی شخص نے اس کے بدن کا کوئی حصہ سوائے ہاتھ پاؤں، اور منہ کے عریاں نہ دیکھا غسل خانہ میں بھی سر سے پاؤں تک ملبوس رہتا، اور اسی حالت میں غسل کرتا اپنا بدن آپ بھی نہیں دیکھا تھا، حضرت عثمانؓ کے بعد اس اعتبار سے سلطان دنیا میں حیا کی دوسری حیرت انگیز مثال تھا، سلطان کے بارہ بیٹے تھے اور جس قدر اس کی اخلاقی زندگی پاکیزہ تھی، دنیا میں کم افراد کی ہوگی۔

متفاوت خیالات

سب سے بڑی تمنا یہ تھی، کہ مذہب اسلام کو بچائے، اسے فروغ و تقویت دے، اس کی تبلیغ میں ہر ممکن کوشش صرف کر دے، اور حکومت کا تمام مدار سنی شریعت کے احکام پر مبنی ہو، حیرت ان مؤرخین کو اس امر پر ہے کہ باوجود اس قدر مذہبی جذبہ رکھنے کے قلعہ سرنگاپٹم کے اندر ہندو مندروں کی طرف اس نے انگلی تک نہ اٹھائی اور اب تک ریاست میسور میں ایسی سلطانی دستاویزیں موجود ہیں جن کے مطابق ٹیپو اور اس کے باپ حیدر علی نے ہندو مندروں کو جاگیروں کی سندیں عطا کیں، ٹیپو کا بدن سانولے سے گندمی رنگ کا ... تھا، نہایت طاقتور اور مضبوط جسم تھا، چہرے کے خال و خط نہایت نازک تھے، اسی طرح ہاتھ اور پاؤں بھی چھوٹے اور نازک تھے۔

جامع العلوم

بعض تحریروں کے مطابق سرنگاپٹم میں "جامع الامور" کے نام سے ایک یونیورسٹی قائم تھی جہاں مذہب کی تعلیم کے علاوہ عہد حاضر کے علوم و فنون تعلیم دی جاتی تھی، اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کی تعلیم کا سلطان کو خاص خیال تھا، تسخیر سرنگاپٹم کے بعد ٹیپو کی لائبریری میں ایشیائی لٹریچر پر دو ہزار کتابیں تھیں، جن میں اس خط و کتابت کی تمام شہادتیں موجود تھیں جو سلطان نے انگریزوں کے خلاف فرانسیسیوں، ترکوں، افغانوں، مرہٹوں، مغل شہنشاہ دہلی راجپوتوں، ایرانیوں، عربوں، اور نیپالیوں سے کی۔

سلطان اپنے بازو پر ہمیشہ ایک تعویذ باندھے رہتے تھے، خوابوں اور ان کی تعبیروں میں خاص شغف تھا، اپنے اچھے خواب خاصکر وہ جن کی جنگی، سیاسی تعبیر برخود کرتے، عام طور پر قلمبند کر لیا کرتے۔

فتاویٰ اور شرعی احکام

سلطان نے شرعی احکام کے لئے اپنا فتاویٰ آپ مرتب کرائے اور فوجی قواعد و جہاد کے متعلق فتح المجاہدین کے نام سے ایک کتاب لکھی، یہ تصنیفات کوئی ہمت کرے، تو اب بھی پیدا ہو سکتی ہے، اور محفوظ کی جا سکتی ہے، جنوبی ہند کی سونے کی کانیں سلطان نے کھدوائیں اور بہت سا سونا نکلا، ایک روایت کے مطابق سونا نکالنے کا طریق موجودہ سائنٹیفک طریق بدرجہا اچھا اور سہل تھا، جب سلطان جنگ پر چڑھائی کرتا، تو معدنیات کے ماہرین کی ٹولیاں دائیں بائیں قیمتی کانوں کی تلاش

وتحقیق میں ہمیشہ ساتھ رہتیں۔

سد سلطانی

دریائے کاویری پر موجودہ مہاراجہ میسور نے جو فلاح رعایا کو ملحوظ رکھتے ہوئے نہریں نکالنے کی غرض سے بند بنوایا ہے، اور اس پر کروڑوں روپے خرچ کئے ہیں۔ اس کی بنیاد ۱۷۹۸ء میں سلطان شہید ہی نے رکھی تھی، جب اس سد یا بند کی تعمیر شروع ہوئی، تو کچھ عرصہ کے بعد ابتدائی مقام تعمیر سے کوئی سو دو سو گز کے فاصلہ میں عام پتھروں میں ملا ہوا، ایک سنگ مرمر کا کتبہ ملا جس پر فارسی عبارت میں سلطان کا فرمان کندہ تھا، غور سے دیکھا گیا، تو یہ پتھر اسی بند کا سنگ بنیاد تھا، کمال انصاف و دانشمندی سے مہاراجہ میسور نے اب اس پتھر کو بند کے ایک سرے پر شاہراہ عام پر نصب کرا دیا ہے اور اس کے ساتھ اس کا انگریزی ترجمہ بھی ایک پتھر میں کندہ کرا کے الگ لگا دیا ہے، کتبے کی عبارت سے عیاں ہے کہ سلطان کو اپنی رعایا کی خوشحالی کا کس درجہ گہرا خیال تھا، اور وہ اس رعایا کے لئے کیا کچھ نہ کرنے والا تھا؟

سنگ بنیاد

سنگ بنیاد کی عبارت ملاحظہ ہو:-

یا فتاح

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بتاریخ بست و نہم ماہ تقی سال شاداب ۱۲۲۱ یک ہزار و صد و بست و یک مولود محمد صلی اللہ علیہ وسلم مطابق بست و ہشتم شہر ذی الحجہ ۱۲۱۲ یک ہزار و صد و دوازدہ ہجری نبی علی الصبح پیش از طلوع آفتاب در طالع ثور، ساعت زہرہ شروع سد مے کہ بسمت مغرب از دارالسلطنت واقع است بفضل الٰہی و اعانت حضرت رسالت پناہی خلیفہ زمین و زمان شہنشاہ دوران جناب ظل اللہ الملک المنن حضرت ٹیپو سلطان خلد اللہ ملکہ و خلافتہ در دریائے کاویری بنا فرمودند الشروع منا و الاتمام علی اللہ و در روز بنا قمر و شمس و زہرہ و مشتری در برج حمل قران السعدین میداشتند بعونہ تعالیٰ سد مذکور تا یوم القیامہ قائم و مانند برج ثوابت خواہد بود بنا بر تیاری سد مرقوم آنچنین کہ زر از سرکار خداداد لکوک خرج شدہ محض فی سبیل اللہ نمودہ شد سوائے زراعت قدیم زراعت جدید ہر کہ در زمین غیر مزروع کند از حاصل از قسم آثار و غلہ بسرکار خداداد مثل رعایائے دیگر آنچنین کہ باشد در آن چہارم حصہ فی سبیل اللہ معاف است سہ حصہ بسرکار خداداد بدہد زمین زراعت تو ہر کہ میکند تا قیام ارض و سما بر اولاد و احفاد صاحب زراعت قائم و بحال باشد، اگر کسے مخل و مزاحم و مانع این خیرات جاریات گردد، آنکس مثل شیطان لعین دشمن بنی نوع بشر و نطفہ مزارعین و نطفہ تمام مخلوقین است، بخط سید جعفرؒ

اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے، کہ سد کی تعمیر سلطان کے عہد میں شروع ہو چکی تھی، لاکھوں روپیہ اس پر شاہی خزانہ سے صرف ہو چکا تھا نئے مزارعوں سے جو لگان وصول کیا جاتا تھا، اس کی شرح مقرر ہو چکی تھی، اس سد کی تعمیر نے پانچ میل رقبہ کی ایک وسیع جھیل پیدا کر دی ہے جس سے اب نہریں نکل رہی ہیں جھیل کا نام موجودہ مہاراجہ کے نام پر "کرشنا ساگر" رکھا گیا ہے۔

اختراعات سلطانی

سلطان ٹیپو نے جس طرح ملکی اور جنگی فنون میں سینکڑوں ایجادیں کیں

اسی طرح ماہ و سال کے ناموں اور حساب کے لئے بھی طریقے اختراع کئے سنہ ہجری کے بجائے سنہ مولودی کو رواج دینا چاہا، یعنی رسول اللہ کی پیدائش کے دن سے ایک نیا اسلامی سال قرار دے دیا، کئی قسم کے شمسی اور قمری سال بنا دیئے، سکوں کی خاطر نئے سالوں کو ملحوظ رکھ کر "ابجد"، (ا ب ج د) کے بجائے "ابتث" (ا ب ت ث) ایجاد کی نئے سکوں کے نام رسول اللہ، صحابہ کرامؓ اور اماموںؒ کے نام پر رکھے، مثلاً احمدی، صدیقی، فاروقی، عثمانی، حیدری، امامی، عابدی، باقری، جعفری، کاظمی وغیرہ، حیدر علی بالکل ناخواندہ شخص تھا، صرف دستخط کے لئے حرف ح لکھنا جانتا تھا، اس کے زمانہ میں جو سکے مضروب ہوتے ان میں سے بعض میں ایک طرف پرانے ہندو سکوں کی طرح شیو اور پاربتی کی تصویر تھی، اور دوسری طرف فقط ح، بعض سکوں کے ایک طرف ہاتھی جو حیدر نگر کے راجوں کا نشان ہے، اور دوسری طرف ح، سلطان ٹیپو نے سینکڑوں سکے مختلف ہندی اور عربی ناموں سے ضرب کئے، بارہ مقامات پر سلطانی دار الضرب قائم تھے، اور دونوں باپ بیٹے کے عہد حکومت میں قریباً پانچ سو قسم کے چھوٹے بڑے سکے مضروب ہوئے، ہندوستان کے سکوں کی تاریخ لکھی جائے، تو جس عمدگی اور خوبی اور تنوع کے حیدر علی اور ٹیپو کے سکے تھے ویسے کسی عہد حکومت کے نہ ملیں گے سلطان کا دماغ عجیب قسم کا مخترع واقع ہوا تھا، بہترین سکہ وہ ڈبل روپیہ اور روپیہ تھا، اور شاید خوبصورتی میں ہندوستان کا کوئی سکہ اس کے پایہ کا نہ ہوگا، جس کے ایک طرف لکھا ہے۔ ع

دین احمد در جہاں روشن ز فتح حیدری است

اور دوسری جانب ابو العادل سلطان حیدر لکھا ہے کسی سکہ پر سن ہجری، کسی پر سن محمدیؐ کسی پر سالی: افال، کسی پر سالی شاداب، کسی پر سال سراب، یہ وہ نام ہے، جو سلطان نے سالوں کو خود دیئے۔

سلطان نے دولت خداداد کے اندر تمام جاگیروں کا خاتمہ کر دیا تھا، اس کا خیال تھا، کہ بادشاہ اور رعایا کے درمیان کوئی تیسرا شخص حائل نہیں رہنا چاہیئے، سرمایہ داری کی بیخ کنی پر سلطان دولت خداداد کی بنیادوں کو استوار کرنا چاہتا تھا، کہ تمام رعایا بڑے زمینداروں کے شکنجے سے رہائی پا جائے گی یہی وجہ ہے، کہ آج ریاست میسور میں سوائے ایک رئیس کے کوئی بڑی جاگیر نہیں اور وہ زمینداری یا جاگیر اس دیوان کے خاندان کے قبضہ میں ہے، جو پہلے سلطان کا دیوان تھا، اور پھر انگریزوں نے اسے راجہ میسور کا دیوان مقرر کر دیا، یہ جاگیر دیوان پورنیا کو اسی وقت دی گئی، جب میسور کا علاقہ راجہ کے حوالہ کیا گیا۔ جس طرح ٹیپو کو میسور کے علاقہ میں لوگ ٹیپو نہیں بلکہ سلطان شہید کہتے ہیں، اسی طرح حیدر علی کا نام بھی حیدر علی کم لیا جاتا ہے، عام طور پر لوگ "بہادر" کہہ کر پکارتے ہیں، یوں تو حیدر علی بہادر ان کو زندگی میں بھی کہا جاتا، سکوں میں سے بھی بعض کے نام "حیدری" اور "بہادری" ہیں معلوم ہوتا ہے، پنجاب کے دیہات میں بھی جن سکوں سے بچوں کی ہنکلیں بنائی جاتی ہیں، اور ان کو "بہادریاں" کہا جاتا ہے، وہ اصل میں یہی سلطان کا سکہ "بہادری" ہے، تسخیر قلعہ سرنگاپٹم اور سلطان کی شہادت کا واقعہ خاص تاریخی امور ہیں اور ان کے لئے مزید مستقل صحبت کی ضرورت ہے، لیکن پیشتر اس کے کہ اس موضوع پر کوئی قلم اٹھائے اشد ضرورت ہے، کہ مسلمان مؤرخین سلطان شہید کے صحیح اور معتبر حالات کی تحقیق کے درپے ہوں۔ مسلمان اگر زندہ رہنا چاہتے ہیں، تو انہیں سب سے پہلے اپنی تاریخ کو زندہ کرنا چاہیئے۔

سلطان شہید رحمۃ اللہ علیہ کے

ایک مسلما

حضرت ٹیپو سلطان رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کے ۲۴ سال بعد ۱۸۲۳ء میں
حضرت سلطان کے جسدِ مبارک نے خاک و خون کو مشرف فرمایا تھا انگ
ترجمہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔ (مدیر)

(۱)

خون کی اس عمیق رات میں۔ اے اسلام کی شمع روشن! تیرا شعل
اور اقتدارِ شاہانہ کا عصا تیری قوم کے ہاتھ سے چھن گیا!
تیری مسندِ جلال کے گرد بے شمار سچے اور جگر دار غازیوں
جب آفتاب کی شفق ریز شعاعیں اُس پار پہاڑ کی بلند چ
لگیں تو اُن غازیوں میں سے صرف وہی باقی رہ گئے
اللہ! اللہ!! اس حال میں کہ ہ
ہمارے سروں پر جھکے ہوئے ہوں
زندگی سے جو سالہا سال کے اندو

(۲)

اے آسمانِ جہاد کے ستارے! تو غروب ہو گ
کی طرح نہیں، جنھیں نامردی نے طوفانِ پیکار کی برہم
فراموشی کر دیا اور جو اپنے مغرور، سربلند دشمنوں کے س
کے لیے خاک مذلت پر سربسجود ہو گئے!
بہادر مجاہدوں کی صف میں رہ کر جان دے دینا ایسے لوگوں کے
رہ کر فرماں روائی کرنے سے ہزار درجے بہتر ہے!
اللہ! اللہ!! اس حال میں کہ ہنگامۂ کارزار کے خونیں
ہمارے سروں پر جھکے ہوئے ہوں موت بہتر ہے ایسی سو
زندگی سے جو سالہا سال کے اندوہ و انفعال کی سرمایہ دار

(۳)

نہیں! تو خاک و خون کے بستر پر اُس سوزاں فروزاں آفتاب کی طرح
سو گیا۔ جس کی تیز ترین، خیرہ کن، غضبناک شعاعیں اُس وقت نمودار ہوں،
جب اس کا دورہ ختم ہونے والا ہو!
جس مقام پر موت کے جانسوز شعلوں کی لپک اور خون آشام تلواروں
کی زہرہ گداز جھنکار سے فضا لبریز ہو رہی تھی اور مرنے والے جلد جلد آخری دم

ہلالِ عید

(جناب حکیم عزیز الدین احمد عظامی تلمیذ حضرت ملک الشعرا گرامی مغفور)

ے عکس خم ابروئے یار
اے نوید راحت و آرام چشم انتظار

نگشتری دست نور
اے کلید قفل باب رحمت پروردگار

غر رنگیں مئی عیش و طرب
اے سراسر عکس ازرقِ ساقی سیمیں عذار

سایش بزم نجوم
ہر شعاع مہر بوسد عارضت پروانہ وار

یمیں کے
اے ہلال اے حلقہ زریں گوش آن نگار

م خلیل
گہ دو پارہ میشوی از انگشت احمد خامہ وار

ے
بر رفیقان وطن از من پیامے عرضہ دار

در شہر عظامی دوستاں

مش مہ سیمائے یار

سینما کے تعلیمی فوائد

تصاویر متحرکہ اور اخلاقِ عامہ

جناب دیوان آنند صاحب بی اے ایم آر اے ایس ایڈیٹر شبستان لاہور

تصاویر متحرکہ جنہیں سینما یا بائیسکوپ کہا جاتا ہے، ہندوستان میں روز بروز بہت زیادہ مقبول عام ہوتی جاتی ہیں۔ روزمرہ لاکھوں انسان سینما گھروں میں جاتے ہیں، اور دلچسپ اور سبق آموز افسانوں کے واقعات کو اپنے سامنے زندہ اور متحرک دیکھتے ہیں مذہبی، اخلاقی اور معاشرتی اعتبار سے سینما پر بے شمار اعتراضات کئے جاتے ہیں، لیکن میرا خیال ہے کہ محض نفس تصویر پر اعتراض بہت کم اشخاص کو ہوگا، قابل اعتراض صرف وہ مناظر ہوتے ہیں، جن میں ہمارے ایشیائی یا ہندوستانی اخلاق کے خلاف افعال و حرکات دکھائے جاتے ہیں، ان کو کوئی ہوشمند انسان پسندیدہ نہیں سمجھ سکتا اور ہندوستان میں جابجا ان تصاویروں کی نگرانی کے لئے جو سنسر بورڈ قایم ہیں، ان کا فرض ہے، کہ جہاں کہیں، کسی تصویر میں کوئی ایسی مکروہ بات دیکھیں، اس پر اعتراض کریں، اور اسے حذف کردیں، سینما ایک تفریحی چیز ہے، ہر تفریحی مشغلے میں بعض نقائص بھی ہوتے ہیں، عقلی انسانوں کا فرض ہے، کہ تفریح کی مخالفت نہ کریں، کیونکہ ایسی مخالفت بالکل بے نتیجہ اور غیر موثر ہوگی، ہاں ان نقائص کو دور کرنے میں پوری کوشش کریں، بلکہ ان کی جگہ خوبیاں پیدا کرنے میں ساعی ہوں، تاکہ عوام تفریحی مشاغل کے ساتھ ہی ان سے تعلیمی فائدے بھی حاصل کریں۔

سینما اور تعلیم عوام

سینما سے تعلیم عوام میں مدد لینے کا مسئلہ ہندوستان اور دیگر ممالک میں بہت سی کانفرنسوں کا موضوع بحث بنا رہا ہے، اور اب تک جمعیۃ الاقوام (لیگ آف نیشنز) میں بھی اس کی طرف کافی توجہ کی جارہی ہے، تعلیم کا جو محدود مفہوم سکولوں اور کالجوں سے متعلق ہے، اس میں سینما بہت کامیابی سے استعمال کیا جارہا ہے، مثلاً بعض صنعتی اور سائنٹفک تجربے یا طریقے تصاویر متحرکہ کے ذریعہ سے دکھائے جارہے ہیں، طلباء ان تجربوں اور طریقوں کو کتابوں میں پڑھ کر کما حقہٗ نہیں سمجھ سکتے، لیکن جب سارا عمل ان کی نظروں کے سامنے دکھایا جاتا ہے، تو اس کی تمام تفصیلات بہت آسانی سے ذہن نشین ہوجاتی ہیں۔

سینما اور دیہاتی آبادی

اس کے علاوہ عوام میں بعض مفید خیالات و معلومات کے پھیلانے میں سینما بہت بڑا کام دیتا ہے، مثلاً حفظان صحت کے طریقے صفائی کے وسائل، ترقی یافتہ آلات زراعت کا استعمال، امداد باہمی کے فواید اور اسی قسم کی دوسری ضروری تعلیمات، جب تصاویر متحرکہ کے ذریعے سے دیہات کی جاہل آبادی کے سامنے پیش کی جاتی ہیں، تو اس کا بہت مفید اثر ہوتا ہے، اور جو کام بڑے بڑے لمبے لیکچروں سے نہیں ہوسکتا، وہ ایک فلم کی مدد سے بآسانی انجام پاجاتا ہے، ہندوستان میں جہاں تعلیم یافتہ آدمیوں کی تعداد بہت کم ہے، اور عام آبادی جاہل اور ناخواندہ ہے، سینما کے فواید کی وسعت بے اندازہ ہے۔

تعلیم کا وسیع مفہوم

تصاویر متحرکہ میں مختلف ملکوں کی خبریں فلم کے ذریعے سے دکھائی جاتی ہیں، صرف اخبار پڑھنے والے اشخاص خبروں کو اس حیثیت میں نہیں سمجھ سکتے، جس میں سینما دیکھنے والا انہیں سمجھتا ہے، وہ تمام خبریں اس کی چشم دید ہوتی ہیں، اور "شنیدہ کے بود مانند دیدہ" اس سلسلے میں اسے مختلف ملکوں کے رہنے والوں کے لباس اور عادات واطوار، رسوم وعادات کے دیکھنے کا موقع ملتا ہے، دنیا کے مشہور اور قابل دید مقامات جنہیں ننانوے فیصدی لوگ عمر بھر نہیں دیکھ سکتے، پردہ تصویر پر گھر بیٹھے نظر آجاتے ہیں، اور تصاویر متحرکہ دیکھنے والا انسان تکالیف سفر برداشت کئے بغیر ہی جہاں دیدہ بن جاتا ہے۔

سینما کے افسانے

سینما میں جو افسانے دکھائے جاتے ہیں وہ بھی فائدے سے خالی نہیں ہیں، معلمین ادب علی العموم طلباء کو ہدایت کرتے رہتے ہیں، کہ جس ملک کی معاشرت اور جس قوم کے اخلاق و اطوار کی معلومات حاصل کرنا چاہو، اس ملک و قوم کے بہترین ناول پڑھو، کیونکہ اچھے ناولوں ہی میں قومی معاشرت کا صحیح خاکہ نظر آسکتا ہے، یہ ہدایت سینما پر بھی منطبق ہوتی ہے، آج کل ہندوستان میں امریکہ، انگلستان اور دوسرے ممالک کے جو افسانے دکھائے جاتے ہیں، ان کو دیکھ کر ہر شخص مغربی معاشرت کی تفصیلات سے واقف ہوجاتا ہے، اس معاشرت کے محاسن اور عیوب سب اس کی نظروں کے سامنے بے نقاب ہوجاتے ہیں، اور اس کی معلومات میں کئی ایسی چیزوں کا اضافہ ہوجاتا ہے جنہیں سینما کے شائقین یا اس کو نہ دیکھنے والے کبھی معلوم نہیں کرسکتے۔

سینما اور تاریخ

یہی حالت تاریخی افسانوں کی ہے۔ دنیا کی جو قدیم تہذیبیں اب بالکل فنا ہوچکی ہیں۔ اور جن کی خصوصیات بڑے بڑے عالم حضرات کے سوا عوام کو بالکل معلوم نہیں ہیں۔ ان کا نقشہ جب پردہ تصویر پر پیش کیا جاتا ہے۔ تو عوام کو معلوم ہوجاتا ہے۔ کہ بابل و نینوا، مصر و کالدیا، ایران و ہند، چین اور وسط ایشیا کے قدیم باشندے کس انداز سے زندگی بسر کرتے تھے۔ اسی طرح جن بادشاہوں کا تذکرہ تاریخ میں محفوظ ہے لیکن ان کے عہد کی انسانی سوسائٹی کے متعلق عوام کی معلومات محدود ہیں۔ ان کے افسانے بھی سینما میں آکر عوام کی افزائش علم کا موجب بنتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ ایسی تصویریں ہمیشہ بڑے بڑے ماہرین تاریخ قدیم اور قابل و فاضل مورخین کے مشورے اور ہدایت کے ماتحت تیار کی جاتی ہیں جن کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے۔ کہ جہاں تک ہوسکے زمانہ قدیم کی معاشرت کے متعلق صحیح ترین نقشہ عوام کے سامنے پیش کریں۔

ایک مثال

مثال کے طور پر تصور کیجئے۔ اگر ہندوستان میں تاریخ ہند کی ضخیم کتابیں۔ طلباء کو پڑھانے کے بجائے ایک طویل فلم تیار کیا جائے جس میں چندر گپت اور اشوک کے زمانے سے لیکر سلاطین مغلیہ اور برطانوی سلطنت تک کے بڑے بڑے واقعات بڑی بڑی شخصیتیں اور مشہور تاریخی مقامات تسلسل کے ساتھ دکھائے جائیں۔ تو ظاہر ہے۔ کہ طلباء کو کتابوں کی ورق گردانی اور طوطے طرح واقعات کے رٹنے سے نجات مل جائے گی۔ اور محض تصویروں کو دیکھ کر سارے واقعات اس طرح ان کے دماغوں میں جاگزیں



ہو جائیں گے۔ جیسے ان سب کو انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اسی چیز کو مدنظر رکھکر یورپ والوں نے بائبل کا ایک طویل فلم تیار کیا ہے۔ جس میں آدم سے لیکر مسیح کے اٹھائے جانے تک سارے واقعات۔ انبیا کی زندگیاں۔ قوموں کی سرکشیاں خدا کے عذاب۔ غرض سب باتوں کو پردۂ تصویر پر ظاہر کیا ہے۔ تاکہ عیسائی بچے اس فلم کو دیکھکر عہد نامۂ جدید اور عہد نامۂ عتیق کی تفصیلات سے پوری طرح واقف ہو جائیں۔ ہندوستان میں ہندوؤں کے دھارمک فلم بھی اسی مقصد سے تیار کئے گئے ہیں۔

سینما اور اخلاقی تعلیم

میں پہلے اعتراف کر چکا ہوں کہ بعض مغربی فلموں میں بعض مناظر ہمارے ایشیائی اخلاق کے منافی ہوتے ہیں۔ جن کو حذف کرنا ہندوستان کے سنسروں کا فرض ہے۔ تاکہ اہل ہند پر سینما کا بُرا اخلاقی اثر نہ پڑے۔ اس چیز کو چھوڑ کر یہ دیکھنا چاہیئے کہ دنیا میں آج تک جتنے افسانے یا ڈرامے لکھے گئے ہیں۔ یا جتنے فلم تیار کئے گئے ہیں۔ ان سب میں (با ستثنائے چند) یہ اصول مدنظر رکھا گیا ہے کہ افسانوں میں نیکی کا بدلہ نیک اور بدی کا عوض بُرا ہی دکھایا جائے جو لوگ سینما دیکھتے ہیں۔ انہیں معلوم ہے۔ کہ اُن تصویروں میں ہمیشہ نیک اور عالی سیرت شخص کا انجام اچھا اور بد قماش اور کمینہ کیرکٹروں کا انجام بُرا دکھایا جاتا ہے۔ یہ کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ کہ کسی ظالم سیہ کار کم ظرف۔ بزدل انسان کو کامگاری نصیب ہوئی ہو۔ یا کسی نیک۔ سوجھت ہیشہ۔ پارسا۔ عالی حوصلہ اور بہادر شخص کو ذلت و ناکامی سے دو چار ہونا پڑا ہو۔ اس لئے سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ سینما دیکھنے والوں کے اخلاق پر کوئی مضر اثر نہیں پڑ سکتا۔ بشرطیکہ ان تصویروں میں ایسے مناظر نہ ہوں جو ہندوستانی طبائع میں آوارگی پیدا کرنے کے موجب ہو سکیں۔ مجھے اُن معلمین اخلاق پر ہمیشہ تعجب ہُوا کرتا ہے۔ جو اخلاق حسنہ کی تعلیم کے لئے قصے کہانیوں سے کام لینا جائز اور مناسب سمجھتے ہیں۔ لیکن اگر انہی کہانیوں کو تصاویر متحرکہ کی صورت دے دی جائے تو اس کے مخالف ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ تصاویر میں آکر ان کہانیوں کا اثر دہ چند بڑھ جاتا ہے۔

شدید سنسر کی ضرورت

غرض جہاں تک دیکھا جائے۔ سینما کے اخلاقی فوائد بے شمار ہیں۔ اور اگر اس میں بعض نقائص اور بعض خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ تو وہ محض بعض بے پروا اور خود غرض تاجروں کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ جو اخلاق عامہ کی مصلحتوں سے غافل ہو کر محض پیسے بٹورنے کے لئے مخرب اخلاق فلم تیار کرتے ہیں۔ ورنہ سینما بجائے خود ہرگز قابل اعتراض نہیں ہے۔ ہندوستان میں گورنمنٹ اور رہنمایان عوام دونوں کا فرض ہے کہ تصاویر متحرکہ کے اخلاقی و معاشری احتساب کو زیادہ باضابطہ اور زیادہ لازمی کر دیں۔ تاکہ زمانۂ حال کی یہ عظیم الشان ایجاد نقائص کی وجہ سے بدنام نہ ہونے پائے۔ بلکہ خرابیوں سے بالکل پاک ہوکر اہلِ ہند کے لئے علمی اخلاقی اور معاشری فوائد کی موجب بن جائے۔

آہ ٹیپو سلطان!

یہ مرثیہ کنٹری زبان میں لکھا گیا تھا۔ اسکے بعد انگریزی نظم میں اسکا ترجمہ شائع ہوا۔ اس ترجمے سے اردو کے قالب میں ڈھالا گیا۔ (مدیر)

(۱)

آہ! ہمارے سلطان کی شوکت شاہانہ کس قدر جلد غائب ہو گئی!

آہ! سرنگا پٹم کی تقدیر دولت اور طاقت کی بلندی سے زوال کی پستی میں کتنی تیزی سے گر گئی! اُسکے ظفرمند جھنڈے کیوں کر اوج آسمان سے ٹکراتے تھے۔ اُسکے قاہر لشکر کس قدر غرور و سربلندی سے بڑھتے جاتے تھے۔ آہ! مالک کائنات نے تبسم کریمانہ کی نظریں اُن کی طرف سے ہٹا لیں اور

وہ سب گزر گئے

(۲)

ہمارے سلطان کی آباد مملکتیں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ پہاڑیوں پر قلعے جنگی غرور و افتخار سے سربلند کھڑے چاروں طرف ہیبت پھیلا رہے تھے۔ اسکی فوجیں بے شمار تھیں۔

اُس کے فرانسیسی سپاہی جنگ دیکھنے کے لئے بیقرار تھے! سلطان غازی کا گھوڑا جو سربلندی سے ہر طرف جھپٹتا پھرتا تھا۔ ایک لمحہ میں

وہ سب گزر گئے

(۳)

ہمارے سلطان کے کوہستانی قلعے زندہ پتھروں کے بنے ہوئے اور عظیم چٹانوں میں سے تراشے ہوئے تھے۔

انہی قلعوں سے ہوائی بان بلند ہو کر چاروں طرف اپنی ضیا پھیلاتے تھے اور اژدرِ دم توپوں کے دہانے رعد کی طرح گرجتے تھے

انہی قلعوں سے سلطان کے نقرئی نیزے بلند ہو کر چمکتے نظر آتے تھے۔ اور سربلند جھنڈوں کے بانکے پرچم ہواؤں میں لہراتے تھے۔

آہ! ایک چشم زدن میں

وہ سب گزر گئے

ہیں رکھنا چاہتا تھا۔ لیکن بہر حال اس پر افسوس ہے اور ہمیشہ افسوس رہیگا۔

کی تکمیل کا خیال نہ آیا شاید اس لئے کہ ان میں سے کوئی شخص اپنے سوا کسی پر و[illegible] [illegible]ال



بقیہ صفحہ ۱۰۸

مینار کی شان اور مرمت

ماہرین فن تعمیرات کا خیال ہے کہ دنیا بھر میں اپنی نوعیت کی یہ واحد مکمل خوبصورت اور باشکوہ عمارت ہے اس پر بھی کئی انقلابات گزر چکے ہیں سنہ ۱۱۹۲ء میں یہ مسجد کے ساتھ بننا شروع ہوا سنہ ۱۲۲۰ء کے قریب التمش کے زمانے میں پایہ تکمیل کو پہنچا لیکن فیروز شاہ تغلق کے عہد میں اس پر بجلی گری اور اس سے بڑا نقصان پہنچا فیروز شاہ نے نقصان زدہ حصہ دوبارہ بنوا دیا سکندر لودھی کے زمانے میں پھر بجلی گری اس لئے پھر مرمت کرائی گئی بالائی حصہ سنہ ۱۸۰۳ء میں زلزلے سے گر گیا باقی اس وقت تک موجود ہے۔

ہم نے مسجد یا دروازوں کے کتبوں کا یہاں ذکر نہیں کیا اس لئے کہ ان کا نقل کرنا نفس مسجد کے متعلق معلومات میں کسی خاص اضافے کا موجب نہیں مقصود محض یہ تھا کہ اسلام کی اس سب سے پہلی یادگار کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آ جائے اس کا بندوبست ایک حد تک اس مضمون میں ہو چکا ہے۔ جسے ہر اعتبار سے مکمل اور عام فہم بنانے کے لئے مسجد کا نقشہ ساتھ دے دیا گیا ہے۔ لوہے کی لاٹھ کا ذکر بھی ہم نے چھوڑ دیا ہے۔

تعجب کی بات

تعجب کی بات یہ ہے کہ خلجی کے بعد ہندوستان میں متعدد جلیل القدر بادشاہ ہوئے۔ مگر کسی کو اس مسجد

قلبِ ہند میں اسلام کی پہلی عبادت گاہ

دہلی کی مسجد قوت الاسلام

دہلی کی سرزمین میں معلوم نہیں بن بن کر بگڑنے کی اور بگڑ بگڑ کر بننے کی اتنی قوت کہاں سے جمع ہو گئی ہے کہ صفحہ ارضی کا کوئی دوسرا شہر کم از کم اس بابت میں اس ہر لحظہ بننے اور بگڑنے والے شہر کا مقابلہ نہیں کر سکتا پندرہ بیس میل لمبے اور آٹھ نو میل چوڑے علاقے میں کئی دلیاں آباد ہو چکی ہیں جن میں سے اکثر کے اب محض برائے نام آثار باقی رہ گئے ہیں بعض اس درجہ مٹ چکی ہیں کہ انتہائی سعی و کوشش کے باوجود ان کا مقام اور موقع متعین کرنا مشکل ہے آج اس علاقے میں پھر جائیے۔ آپ کو جہاں کہیں کوئی اثر، کوئی شکستہ عمارت کوئی ٹوٹا ہوا گنبد، کوئی بے حقیقت سا مکان جو امتداد زمانہ سے سپاہی مائل ہو چکا ہو نظر آئے سمجھ لیجئے کہ یہ کسی زمانے میں بڑے پُر شوکت اور با جبروت سلطانوں کا محل تھا۔ دہلی کے آثار قدیمہ کے زائر انہیں اس طرح نظر انداز کر جاتے ہیں کہ گویا دہلی سے ان آثار کا کوئی قابل ذکر قریبی تعلق نہیں ہے۔ حالانکہ جو شخص شاہجہان آباد سے قطب صاحب جاتا ہے اسے قدم قدم پر محسوس ہوتے ... دور تک جتنی ...

مسجد قوت الاسلام

یہ شہر دہلی کے کون و فساد کی مجمل سی کیفیت ہے جسے آثار قدیمہ کے متعلق کوئی مضمون لکھتے وقت بطور مقدمہ عرض کر دینا ضروری تھا اب ہم اصل موضوع کی طرف متوجہ ہوتے ہیں یعنی قلبِ ہند میں اسلام کی سب سے پہلی یادگار مسجد قوت الاسلام کی کیفیت سناتے ہیں جو پرانی دہلی میں قلعہ رائے پتھورا کے پاس واقع ہے۔

جن لوگوں نے قطب مینار کو دیکھا ہے ان میں سے شاید فی ہزار ایک کو بھی یہ معلوم نہ ہوگا کہ قطب مینار بجائے خود کوئی مستقل عمارت نہیں ہے بلکہ ایک مسجد کا مینار ہے جو اگر مکمل ہو جاتی تو روئے زمین کی عدیم النظیر مسجد ہوتی افسوس کہ آج اس کے صرف چند کھنڈر چند ٹوٹی ہوئی محرابیں اور بنانے والوں کے مجوزہ نقشے کا تقریباً محو شدہ خاکہ باقی رہ گیا ہے۔

رائے پتھورا کا بتخانہ

بیان کیا جاتا ہے۔ کہ جس جگہ یہ مسجد بننی شروع ہوتی تھی اس جگہ ایک عالی شان بتخانہ تھا جسے رائے پتھورا کا بتخانہ کہتے تھے سنہ ۱۱۹۲ء میں سلطان معز الدین محمد بن سام نے جو شہاب الدین محمد غوری کے نام سے مشہور ہے پرتھی راج کو فیصلہ کن شکست دیکر دہلی و اجمیر پر قبضہ کر لیا تو مذکورہ بالا بتخانے کو توڑ کر اس کی جگہ مسجد بنانے کا حکم دیا یہ بیان بغیر کسی تفصیل و تشریح کے عام طور پر مشہور ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ جب سنہ ۱۱۹۱ء میں پرتھی راج نے محمد غوری کو شکست دیکر ہندوستان سے ناکام واپس جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ تو اس فتح کی خوشی میں ایک وسیع بتخانے کی بنیاد رکھی تھی اس کا نام رائے پتھورا کا بتخانہ تھا یہ بتخانہ نامکمل ہی تھا۔ کہ بہادر غوری نے دوسرے سال پھر ہندوستان پر حملہ کیا اور پرتھی راج کو شکست دے کر دہلی اور اجمیر کی ہندو سلطنت کا خاتمہ کر دیا اس طرح غوری کی شکست فتح سے بدل گئی اور پرتھی راج نے اپنی فتح کی خوشی میں جو بتخانہ بنانا شروع کیا تھا۔ اسکو مسجد کی شکل دے کر اسلامی فتح کی یادگار بنا لیا گیا۔

لہذا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ بت خانہ کو توڑ کر مسجد بنایا گیا حقیقت یہ ہے کہ ایک نامکمل بتخانے کو جو مسلمانوں پر فتح کی یادگار میں بننا شروع ہوا تھا پہلی شکست کی کامیاب تلافی کے بعد اسلامی فتح کی یادگار بنا دیا گیا

تعمیر کی اجمالی کیفیت

محمد غوری نے قطب الدین ایبک کو ہندوستان کا گورنر مقرر کیا تھا لہذا مسجد ایبک ہی کے اہتمام میں بننی شروع ہوئی۔ چونکہ فرزندان توحید کی دہلی میں یہ سب سے پہلی عبادت گاہ تھی۔ فتح کی یادگار میں بنی تھی۔ بتخانے کی جگہ بنی تھی، ان اولوالعزم لوگوں نے بنائی تھی جو قلب ایشیا سے اُٹھ کر ہندوستان پہنچے اور یہاں انہوں نے ایک وسیع سلطنت کی بنیادیں استوار کردیں اس لئے اس میں وسعت، شان و شکوہ اور سطوت و جبروت کا بدرجہ اتم موجود ہونا ایک قدرتی امر تھا مسجد کی تفصیلات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قطب الدین کی رکھی ہوئی بنیادیں گو بہت وسیع نہ تھیں تاہم مسجد بجد عالی شان تھی اور ہندوستان میں شوکت و ابہت کے اعتبار سے بالکل ...

... یہ تفصیل کا موقعہ ... بتا دینا ضروری ہے کہ چھوٹے چھوٹے اور ناقابل ذکر شاہی محلوں کو چھوڑ کر دہلی شہر اب تک کم از کم تیرہ چودہ دفعہ مقام اور موقع بدل چکا ہے، راجہ یودھشٹر کا اندرپرست، راجہ دہلو کی دلی، اننگ پال کی دلی، رائے پتھورا کی دلی، جسے محمد غوری نے فتح کیا، کیقباد کی دلی (کیلوکھری) علاؤ الدین کی دلی (سیری) غیاث الدین تغلق کی دلی (تغلق آباد) محمد تغلق کی دو دلیاں (عادل آباد اور جہاں پناہ) فیروز تغلق کی دلی (فیروز آباد اور کوٹلہ) ہمایوں کی دلی (اندرپرست کے مقام پر) شیر شاہ کی دلی (شیر منڈل یا دین پناہ) سلیم سوری کی دلی (سلیم گڑھ) شاہ جہاں کی دلی (شاہ جہان آباد) انگریزوں کی دلی (نیو دہلی)

عدیم النظیر تھی۔ جب سلطان شمس الدین التمش تخت نشین ہوا تو اس نے مسجد کے شمال اور جنوب میں کافی اضافہ کر دیا۔ قطب مینار بھی التمش ہی کے زمانے میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔ علاء الدین خلجی نے مسجد کے مشرق اور شمال میں بہت زیادہ توسیع کر دی علائی توسیع کے بعد اسکا رقبہ دوگنے سے بھی بڑھ گیا۔ علاء الدین نے اپنی شمالی توسیع میں قطب مینار سے بھی زیادہ اونچا اور زبردست مینار بنانے کی تجویز کی تھی مگر اس کی وفات کے باعث ساری توسیعات نامکمل رہ گئیں اگر یہ مکمل ہو جاتیں تو آج وسعت، شان و شکوہ حسن و خوبی کے اعتبار سے روئے زمین کی کوئی مسجد قوت الاسلام کا مقابلہ نہ کر سکتی۔

مسجد کی شکل

قطب الدین کی تعمیر کردہ مسجد کی شکل مستطیل تھی یعنی اس کے شمالی اور جنوبی ضلع لمبے تھے مشرقی اور مغربی ضلع چھوٹے تھے التمش کی توسیع کے بعد بھی شکل مستطیل ہی رہی مگر شمالی و جنوبی اضلاع کے بجائے مشرقی و مغربی اضلاع لمبے ہو گئے۔ خلجی کی توسیعات پر بھی التمش کے زمانہ کی شکل قائم رہی۔

وسعت کا راز

مسجد کی اس قدر وسعت کئی مغرب پرست حضرات کی نظروں میں خار بن کر کھٹکتی ہے وہ اسے شاہان اسلام کی فضول خرچی اور اسراف پر محمول کرتے ہیں اور اکثر یہی بھیں ہو کر کہا کرتے ہیں کہ اتنی بڑی مسجد کی کیا ضرورت تھی؟ کیا اس وقت اتنے نمازی موجود رہتے؟ مگر انہیں

یاد رکھنا چاہیئے - کہ اس وقت کے مسلمان آجکل کے مسلمانوں جیسے نہ تھے - سلطنت کا مذہب اسلام تھا- بادشاہ خود سچے پابند اسلام تھے دہلی علماء باعمل کی بدولت دار العلوم "بخارا" بنی ہوئی تھی دنیائے اسلام کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک کے مسلمان تحصیل علم کی خاطر یہاں آتے تھے اسلام دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہا تھا اور غزنی سے لے کر دریائے شور تک اسلام ایک حالت اور یکساں رونق کے ساتھ پھیلا ہوا تھا عیسائیوں یہودیوں اور آتش پرستوں کا وجود مفقود تھا- نہ یہاں خارجی تھے نہ معتزلی نہ رافضی اور نہ باطنی لوگ اپنے آپ کو مسلمان اور صرف مسلمان سمجھتے تھے اور آجکل کی طرح چھوٹی چھوٹی جماعتوں اور فرقوں میں بٹے ہوئے نہ تھے وہ سب کے سب اسی ایک مسجد میں اکٹھے ہو کر اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں اپنی عبودیت کا اقرار کرتے تھے جہاں تک تاریخوں کا تعلق ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کی یہ وسعت بھی ان کے لیئے کافی نہ تھی

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ ہندوستان کے دل پر اسلام کی عظمت کا سکہ بٹھانا چاہتے تھے اور ان کے دل میں اسلام کا جو تصور تھا اس کی عظمت کے مادی اظہار کی شکل یہی تھی- جو مسجد قوت الاسلام اور قطب مینار میں نمایاں ہوئی-

امیر خسرو کا بیان

حضرت امیر خسرو نے اسلام کی رونق اور غلبہ کو اپنی مشہور مثنوی دول رانی وخضر خاںؔ میں اس طرح بیان کیا ہے :-

خوشا ہندوستان و رونق دیں | شریعت را کمال عز و تمکین
ز علم باعمل دہلی بخارا | ز شاہاں گشتہ اسلام آشکارا
تمامی کشور از تیغ غزا کار | چو خارستاں ز آتش گشتہ بیخار
ز پیشش سیر خورد آب شمشیر | فرو خفتہ غبار کفر در زیر
ز غزنی تا لب دریا دریں باب | ہمہ اسلام بینی بر یکے آب
نہ ترسائے کہ از نا ترسگاری | ہند بر بندہ داغ کردگاری
نہ از جنس جہوداں جنگ و بویت | کہ از قرآں کند دعویٰ بتوریت
نہ مغ کز طاعت آتش شود شاد | وزو با صد زباں آتش بفریاد
مسلماناں نعمانی روش خاص | ز دل ہر چار آئیں را باخلاص
نہ کیں با شافعی نے مہر با زید | جماعت را و سنت را بجاں صید
نہ اہل اعتزالے کز فن شوم | ز دیدار خدا گردند محروم

نہ آں سگ خارجی کز کینہ سازی
کند با شیر حق روباہ بازی

(مثنوی دول رانی و خضر خانی صفحہ ۴۶ - ۴۷)

ابن بطوطہ کے تاثرات

ابن بطوطہ جو ۷۳۴ھ میں ہندوستان آیا اپنے سفرنامہ میں اس مسجد کا تذکرہ کرتا ہوا کہتا ہے کہ " دہلی کی جامع مسجد بڑی وسیع ہے اس کا احاطہ چھت اور فرش سب کا سب سنگ سفید کا بنا ہوا ہے جو نہایت عمدہ طرح سے تراشا گیا ہے اور سیسے سے جوڑا گیا ہے اس میں لکڑی کا کہیں نام نہیں پتھر کے بنے ہوئے تیرہ گنبد ہیں- محرابیں سنگیں ہیں اور چار صحن ہیں عین وسط میں ایک گول مینار ہے جو نہ معلوم کس دھات کا بنا ہوا ہے اس کا طول تین ذرع ہے اور عرض آٹھ ذرع - مسجد کے مشرقی دروازہ پر دو بت زمین پر پڑے ہیں - جو آنے جانے والوں کے پاؤں تلے آتے ہیں یہ دروازہ اتنا اونچا ہے کہ ہاتھی اس میں سے گذر سکتا ہے اس پر پچی کاری کا کام کیا ہوا ہے اور سونے سے منقش ہے اسکو سلطان معز الدین بن ناصر الدین بن غیاث الدین بلبن نے تعمیر کرایا ہے وہ صحن غربی میں ایک بہت بڑا عبادت خانہ بنانا چاہتا تھا- مگر تہائی حصہ بنانے کے بعد اسے چھوڑ دیا- سلطان محمد تغلق نے اسے پورا کرنا چاہا مگر بعد میں یہ ارادہ ترک کر دیا- "

مسجد کے درجات

یہ مسجد پانچ درجوں پر مشتمل ہے جو اپنی اپنی خصوصیات کی وجہ سے ایک دوسرے سے بالکل الگ ہیں درجہ اول جنوب کی جانب لاٹھ کے سامنے ہے اس میں تین دروازے ہیں درمیانی دروازہ بہت بڑا اور دونو طرف کے بغلی دروازے چھوٹے چھوٹے ہیں یہ سب کے سب سنگ سرخ کے بنے ہوئے ہیں - ان پر نسخ اور کوفی خط میں آیات قرآنی کندہ ہیں بیل بوٹے بھی بنے ہوئے ہیں یہ درجہ ۶۲۷ھ میں تعمیر ہوا تھا- اس زمانہ میں ہندوستان سلطان شمس الدین التمش کے زیر نگیں تھا-

دوسرا درجہ

درجہ دوئم سب درجوں سے بڑا ہے اصل میں یہی مسجد قوۃ الاسلام کا قدیم ترین حصہ ہے جہاں پر رائے پتھورا کا بتخانہ واقع تھا- یہ ۵۹۴ھ میں سلطان معز الدین محمد بن سام کے عہد حکومت میں تعمیر ہوا تھا- اس حصہ کے پانچ دروازے ہیں جو نہایت خوبصورت بیل بوٹوں سے آراستہ ہیں لوہے کی لاٹھ بھی اسی درجہ میں نصب ہے-

تیسرا درجہ

تیسرا درجہ بعینہ پہلے درجہ کی طرح ہے اس کی محراب کا وہ پتھر جس پر تحریر کندہ تھا لوٹ گیا ہے لیکن حصہ کی ساخت اس کی وضع قطع اور منبت کاری صاف کہے دیتی ہے کہ یہ بھی سلطان شمس الدین التمش ہی کے وقت میں تیار ہوا تھا-

چوتھا درجہ

قوت الاسلام کا چوتھا درجہ سلطان علاء الدین خلجی کے عہد کی یادگار ہے- یہ بالکل ناتمام ہے اور سب سے زیادہ خراب خستہ حالت میں ہے-

پانچواں درجہ

پانچواں درجہ بھی سلطان علاء الدین ہی نے بنانا شروع کیا تھا - مگر ناتمام رہا اس درجہ میں علاء الدین کی ایک جسکو ٹوٹی ہوئی لاٹھ کہتے ہیں اس درجہ میں علاء الدین کی ایک لاٹھ بھی ہے یہی لاٹھ سے دگنی موٹی اور اونچی ہے دو چند اونچی ہے مگر عمر نے مہلت نہ دی اور یہ ناتمام رہ گئی- اس لاٹھ کے پتھر وغیرہ سب اکھڑ گئے ہیں- اب فقط چونے کا ڈھیر رہ گیا ہے-

موجودہ حالت

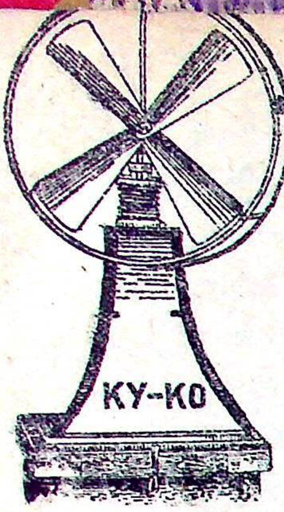
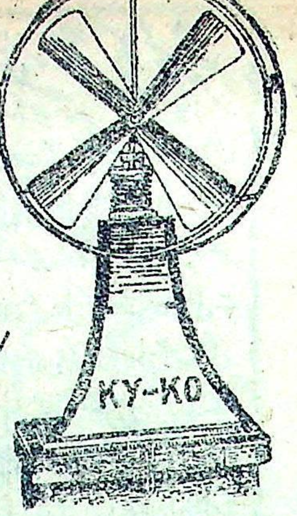
قوۃ الاسلام آجکل نہایت ردی حالت میں ہے اس کے نشانات امتداد زمانہ کے ہاتھوں روز بروز مٹ رہے ہیں اور وہ وقت عنقریب آنے والا ہے جب یہ عدیم النظیر مسجد فقط افسانہ بزم تو کجن بن کر رہ جائے گی اس کی شان و شوکت اور رونق کی داستان جب تاریخ کی زبان سے سنی جاتی ہے تو دل بھر آتا ہے۔ عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اور بعض باتیں تو ایسی عجیب و غریب معلوم ہوتی ہیں کہ جب تک اس مسجد کو اپنی آنکھوں سے دیکھ نہ لیا جائے ان کا سمجھ میں آنا سخت مشکل ہے

مسجد اور آثار ہنود

قوت الاسلام کے سلسلے میں ایک بحث یہ بھی ہے کہ اس میں ہندو عمارتوں کے بہت سے پتھر استعمال ہوئے ہیں اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ مسلمانوں نے رائے پتھورا کے اس بت خانے کو جو فتح کی یادگار میں بن رہا تھا مسجد بنا لیا تھا- اس لیئے لازماً مسجد کی موجودہ عمارتوں کے پتھروں کی تراش خراش میں ہندویت نمایاں ہے ویسے بھی اس وقت مسلمانوں کو ہندوؤں کی پرانی اور شکستہ عمارتوں سے جو مسالہ ملا انہوں نے بلا تامل اس عمارت میں استعمال کر لیا لیکن یہ بالکل غلط ہے کہ بت خانوں کو ڈھا ڈھا کر پتھر مہیا کئے گئے ہندوؤں کی ہر قسم کی شکستہ عمارتیں موجود تھیں اور کوئی وجہ نہ تھی کہ مسلمان بتخانوں کو ڈھاتے دراں حالیکہ ان کے پاس سینکڑوں برباد شدہ کھنڈر موجود تھے مسلمان مورخین نے اس باب میں جو کچھ لکھا ہے وہ محض تفاخر ہے یا حقیقی واقعات سے پورے طور پر باخبر نہ ہونے کا نتیجہ ہے ؂

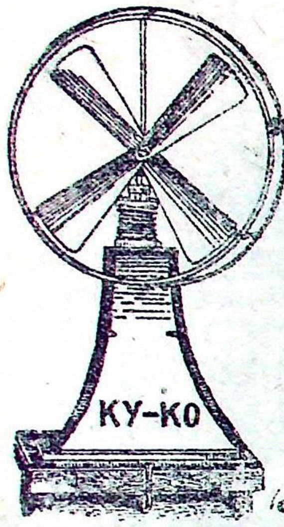
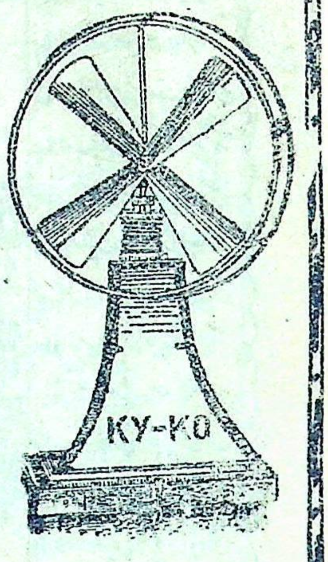
قطب مینار

آج قوت الاسلام کے شکستہ آثار میں سے صرف یہ مینار باقی ہے جو کسی نہ کسی رنگ میں اپنی پہلی شان کے ساتھ اب تک کھڑا ہی خدائے واحد کی توحید کا اقرار کر رہا ہے کہتے ہیں کہ یہ مینار ماذنہ مسجد کے طور پر بنا تھا- لیکن یہ صحیح معلوم نہیں ہوتا کہ اسلیئے کہ اس کی بالائی منزل پر جا کر ندا دی جائے تو بمشکل نیچے پہنچتی ہے مسلمان پاگل نہ تھے کہ موذن کے لیئے ایسا مقام تجویز کرتے جہاں سے مسلمانوں تک آواز پہنچ ہی نہ سکتی یہ مینار محض فتح کا نشان ہے اور مسجد کے ساتھ اسے اس لیئے رکھا گیا کہ یہ مسجد کی شان کو بہت بڑھا رہا تھا ممکن ہے دوسری یا تیسری منزل بطور ماذنہ کے کبھی استعمال ہوتی ہو- اور موذن کٹہرے میں پھر پھر کر اذان کہتا ہو- مگر اصل مینار ماذنہ نہ تھا اس میں بھی بعض پتھر ہندو عمارتوں کے استعمال ہوئے ہیں بعض کا خیال ہے کہ یہ مینار پرتھی راج کی بیٹی نے ہر صبح جمنا کو دیکھنے کے لیئے بنوایا تھا- اس پر کھڑے ہو کر دریائے جمنا اچھی طرح نظر آ جاتا ہے لیکن یہ غلط ہے اس لیئے کہ سارا مینار مسلمانوں کا تعمیر کرایا ہوا ہے

بجلی نداری کا نی کو بجز

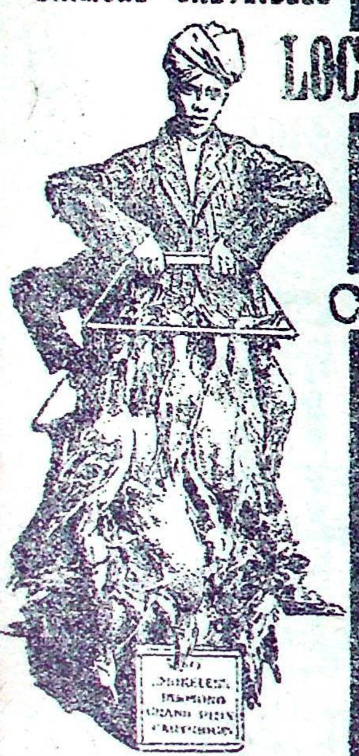
کائیکو۔ موٹر کے ذریعہ چلنے والا بہترین پنکھا ہے۔ نہ صرف شاندار مضبوط
اور پائدار بلکہ وزن میں سبک، رفتار میں تیز، اور خرچ نہایت
کم یعنی ایک بوتل مٹی کا تیل ۱۲ گھنٹوں کیلئے

رہائش گاہوں، دفتروں، دکانوں، مریضوں کے کمروں
(غرضیکہ جہاں بھی بجلی نہ ہو)
کے لئے نہایت ضروری اور کارآمد شئے ہے۔

نوٹ:۔ اس پنکھے کا ہر ایک پرزہ ہمارے ہاں سے دستیاب ہو سکتا ہے، فہرست مفت طلب کیجئے۔

MY SAHIB
ALSO USES
-- SMOKELESS --
"DIAMOND" CARTRIDGES



Get from--
Walter Locke & Co., Ld.
Delhi

MARVELLOUSLY QUICK.

تجربہ کار شکاری

LOCKE EXPRESS,
لاک ایکسپرس
کارتوس
CARTRIDGES.
استعمال کرتے ہیں جو کہ
جو ولایت کی فیکٹری کے بنے ہوئے
ہوتے ہیں ان کارتوسوں سے دھواں نہیں
اٹھتا۔
اور یہ صرف
والٹر لاک اینڈ کمپنی لمیٹڈ
کشمیری دروازہ دہلی
سے ملتے ہیں۔
فہرست مفت طلب کیجئے قیمت ۱۲ روپے
فی سیکڑہ

WALTER LOCKE & CO LTD. DELHI.



بندوقیں۔ رائفلیں پستول ریوالور

ہر قسم اور ہر قیمت کے موجود ہیں۔
(ہماری قیمتوں کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا)

خریدنے سے پہلے ہماری دوکان پر تشریف لا کر یا تحریر کر کے دریافت کر لیجئے۔

WALTER
LOCKE
& COY. LTD.
DELHI

والٹر لاک اینڈ کمپنی لمیٹڈ (کشمیری دروازہ) دہلی

سول ایجنٹس برائے ریلے بائیسکل، تاجران اسلحہ، جنرل مرچنٹس

WALTER
LOCKE
& COY. LTD.
DELHI

کالج کی خصوصیات

ہم نہایت خوشی سے اطلاع دیتے ہیں۔ کہ ہز ہائی نس مہاراجہ راجگان کرنل سر جگت جیت سنگھ صاحب بہادر جی۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ جی۔ سی۔ آئی۔ ای۔ جی۔ بی۔ ای۔ والئے ریاست العالیہ کپورتھلہ کالج کو اپنے نام نامی سے منسوب کرنے کی اجازت عطا فرماتے ہیں۔

دستخط (بحرف انگریزی)

چیف منسٹر ریاست العالیہ کپورتھلہ

مجھے ہز ایکسیلینسی فیلڈ مارشل سر ڈبلیو آر برڈووڈ بارٹ۔ جی۔ سی۔ بی۔ جی۔ سی۔ ایم۔ جی۔ کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ سی۔ آئی۔ ای۔ ڈی۔ ایس۔ او۔ کمانڈر انچیف صاحب بہادر افواج ہند کی طرف سے ہدایت ہوئی ہے آپکو مطلع کردوں۔ کہ آپ حضور ممدوح کا نام نامی بڑی خوشی سے کالج کیساتھ منسوب کرکے اسکا نام جگت جیت برڈووڈ انجینئرنگ کالج رکھ سکتے ہیں۔

دستخط (بحرف انگریزی) پرسنل اسسٹنٹ

جگت جیت برڈووڈ انجینئرنگ کالج امرتسر

یہ درسگاہ جس میں مڈل انٹرنس ایف۔ اے۔ اور بی اے تک کی تعلیم کے طلباء داخل ہوتے ہیں۔ اپریل ۱۹۱۸ء میں ایسے وقت میں کھولی گئی تھی جبکہ پنجاب میں انجینئرنگ کی کوئی پرائیویٹ درسگاہ نہ تھی۔ اس دس سال کے عرصہ میں جو حیرت انگیز اور عدیم النظیر ترقی اس نے کی ہے۔ اس کی تصدیق مندرجہ ذیل حکام کی رائے کے ملاحظہ سے ہو سکتی ہے۔ جنہوں نے وقتاً فوقتاً کالج ہذا کا معائنہ فرمایا۔ اور طلباء کا امتحان لیکر عمدگی اور سٹاف کی قابلیت کی تعریف فرمائی جس کی تفصیل انگریزی کے پراسپکٹس میں درج ہے۔

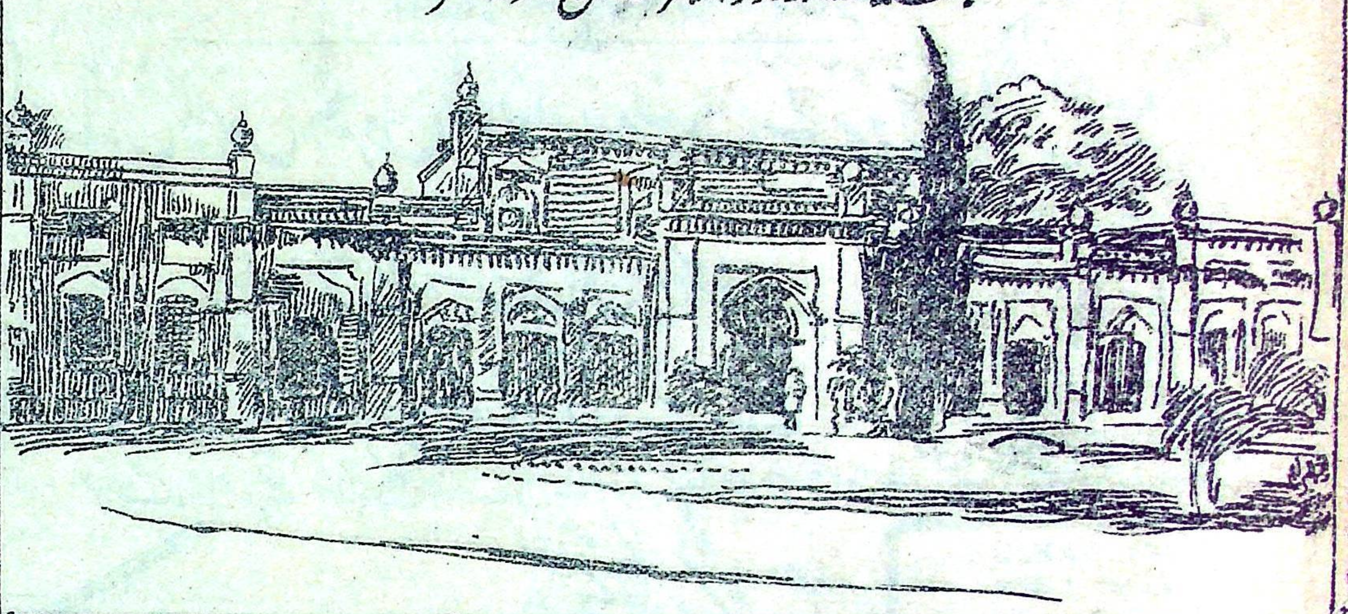
جناب ڈائرکٹر صاحب بہادر ملٹری ورکس انڈیا۔ جناب ایجوکیشنل کمشنر صاحب بہادر انڈیا۔ جناب ڈائرکٹر صاحب بہادر سررشتہ تعلیم صوبہ سرحد۔ جناب ڈائرکٹر و اسسٹنٹ ڈائرکٹر صاحب بہادر سررشتہ تعلیم پنجاب۔ جناب سکریٹری صاحب پی۔ ڈبلیو۔ ڈی و سٹیٹ انجینئر صاحب بہادر کپورتھلہ۔ جناب اگزیکٹو انجینئر صاحب بہادر امپیریل ورکس شملہ۔ جناب سپرنٹنڈنٹ انجینئر صاحب بہادر۔ جناب سپرنٹنڈنٹ انجینئر صاحب بہادر جی آئی پی ریلوے۔

علاوہ ازیں کالج ہذا کی اعلیٰ تعلیم کا اندازہ ان حکام انجینئرڈ دیپارٹمنٹ کی اسناد سے بھی ہو سکتا ہے جنہوں نے ملازم شدہ طلباء کے کام سے خوش ہو کر کالج اور طلباء کو اپنی خوشنودی مزاج کے سرٹیفکٹ عطا فرمائے جن میں سے ۱۲۵ سرٹیفکٹ پراسپکٹس کے ساتھ شامل کر دیئے گئے ہیں۔ اور ڈھائی سو ملازم شدہ طلباء کی مختصر سی فہرست سے بھی کالج کی شاندار کامیابی ثابت ہوتی ہے جسمیں گورنمنٹ کے ہر انجینئرنگ ڈیپارٹمنٹ میں طلباء کے نام معہ عہدہ اور تنخواہ ہونگی درج ہیں جو کہ پراسپکٹس میں لکھی ہیں تعداد طلباء ہمیشہ ڈیڑھ سو کے قریب رہتی ہے جنمیں ریاستہائے سندھ سرحد بلوچستان۔ پنجاب سے لیکر یو۔ پی اور بہار اڑیسہ تک کے طلباء آکر داخل ہوتے ہیں۔ اور یہ عزت۔ کسی بھی اسی کالج کو حاصل ہے۔ کہ ڈائرکٹر جنرل بہادر ملٹری ورکس انڈیا۔ ایجوکیشنل کمشنر انڈیا گورنمنٹ کے ایسے اعلیٰ حکام نے کالج ہذا کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے افتخار بخشا اور کام کی تعریف فرمائی کارکنان کالج کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ چیف انجینئر صاحب بہادر ڈیپارٹمنٹ نے ہماری چھٹی کو اپنے تمام ماتحت ڈیپارٹمنٹوں میں مشتہر کر دیا جو طلباء کی ملازمت کیلئے دقت کی تھی۔ اور حکم کو حسب ضرورت اس درسگاہ سے امیدواران ملازمت کے لئے طلب کیا کریں۔ اور چیف انجینئر صاحب بہادر نے ایسا ہی سرکلر جاری کر دیا جس سے طلباء کی ملازمت کا سلسلہ وسیع ہو گیا۔ فروری ۱۹۲۸ء سے دو جلیل القدر ہستیوں یعنی ہز ہائی نس مہاراجہ جگتجیت سنگھ صاحب بہادر جی۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ جی۔ سی۔ آئی۔ ای۔ جی۔ بی۔ ای۔ والئے کپورتھلہ اور ہز ایکسیلنسی فیلڈ مارشل سر ڈبلیو۔ آر۔ برڈووڈ۔ بارٹ۔ جی۔ سی۔ بی۔ جی۔ سی۔ ایم۔ جی۔ کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ ڈی۔ ایس۔ او۔ کمانڈر انچیف بہادر افواج ہندوستان نے کالج ہذا کی کامیابی سے مسرور ہو کر اپنے اسماء گرامی سے مزین و معنون فرمایا۔ جو زیب عنوان ہے۔ یہی نہیں بلکہ ہز ہائی نس ممدوح نے بنفس نفیس کالج ہذا کا معائنہ فرمایا۔ اور ہر ایک طالب علم کے کام۔ کالج سٹاف۔ سامان ڈرائنگ و سرویئنگ وغیرہ کو بنظر تعمق ملاحظہ کرکے کالج کی لاگ بک میں تعریف تحریر فرمائی۔ اور کارکنان کالج کو انکی محنت کی داد دیکر کالج کو منظور کرنے کا حکم دیا۔ بہت سے اخبارات نے بھی کالج کے متعلق عمدہ آرٹیکل لکھے۔ جناب جو تعریفی نوٹ مختلف اخباروں میں شائع ہو چکے ہیں۔ انکی علیحدہ ایک کتاب بن گئی ہے۔ علاوہ سب اوورسیر اور اوورسیر کلاسز کے ہم نے مئی ۱۹۲۸ء سے چند کلاسز فن بجلی کے متعلق کھول دی ہیں چنانچہ اب مندرجہ ذیل کلاسز جاری ہیں۔

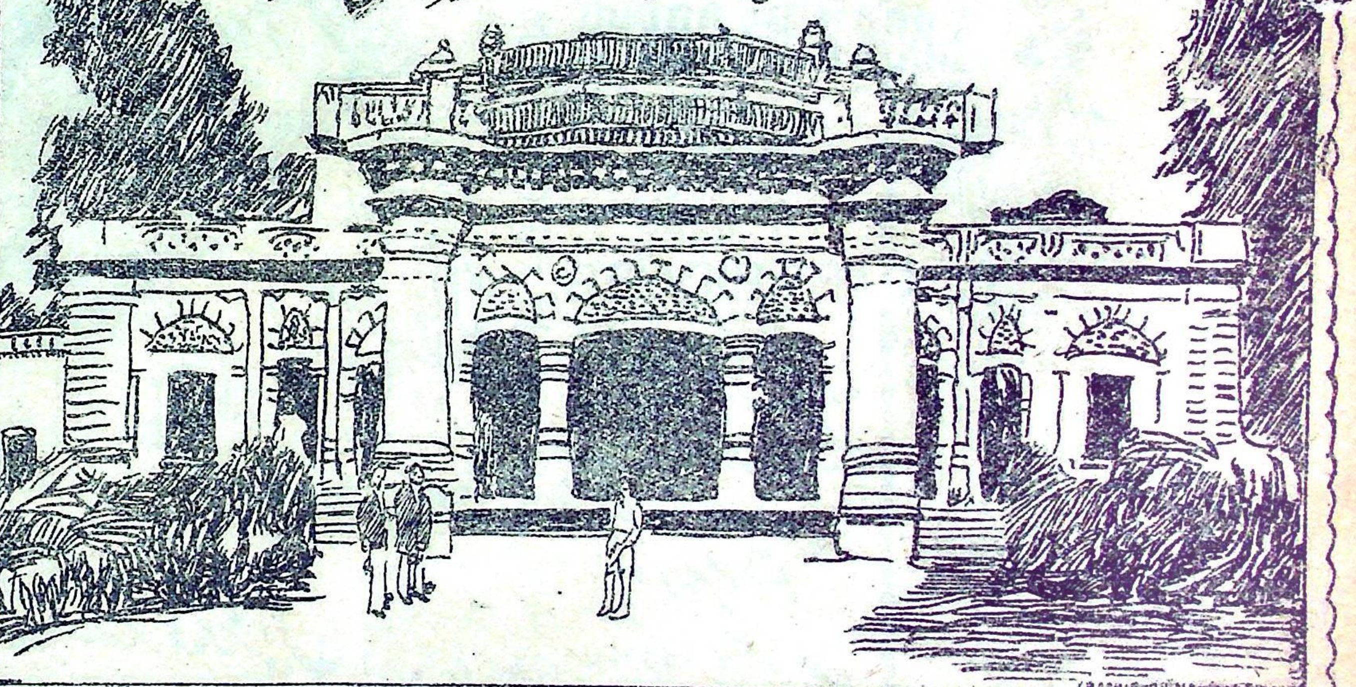
الیکٹریکل انجینئرنگ برانچ۔ الیکٹریکل انجینئرنگ کلاس گورنمنٹ سٹی اینڈ گلڈز لنڈن الیکٹریشن کلاس۔ ہر دو کلاسز کے قواعد انگریزی پراسپکٹس میں درج ہیں۔

سول انجینئرنگ برانچ۔ سب اوورسیر کلاس اور اوورسیر کلاس کے قواعد انگریزی پراسپکٹس میں درج ہیں۔

جگت جیت برڈووڈ انجینئرنگ کالج امرتسر



بورڈنگ ہوس جگت جیت برڈووڈ انجینئرنگ کالج امرتسر



میں نے کالج ہذا کا معائنہ کیا ہے۔ یہاں کے طلباء ملٹری ورکس ڈیپارٹمنٹ کیلئے نہایت ہی مفید ہیں۔

دستخط (بحرف انگریزی)

ڈائرکٹر جنرل ملٹری ورکس انڈیا

میں نے ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم این۔ ڈبلیو۔ ایف کے ہمراہ کالج ہذا کا معائنہ کیا ہے۔ مجھے نہایت مسرت ہوئی کہ اس کالج میں پریکٹیکل طور پر تعلیم دیجاتی ہے۔ اس ترقی سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ملک میں اس کالج کی بڑی ضرورت تھی۔ کالج کا کام نہایت اچھا ہے۔ اور پرنسپل بھی بہت لائق آدمی ہے۔ میں کارکنان کالج کو مبارکباد دیتا ہوں۔ اور کالج کی ترقی چاہتا ہوں۔

(ایجوکیشنل کمشنر انڈیا)

ویلارڈ بیٹری

ربڑ کی

چارج کی ہوئی بالکل تیار بیٹری

اس سے بہتر بیٹری آپ کو
مال کے مطابق واجبی قیمت پر
اور کہیں نہیں مل سکتی۔

اس بیٹری میں پلیٹوں کے
درمیان ربڑ دیا ہوتا ہے ربڑ
لکڑی کی نسبت اعلیٰ درجہ
کا انسولیٹر ہے۔

میکروں کے کارخانہ میں
ماہر تجربہ کار کاریگروں کے
ہاتھوں چارج ہو کر آتی ہے۔

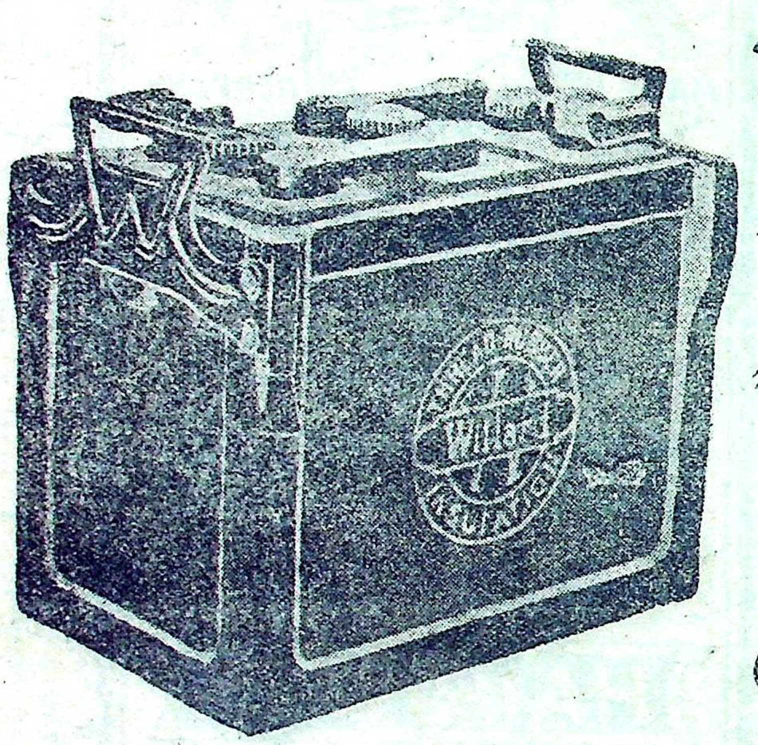
یہاں صرف تیزاب بھرا جاتا ہے۔ اس سے پہلے چارج
میں غفلت کی وجہ سے نقصان کا اندیشہ نہیں ہوتا۔

لکڑی کی

بغیر چارج کی ہوئی بیٹری

اگر آپ

نہایت عمدہ بیٹری خرید نہ کرسکتے
ہوں۔ تو اس سے سستی
لکڑی انسولیٹر والی ویلارڈ
بیٹری خرید کریں جو معمولی
بیٹری سے
بہت زیادہ قابل اعتماد
اور
دیرپا ہے۔



گریور کاٹن اینڈ کمپنی باوا ڈنگا سنگھ بلڈنگ ٹھنڈی سڑک لاہور

مسٹرز کے آر عبد الحکیم اینڈ سن چاندنی چوک دہلی

(قائم شدہ سنہ ۱۹۰۳ء)

کی خاص آرڈر سے تیار کرائی ہوئی پیٹنٹ گھڑیاں

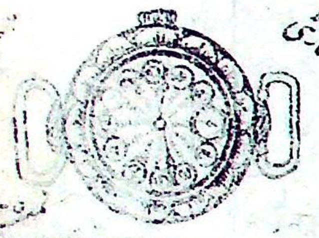
جو نوایجاد ہیں قابل دید ہیں ولایت کے نرخ پر نہایت سستی گھڑیاں ہیں

ان گھڑیوں کا چالان حال ہی میں ولایت سے آیا ہے۔ چونکہ فیکٹری سے مال خاص تعداد میں خاص رعایت سے اور خاص مشین جو کہ چلنے میں نہایت مضبوط … منگوایا ہے اس لیے ہم اپنے گاہکوں کو بھی مال بہت قلیل منافع پر دینا چاہتے ہیں۔ ہم سے سستی اور اچھی گھڑیاں آپ کو دوسری جگہ نہیں مل سکتیں۔ ایک گھڑی … دیکھیں، دوستوں کے لیے درجنوں طلب فرمائیں گے +

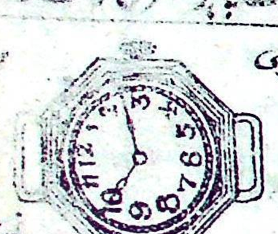
سنہری کیس کی نہایت شاندار اور خوبصورت رسٹ واچیں

یہ گھڑیاں دیکھنے میں نہایت خوبصورت چلنے میں مضبوط اور پائدار۔ وقت صحیح دینے میں لاثانی ہیں۔ ان کے ڈائل نہایت چمکدار سنہری۔ اور فینسی بنے ہوئے ہیں۔ جس نمونہ کی درکار ہو اس کا نمبر تحریر کیجئے +

فینسی ڈائل کی خوبصورت سنہری رسٹ واچ



ہشت پہلو سنہری رسٹ واچ



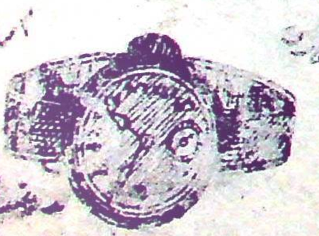
سورج مکھی ڈائل کی سنہری رسٹ واچ



انگریزی فیشن کی سنہری رسٹ واچ

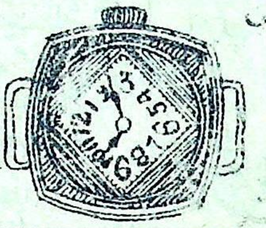


انگریزی فیشن شب چراغ رسٹ واچ

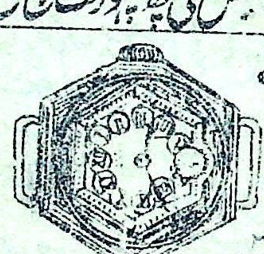




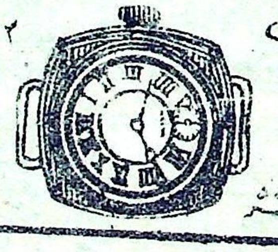
سنہری کیس کی چوکور کٹ ڈائل رسٹ واچ



سنہری کیس کی چھ پہلو رسٹ واچ مع سیکنڈ



سنہری کیس کی چوکور رسٹ واچ مع سیکنڈ



…رت سے انگشت بدندان ہیں کیونکہ ۱۴ کیرٹ گولڈ نب ریڈیم پوائنٹیڈ فاؤنٹین پن ہم نہایت ارزاں فروخت کر رہے ہیں

… جنین اصلی کرٹ گولڈ نب لگا ہوا ہے۔ جو خاص انگلینڈ کی ساخت ہے۔ ہر ایک قلم کا نب ریڈیم پوائنٹیڈ ہے جو اس بات کی تصدیق ہے کہ … نوک کبھی نہ … گی۔ ہر قلم گارنٹی سے روانہ کیا جاتا ہے۔ ایک ہفتہ کی آزمائش پر آج ہی منگا لیجئے۔ اور دوسرے گھٹیا قلموں میں روپیہ برباد نہ کیجئے



جناب کوی ونود وید بھوشن پنڈت ٹھاکر دت جی شرما وید موجد امرت دھارا و شوگری کی تیار کردہ چند ادویات جن سے لاکھوں مرد و عورت فائدہ [illegible]

ہیں - ۱۲ مارچ کو جو خط ڈالے جاوینگے ان کو نصف قیمت پر ملیں گی ! اس اشتہار میں قیمتیں پوری درج ہیں !

مردوں کو [illegible]

[illegible]

اکسیر [illegible]

اکسیر [illegible] للعہ

اکسیر ۱۲ [illegible]

اکسیر ۴۰ [illegible]

شوگری [illegible]

قیمت للعہ

طلا ٹھمبلا [illegible]

طلا ٹھمبر [illegible] قیمت چھ روپے نصف تین روپے

عورتوں و بچوں کیواسطے بے نظیر مجرب ادویات

بچھاٹ [illegible] عجیب [illegible] یہ دوائی درد [illegible] لگا عجیب بات بھاگ گئی [illegible] اسواسطے اقرار [illegible] ہے کہ لڑکی پیدا ہوگی تو [illegible] واپس کر دی جاویگی قیمت [illegible]

من رنجن دوائی اختناق الرحم

عورتوں کی اس مرض کی مجرب دوائی ہے قیمت [illegible] للعہ

دوائے بند مش خون حیض خون سیلان [illegible] بند ہو جاتا ہے [illegible] ۱۲ ر

[illegible] حیض کی بیماری کسی قسم کی اور [illegible] قیمت [illegible] ۴ ر

[illegible] [illegible] قیمت ۶ [illegible] ۸ ر

سوولی [illegible] سفید پانی جریان [illegible] ہسیال [illegible]

گود بھری [illegible] اور گود ہری بھری ہو جاتی ہے قیمت [illegible] واسطے

پھولو پھلو یہ سوکھا مساں کی دوائی ہے بچہ جب سوکھتا جاتا ہے اس دوائی کو کمر پر ملا جاتا ہے باریک کیڑے نکلتے ہیں اور بچہ تر و تازہ ہو جاتا ہے قیمت امراء سے مبلغ ۱۰۰ روپیہ - غرباء سے [illegible]

سوکھا ہر پھولو پھلو کیساتھ اس کا استعمال کرنا بہت مفید ہے قیمت [illegible] گولی [illegible]

بال سکھ بچوں کی مرض بدہضمی قبض دست کھانسی بخار وغیرہ کے

کالی دور

واسطے بے نظیر دوائی ہے قیمت [illegible] نمونہ ۲ ر بچوں کی کالی کھانسی کیلئے گولیاں بہت مفید ہیں [illegible] ہوتا ہے قیمت ۱۶ گولی [illegible]

امراض پوشیدہ کا مستقل قلع قمع

دوائی آتشک آتشک [illegible] [illegible] نہیں ہوتا ہے قیمت للعہ نصف ۶ ر

سارسا پرلا مرکب [illegible] یہ دوائی خون صاف کر کے جسم کو اندر سے [illegible] ہے قیمت ۶ نمونہ [illegible]

دوائی آتشک [illegible] آتشک [illegible]

سخت قسم کا ہو کر ادویات سے [illegible] اول جلاب [illegible] آتشک جاری ہو جاتا ہے [illegible] پھاگن چیت میں آتشک کے [illegible] اس موسم کے شروع [illegible] جلاب لیں [illegible] ۶ ماشہ ایک روپیہ [illegible]

چناک رجسٹرڈ بڑے تجربوں کے بعد ہمارا خود کا تجویز کردہ نسخہ اکسیر سوزاک ہے چونکہ سوزاک کی ہر حالت [illegible] ہے سوزش ہو جلن ہو - پیپ ہو دونوں ملے ہوئے ہوں سب کو مفید ہے قیمت ۶۰ گولی للعہ نمونہ ۱۵ گولی [illegible]

چند اور پیاری ادویات

دوائی اسیر خونی و بادی ہر قسم کی [illegible] کیواسطے بے نظیر ہے [illegible] کی بیماری دنوں میں دور [illegible]

دوائی تلی

[illegible] تلی کے واسطے بے نظیر دوائی ہے ہاضمہ کو تیز کرتی ہے - قیمت ۶ نمونہ ۴ ر

کرکول رجسٹرڈ ہاضمہ کی بے نظیر دوائی ہے بھوک بڑھاتی اور معدے و آنتوں کی تمام تکلیف کو دور کرتی ہے قیمت ۶۰ گولی [illegible] ۳۰ گولی [illegible] نمونہ ۴ ر

دت ورچن رجسٹرڈ جلاب کیواسطے یہ [illegible] دوائی [illegible] جلاب لینے ہوں [illegible] ہیں قیمت [illegible] نمونہ ۲ ر

آرام جان [illegible] دائمی رہتی [illegible] ان گولیوں کو کھایا کریں آہستہ آہستہ بیماری دور ہو جاویگی قیمت ۳۰ گولی [illegible] ۱۰ گولی ۸ ر

سنگ توڑ پتھری [illegible] مثانہ کو بلا تکلیف براستہ پیشاب خارج کرتی ہے قیمت ۶ ماشہ [illegible]

بلا دور ان گولیوں سے افیون کی [illegible] چھوٹ جاتی ہے سینکڑوں [illegible] چکے ہیں قیمت فی شیشی [illegible]

اکھ روشن (سرمہ) آنکھوں کی تمام امراض جالا پڑبال خارش [illegible] کو اکسیر ہے قیمت فی تولہ ۱۲ ر نمونہ ۱۰ ر

کرن تیل کان کی امراض درد پیپ سم تائیں تائیں کم سماعت کے لئے بہت عمدہ تیل ہے قیمت [illegible] نمونہ ۴ ر

دت لنوا رجسٹرڈ نسوار [illegible] چھینک آنے کے [illegible] کا درد - نزلہ زکام [illegible] دور ہو [illegible] قیمت [illegible] نمونہ ۴ ر

عرق بخار ملیریا موسمی بخار [illegible]

مکھ عب

[illegible]

چنت موہنی [illegible]

دل [illegible] [illegible]

بال [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible]

گول [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible] آرام آتا ہے قیمت [illegible]

امرت دھارا اور اس کے پانچ مرکبات بھی ۱۲ مارچ کو [illegible] قیمت پر [illegible]

امرت دھارا کسی تعریف کی محتاج نہیں [illegible] اس کی نقلوں پر روپیہ خرچ کرنا وقت پر دھوکہ کھانا ہے [illegible] کی بجائے [illegible] کیواسطے مندرجہ ذیل ۵ مرکبات بنائے ہیں [illegible] ۱۲ مارچ کی تاریخ [illegible] لکھ دیا جاوے سہولیت [illegible]

امرت دھارا مرہم

رجسٹرڈ یہ مرہم تقریباً تمام جلدی امراض کیواسطے بے نظیر دوائی ہے تمام قسم کے زخم، چوٹ، رگڑ، پھوڑے، پھنسیاں، داد، خارش، چنبل، ایگزیما، چھالے [illegible] سوزش، جلدی داغ، زخم [illegible] بواسیر، مچھر، بھڑ وغیرہ کا ڈنگ، آگ یا تیزاب وغیرہ سے جلنا [illegible] دور ہو جاتے ہیں! قیمت فی ڈبیہ ایک روپیہ [illegible]

امرت دھارا لوزنجز یعنی

[illegible] ولایتی سط [illegible] کی [illegible] میں امرت دھارا [illegible] امرت دھارا خوشی سے [illegible] آپ ہر وقت اپنے جیب میں امرت دھارا [illegible] رکھ سکتے ہیں اور اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں ! قیمت فی ڈبیہ [illegible] ۴ ر

امرت دھارا صابن

رجسٹرڈ یہ صابن جلدی امراض [illegible] داد، چنبل، پھوڑا، پھنسی، خارش [illegible] کیل چھائیاں وغیرہ کو دور کرتا ہے مگر ساتھ ہی روزانہ استعمال کیواسطے لاثانی چیز ہے میل کو دور کرتا ہے [illegible] الفلٹ [illegible] جرم کش) اول درجہ کا ہے قیمت فی بکس تین ٹکیہ ۱۴ ر فی ٹکیہ ۵ ر

امرت دھارا بام

رجسٹرڈ درد [illegible] نہایت ہی مفید مرکب ہے گاڑھا ہے مگر ملتے ہی پتلا ہو کر جذب ہو جاتا ہے گنٹھیا - درد کمر - عرق النساء - مچکوڑ وغیرہ اعصابی و عضلاتی درد کو بے نظیر ہے قیمت فی ڈبیہ ایک روپیہ [illegible]

امرت دھارا لوشن

اس کے غرارے حلق اور دانت کی [illegible] کے واسطے بہت ہی مفید ہیں [illegible] لگانے سے ان کی جڑ مضبوط رہتی ہیں اور بعد حجامت لگانے سے خرابیوں سے محفوظ [illegible] قیمت فی شیشی ایک روپیہ [illegible]

خط و کتابت و تار کے لئے پتہ

المشتہر منیجر امرت دھارا اوشدھالیہ امرت دھارا بھون امرت دھارا روڈ امرت دھارا ڈاکخانہ لاہور

امراض سر ۲ روپیہ · سکتہ ۳ روپیہ · مرگی ایک روپیہ · باد گولہ ۱ روپیہ · دیوانگی ۳ روپیہ · [illegible] ۳۰ روپیہ · ادھرنگ ۲۰ روپیہ · امراض معدہ ۱۰ روپیہ · امراض گلا ۵ روپیہ · بدہضمی ۵ روپیہ · بواسیر ۳۰ روپیہ · [illegible] ۱۰ روپیہ

حاشیہ کے گول دائرہ میں مرض اور انعام دو تحریر ہیں ہر مرض دوائی اکسیر زندگی کا جام زمردی مفید ہونیکا دعوی اور چیلنج کرتا ہے

اگر تجربہ سے غلط خلاف اشتہار غیر مفید ثابت ہو تو قانونی طور پر مشتہر انعام حاصل کرسکتا ہے

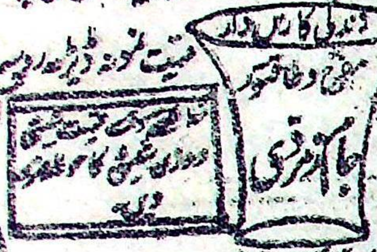
دنیا میں جام زمردی کی سخت ضرورت ہر فرد و بشر کو ہر وقت رہتی ہے۔ ہزاروں تجربات کے بعد مفید ثابت ہوئی ہے۔

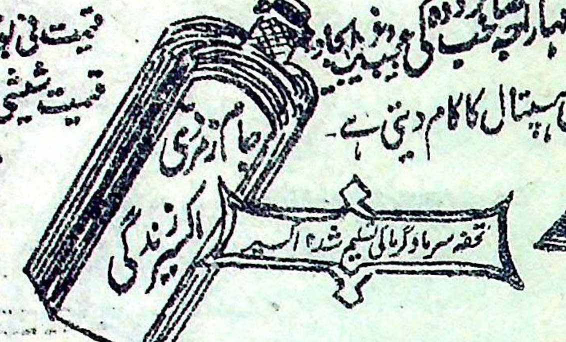
شاہی حکیم [illegible] صاحب مشیر معالج مہاراجہ صاحب بہادر کی بہترین ایجاد

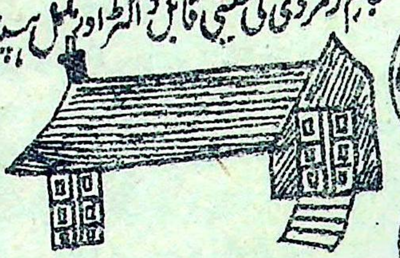
قیمت فی بوتل ساڑھے روپے قیمت شیشی ایک [illegible]

قیمت شیشی دو دو ساتھ روپے قیمت [illegible]

جام زمردی کی شیشی قابل ڈاکٹر اور مکمل ہسپتال کا کام دیتی ہے۔







حسب ہدایت و باقاعدہ علاج ضروری ہے۔ دوائی کا ہمہ صفت موصوف ہونا حالت مرض مسلسل علاج اور عمدہ تشخیص پر منحصر ہے

بچے، بوڑھے، عورت، مرد جوان کی شب و روز کے کل امراض کی مخصوص شرطیہ دوائی ہے۔ انسانی خراب مشینری کے ہر ایک پرزے کو خود بخود درست کرنیوالی مستری ہے۔ اس بارے میں ہزار اسنادات میڈل و انعام حاصل کرچکا ہے۔ [بلاتمیز مذہب و ملت] ہر فرد بشر بچے سے بوڑھے تک خوش ذائقہ اور لذیذ ہونے کی وجہ سے استعمال کرسکتے ہیں۔ مرد جسم میں جان پیدا ہوتی ہے۔ مرجھایا بدن ہرا بھرا ہوتا ہے۔ پھیکا چہرہ گلاب کی طرح کھل جاتا ہے۔ بیک وقت پیوند خون سرخ اور تازہ پیدا ہوتا ہے۔ بس زردی، چہرہ پیلا پن، مثلاً سفیدی مائل رنگت دانہ انار کی طرح سرخ اور چمکدار ہوجاتی ہے۔ بڑھاپے کی کھال پوست کی جھریوں کو اکر گوشت ہڈی کا واسطہ برابر قائم رکھتا ہے۔ اکسیر زندگی یعنی جام زمردی کا استعمال غذا کی طرح ہر ایک آدمی کو استعمال کرنا زندگی کی خوشی کیلئے ایک ضروری بات ہے۔ اسکے استعمال کرنے والا کسی بھی بیماری میں کبھی مبتلا نہیں ہوتا۔ سیاہ بال متواتر استعمال کرنے والے کے کبھی بھی سفید نہیں ہوتے بڑھاپے کی تمام خوفناک نشانیاں دور ہوکر انسان بہاٹھے سے پاٹھا بن جاتا ہے۔ تحفہ سرما و گرما ہے۔ اکسیر زندگی کا جام زمردی دیکھنے میں نہایت خوش رنگ پینے میں نہایت لذیذ جس جگہ اکسیر زندگی کا کاک کھل جاتا ہے وہ کمرہ پیاری پیاری میٹھی میٹھی روح پرور اور فرحت افزا خوشبوؤں سے مہک کر گلستان چمن بن جاتا ہے۔ دل دماغ معطر ہوکر فرحت و خوشی حاصل ہوتی ہے۔ آنکھوں میں سرور پیدا ہوتا ہے جب برتن میں پی جاتا ہے۔ ایک دن سالم وہ برتن مہکتا رہتا ہے۔ جام زمردی کے چند آبدار موتی حلق سے اترتے ہیں مست امرت کی مستی کا سرور پیدا کرتا ہے۔ جام زمردی کا ایک گھونٹ بھینس کے دودھ کی طاقت کا نشہ پیدا کرتا ہے۔ دائمی نزلہ، پرانی کھانسی، نئے پرانے بیمار، خرابی جگر، خرابی معدہ، امراض تلی، بھس، کمی خون، سر درد، گلے بڑھ جانا، تپ دق، ہیضہ، بدہضمی، دائمی قبض، قے، پیچش، درد قولنج، درد نقرس، وجع المفاصل، کمزوری، سستی، نامردی، احتلام، سرعت، سوزاک، بواسیر، ہر قسم کی خرابی خون، کمزوری مثانہ، کمزوری دل و دماغ، حیض کا ٹھیک نہ آنا، باد گولہ اور حاشیہ کی کل امراض کا تسلیم شدہ علاج ہے۔ اسکی چند خوراک کھانے سے قبض دور ہوتی ہے۔ پاخانہ کھل کر آتا ہے۔ بھوک بکثرت پیدا ہوتی ہے۔ دودھ مکھن مرغن غذا ہر موسم میں اچھی مقدار میں ہضم ہوتی ہے۔ تازہ خون پیدا ہوتا ہے۔ لاغر جسم موٹا تازہ۔ دوائی کے پورے فوائد اور مکمل خواص کے لئے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے۔ خوبصورت بناتی ہے۔ جوانی کی مستی رنگین شباب و صحت و خوشی کے دور دورہ شروع ہوجاتے ہیں۔ پہلی خوراک بیماری کو دبوچ لیتی ہے۔ باقاعدہ حسب حال استعمال کرنے سے پرانے روگ ہمیشہ کیلئے جاتے رہتے ہیں۔ یہ اکسیر روح زندگی ہے اور نہایت روح پرور و مفرح ہے۔ غشی اور بیہوشی کی شکایتیں ایک آدھ جام سے کافور ہوجاتی ہیں۔ اکسیر زندگی کا جام زمردی ۱۸۷ کشمیر کے برفانی پہاڑوں کی جڑی بوٹیوں لذیذ طاقتور پھل پھولوں اور قیمتی اجزائے جواہر ہیروں کو اکسیری ترکیب سے بغیر ہاتھ چھوئے خاص طریقے پر مسلسل سات ماہ کی محنت سے تیار کیا گیا ہے اور بند برتنوں میں بہتے ہوئے برفانی پانی کی ہوا تک بھی اسمیں داخل نہیں کی گئی ہے۔ اسلئے چند قطرے جام زمردی کی ایک خوراک طاقت اور سرور و خوشی پیدا کرنے میں بے مثال ہیں۔ جام زمردی کمزور اور بیمار پھیپھڑوں کو طاقت ور بنانے میں بے مثال ہے۔ شربت فولاد، ایسٹرن سیرپ، بالم طیوری، سعاکشہ سے سوانسٹہ ٹانک اور لال شربت جام زمردی کے آگے ایک گندی نالی کا پانی ہے۔ جام زمردی میں ست اجوائن، الائچی، پودینہ، پیپرمنٹ، کاربالک جو کہ آجکل لعوث دلدار آبحیات، عنبیل، مکولا وغیرہ کے نام سے بکتا ہے جام زمردی کے آگے یہ چیزیں ایک بلکے کا پانی ہے۔ خوب یاد رکھیں جام زمردی عارضی نفع بخش دوائی نہیں اور نہ ہی ست اجوائن الائچی پودینہ وغیرہ کا مرکب ہے۔ جام زمردی کے آگے دو دو سو روپیہ کی قیمت والی طاقتور ٹانک ایک گندہ پانی ہے۔ جام زمردی نئی زندگی بخشتی ہے۔ اسکے ایک جام سے حواس خمسہ ظاہری باطنی طور پر تیز و روشن ہوجاتے ہیں۔ خیالات عمدہ اور مفید سوجھنے لگتے ہیں۔ معدہ دماغ اعضائے رئیسہ کو تقویت ہوتی ہے۔ ضعف دل، بے چینی، سستی، گھبراہٹ، دھڑکن، پراگندہ خیالات، بدلی، وہم، تھکاوٹ کی تمام شکایات فوراً ہمیشہ کیلئے جاتی رہتی ہیں۔ غرضیکہ جوانی کی روح بڑھاپے کی جان بچوں اور عورتوں کا قابل ڈاکٹر، مقوی اعضائے رئیسہ پھیپھڑا، مقوی حافظہ، امراض مخصوصہ مردانہ زنانہ تپ، تپ تلی، ہر جنون کی امراض کو دشمن ہے۔ اگر آپ زندگی کے دن نہایت خوشی سے بسر کرنا چاہتے ہیں تو اس نادر و نایاب تحفہ کو ضرور منگائیں۔ موجد کا دعوی ہے کہ مبلغ ایک ہزار روپیہ نقد انعام اسکو دونگا جو اکسیر زندگی کے جام زمردی کے تمام اشتہار کو غلط ثابت کردے اگر ہمارے سلسلے کو غلط ثابت نہ کرسکے تو حاشیہ کے دائرہ کے امراض معہ انعام تحریر ہے۔ انمیں سے دس بیس مریضوں پر تجربہ کریں غیر مفید اور غلط ثابت کرنے پر وہ رقم انعام جو حاشیہ کے دائرہ میں دوائی کے غیر مفید ہونے کیلئے مقرر ہے وہ موجد دینے کو تیار ہے۔ انعام نہ دینے کی صورت میں قانونی طور پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔ بابرہیز دوائی کا استعمال ہونا ضروری ہے۔ شائقین ناظرین حسب حال مرض دوائی منگانے وقت اگر لکھیں انکو چہرہ شاہی گورنمنٹ آف انڈیا کا ٹکٹ لگا کر اقرار نامہ دیا جاتا ہے اگر دوائی غیر مفید ثابت ہو تو قیمت واپس۔ اکسیر زندگی یعنی جام زمردی ہمارا قلمی نسخہ موجب کے دس سالہ تجربہ و امتحان کے بعد تمام امراض کیلئے مجرب اور بہت کم خطا کرنے والا سینکڑوں پر آزمائش شدہ پرائیویٹ خاندانی نسخہ چوٹی کی دوائی ہے اور بالغ تجربہ ہونے اس مرتبہ بہت تیز طاقتور تیار کی گئی ہے۔ ہر شہر و قصبہ میں ایجنٹوں کی ضرورت ہے۔ کمیشن معقول دیا جائے گا۔ نوٹ: جام زمردی کا نسخہ اصل بادشاہ سکندر اعظم کیلئے چشمۂ حیات کا جواب تعریفوں کیساتھ پیش کیا گیا تھا۔ المشتہر

مینیجر نگینہ شفاخانہ انارکلی لاہور

امراض ہضم ۵۰ روپیہ · بخار و ضعف جگر ۸۰ روپیہ · بچوں کی امراض ۳۰ روپیہ · کمزوری قلب ۱۰ روپیہ · لعاب دہن ۵ روپیہ · سل دق ۵۰ روپیہ · خارش ہر قسم ۸۰ روپیہ · کمزوری بینائی ۲۰ روپیہ · چھینکیں آنا ۳ روپیہ · جوڑوں کا ورم ۶ روپیہ · تلی بڑھ جانا ۱ روپیہ · کمی حیض ۵ روپیہ · چہرے کے کیل داغ ۵ روپیہ · سفیدی بال ۲۰ روپیہ · ضعف دماغ ۴۰ روپیہ

امراض ناک کان ۳ روپیہ · امراض سینہ [illegible] روپیہ · امراض بلغمی ۱ روپیہ · دائمی قبض ۱ روپیہ · خارش معدہ ۱ روپیہ · امراض نفس ۵ روپیہ · تپ دق ۱۰ روپیہ · درد پسلی ۲ روپیہ · کمزوری پھیپھڑا ۱۰ روپیہ · ورم پھیپھڑا ۴۰ روپیہ · چھوٹے بچوں کے ڈوکا [illegible] ۳۰ روپیہ · امراض گردہ ۳ روپیہ · بنجار ہر قسم ۲۵ روپیہ · جلدی امراض ۲۵ روپیہ · خرابی خون ۹۹ روپیہ

صرف دو ماہ کیواسطے

نصف قیمت

عمل تسخیر من موہنی

یورپ کی عالمگیر ترقی کا راز مسمریزم ہی ہے جس کے مشہور اولیاء اللہ بھی قدیم زمانہ میں واقف تھے اور یہ عمل سینہ بسینہ چلا آتا ہے۔ فیضل کے عہد میں یہ علم بڑی محنت سے بڑی بڑی کرامتیں سرزد ہوتی دیکھی جاتا رہا۔ یہ کتاب گم شدہ جوہر کی تکمیل تشریح میں ہے۔ اس میں مسمریزم کے اصول درج ہیں جس کے پڑھنے سے ہر شخص مسمریزم کا عامل بن سکتا ہے۔ اس کتاب میں عمل حب کی آسان ترکیبیں بتائی گئی ہیں جس کو چاہو اپنا بنا لو۔ بیہوش کر کے گذشتہ و آیندہ کے حالات دریافت کرو۔ معمول کی آنکھیں بند ہوں گی بیہوشی کا عالم طاری ہوگا۔ مگر وہ اسی حالت میں ہر ایک بات کا ٹھیک جواب دیگا چاہے بالکل ہی ان پڑھ کیوں نہ ہو لیکن کتاب کو روانی سے پڑھ جائیگا کسی دوست کو دیکھنے کی خواہش ہو اور وہ بہت دور دراز مقام پر ہو تو اسکو وہیں بیٹھے پا لیگا جس سے حسب خواہش باتیں کر سکیگا۔ ایسا عامل جسے چاہے اور جہاں چاہے اپنے پاس بلا سکتا ہے اور جس پر اسکی نظر ہو اسکو اپنا مطیع۔ فرمانبردار اور فریفتہ بنا سکتا ہے۔ بیماریاں کیسی ہی سخت کیوں نہ ہوں خواہ جسمانی ہوں یا روحانی بغیر کسی دوا و علاج وغیرہ کے اچھا کر سکتا ہے۔ معمول کو جیسے تو معلق کر دے اور اسکا بدن کر جائے عالم ارواح وغیرہ کا نظارہ اور روحوں کی ملاقات کر سکے۔ مسمریزم کے متعلق یہ کتاب اپنی نظیر آپ ہے۔ قیمت اصلی ایک روپیہ آٹھ آنے (ع۸) رعایتی صرف ۱۲؍

کیا آپ نجومی بننا چاہتے ہیں؟

کاشف التقدیر

اگر آپ اپنی قسمت وغیرہ کا حال صحیح معلوم کرنا چاہتے ہیں اگر آپ نجومیوں کے آستانہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ تو کاشف التقدیر منگا کر اپنے پاس رکھیں۔ اس کتاب میں فال نامہ۔ خواب نامہ۔ فکون۔ مکاشفات جسمانی علامات اور نشانات درج ہیں جو یورپ نے ایجاد کیں اور جن سے اہل یورپ اپنی کامیابی و ناکامی اقبال و نحوست اور اپنی تقدیر کا حال معلوم کرتے ہیں۔ گذشتہ و آیندہ کے حالات دریافت کر لیتے ہیں مثلاً فال نامہ شعراء کا حضرت عمری۔ فال نامہ نپولین بوناپارٹ خواب نامہ ارسطو خواب نامہ بیبی اسرائیل فال نامہ تاش یعنی تاشوں۔ رمل۔ مہروں اور پانسوں کے ذریعہ تیر چلانا مع علم نجوم طلوع و غروب آفتاب کے ذریعہ فال لینا سعد و نحس ایام کی شناخت خفیہ تحریر جس کے ذریعہ آدمی باہمی خط و کتابت کر سکتے ہیں اور تیسرے کو ان کی باتوں کا پتہ نہ لگ سکے۔ نہایت عمدگی کی تحریر نقاب ٹوٹکے وغیرہ وغیرہ اس کتاب کی ایک جلد ہر گھر میں رہنی ضروری ہے ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہی ہے۔ آپ بھی ایک جلد منگائیں۔ اصل قیمت ایک روپیہ (عہ) رعایتی ۱۲؍

حب کے سربستہ راز

عاشقان حب کو مژدہ

جو کہ حب یعنی عمل کے نسخہ کے سربستہ راز از حضرت پیران پیر غوث اعظم دستگیر علیہ الرحمۃ جن کے ذریعے سے عامل ہر ایک انسان کو اپنا مطیع فریفتہ اور حلقہ بگوش بنا سکتا ہے اور دور دراز مقامات سے اپنے پاس بلا سکتا ہے۔ عاشقان فراق نصیب قرب حبیب حاصل کرنے میں نہایت ہی آسانی سے کامیاب ہو سکتے ہیں ان سربستہ رازوں کی برکت سے ہزاروں آدمی کامیاب ہو گئے بہت دکھ دیے ہوئے گھر آباد ہو گئے۔ یہ سربستہ راز اولاد حضرت پیران پیر غوث اعظم دستگیر میں سینہ بسینہ چلے آتے تھے۔ مگر بخیال رفاہ عام پہلے ان سربستہ رازوں کو صوفی اقبال احمد صاحب کی اجازت سے چھاپ دیے ہیں۔ واقعی قابل دید کتاب ہے۔ اصل قیمت ایک روپیہ (عہ) رعایتی قیمت صرف ۸؍

دولت کی کان
یا قارون کا خزانہ

کس طرح مل سکتا ہے۔ اگر آپکو دولتمند بننے کی خواہش ہے اور دنیا میں ہزاروں روپیہ کمانا چاہتے ہیں۔ تو ہماری کتاب "دولت کی کان" بہت جلد منگا لیجئے۔ یہ وہ کتاب ہے جس کی ہزاروں جلدیں فروخت ہو چکی ہیں۔ انڈیا۔ افریقہ۔ کوئٹہ۔ برما۔ سیلون۔ پورٹ بلیر وغیرہ میں یہ کتاب کثرت سے خریدی گئی ہے۔ اس کتاب میں سات سو بیوپار اور روزگار درج کئے گئے ہیں۔ جن کے ذریعہ سے انسان لاکھوں روپے کما سکتا ہے۔ فوٹوگرافی۔ گھڑی سازی۔ طلسمی انگوٹھی بنانا۔ گلٹ سازی۔ بال اڑانے کا پوڈر بنانا۔ ہر کی چھری بنانا۔ مٹی سے سونا چاندی کی شناخت کافور کے گلاس بنانا۔ عمدہ صابن بنانا۔ لکھوری بنانا۔ لاکھ بنانا۔ عنبر بنانا۔ سونا بنانا۔ پکے رنگ کے یاقوت کو تیز بنانا۔ موتی چمکانا۔ کافوری لا بنانا۔ کافور صاف کرنا۔ کافوری کیمیا بنانا۔ گنجوں کے بال پیدا کرنا۔ مصنوعی چرس بنانا۔ لوہے کا مقناطیس بنانا۔ قطب نما بنانا۔ بال اڑانے کا صابن بنانا۔ بال عمر بھر نہ اگنے کا نسخہ۔ بال پیدا کرنے کی ترکیب وغیرہ۔ سات سو بیوپار درج ہیں جن میں صنعت و حرفت تجارت وغیرہ وغیرہ کے چیدہ اور کارآمد عمدہ عمدہ نسخہ جات درج کئے گئے ہیں جو لوگ بیکار یا بے روزگار ہیں وہ بہت جلد اس کتاب کو منگا کر تھوڑی سی پونجی سے کوئی کام کریں چند ہی یوم میں مالا مال ہو جائینگے۔

اصل قیمت ایک روپیہ (عہ) رعایتی قیمت صرف آٹھ آنے (۸؍)

رسالہ عالم الغیب

اس کے ذریعہ سے آپ بھی پیشینگوئیاں کر سکتے ہیں۔ اور زمانہ آیندہ کے واقعات سے آگاہی پا سکتے ہیں۔ قابل دید اور دیکھنے کے قابل کتاب ہے۔ اصل قیمت ایک روپیہ (عہ)

رعایتی قیمت صرف آٹھ آنے (۸؍)

ضروری نوٹ

ایک روپیہ سے کم قیمت کا وی۔ پی روانہ نہیں ہوگا۔ اگر آٹھ آنے کی کتاب منگوانی ہو تو نو آنے کے ٹکٹ لفافہ میں بھیج دیں۔ کتاب کے گم ہونے کے ہم ذمہ وار نہ ہوں ورنہ بیرنگ منگائیں۔ اور صرف قیمت کے ٹکٹ بھیجیں۔

نوٹ:- یہ پرانی کتابیں ہیں پھر نہیں چھپینگی خریدار اس موقع کو غنیمت سمجھیں۔

ملنے کا پتہ: **مینجر کتبخانہ نواب احمد۔ وطن پوسٹ آفس نمبر ۳ لاہور**

Title Printed at Halftone Press Lahore